اسی قسم کے بعض ناگزیر اسباب تعویق و تاخیر کی وجہ سے الرشید کے اجراء کی ہمت نہیں کی گئی جسوقت القاسم کا انتظام حسب منشاء درست ہوگیا۔ انشاء اللہ تعالےٰ وہ بھی جاری کردیا جائیگا جن حضرات کو اسکے مطالعہ کا بیحد شوق دامنگیر ہے تھوڑا سا اور انتظار فرمائیں

شملہ میں اراکین جمعیۃ الانصار دیوبند کا دوسرا علمی جلسہ

ناظرین کو یاد ہوگا کہ گذشتہ ماہ شعبان میں بزرگان شملہ کی دعوت پر جمعیۃ الانصار کے اراکین و سرپرست معہ ناظم جمعیۃ الانصار شملہ تشریف لیگئے تھے۔ اور تین روز تک متصل یادگار علمی جلسے ہوتے رہے جنمیں اراکین جمعیت کے وہ پر اثر علمی بیانات ہوئے جو شملہ کی تاریخ میں آجتک ہوئے تھے اور کیوں نہ ہوتے۔ ملک الواعظین حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہم العالی اس وفد کے سرپرست تھے۔ اور مولانا مولوی محمد انور شاہ صاحب وغیرہ مدرسان دارالعلوم جنکو یادگار سلف لکھنا بجا ہے اسکے رکن تھے۔ ان تمثیل وعظوں اور تقریروں کے جنمیں علمی رنگ غالب ہونے کے ساتھ ضرورت زمانہ کے موافق تفہیم و الفاظ کا خاص طرز ملحوظ رکھا گیا تھا۔

اہل شملہ نے نہایت دلچسپی سے سنا اور آنکو معلوم ہوگیا کہ اہل علم کی فصیح دلچسپ اور دلنشین تقریروں کو واعظوں کی داستان خوانی کی ضرورت نہیں ہے۔

ان علمی بیانات کا ایسا گہرا اثر شملہ کے عوام و خواص پر ہوا کہ اُن میں اس قسم کے بیانات سننے کا شوق پیدا ہوگیا۔ اور امسال بھی اسی ماہ شعبان میں بزرگان شملہ کی طرف سے دعوتی خط آنے پر اراکین جمعیۃ الانصار کا ایک وفد عازم شملہ ہوا۔ تین دن متواتر جلسے ہوتے رہے جنکی کیفیت انہی الفاظ میں ظاہر کرنی مناسب ہے جو ہمارے پاس وہاں کے ایک معتقد رکن نے لکھ بھیجی ہیں

”شملہ کی تاریخ میں سب سے بڑا شاندار علمی اسلامی جلسہ

ایسے رنگوں کے دیکھنے کو ہماری آنکھیں ترستی تھیں اور روح تڑپتی تھی جو حضرات سلف صالحین

(سوال) وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ (خدا نے اُن پیغمبر کو اُمیوں سے بھیجا اور اُن اگلوں کی طرف بھی بھیجا جو ابھی تک اُن اُمیوں سے آکر نہیں ملے)۔

یہاں پر دو سوال ہوتے ہیں۔ (الف) آخرین (اُن اور لوگوں) سے کون لوگ مراد ہیں۔

(ب) لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ (اُمیوں سے آکے نہ ملے) کا کیا مطلب ہے۔

(ج) امام رازی تفسیر کبیر میں (الف) کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ

قال المفسرون هم الاعاجم يعني بهم غير العرب اي طائفة كانت قاله ابن عباس وجماعة وقال مقاتل يعني التابعين من هذه الامة الذين لم يلحقوا باوائلهم وفي الجملة معنى جميع الاقوال فيه كل من دخل في الاسلام بعد النبي صلى الله عليه وسلم الى يوم القيامة فالمراد بالاميين العرب وبالآخرين سواهم من الامم۔

(تفسیر کبیر جلد ۸ ص ۱۴۲ طبع مصر)

(مفسرین نے فرمایا کہ آخرین سے عجمی لوگ مراد ہیں یعنی عرب کے سوا جو قوم بھی ہو (وہ آخرین میں داخل ہے) (مجاہد) ابن عباس اور ایک جماعت کی یہی رائے ہے اور مقاتل کہتے ہیں کہ اُمیین سے ابتدائے امت کے تابعین اور آخرین سے وہ متاخرین مسلمان ہیں جو متقدمین کے زمانہ میں موجود نہیں تھے۔ اور حاصل تمام اقوال کا اس بارہ میں یہی ہے کہ آخرین میں وہ سب لوگ شامل ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک حلقۂ اسلام میں داخل ہونگے۔ تو اُمیین سے عرب مراد ہوئے اور آخرین سے اُنکے سوا ساری قومیں۔)

آخرین کے لفظ سے عجمیوں کا ارادہ کرنا اگرچہ بخاری۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ وغیرہ کی اس روایت کے مطابق ہے۔ کہ

عن ابي هريرة قال كنا جلوسا عند النبي صلى الله عليه وسلم حين انزلت سورة الجمعة فتلاها فلما بلغ وآخرين منهم لما يلحقوا بهم قال له رجل يا رسول الله من هؤلاء الذين لم يلحقوا بنا فوضع يده على سلمان الفارسي رضي الله

(ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر تھے جو سورہ الجمعہ نازل ہوئی اور آپ نے اس کی تلاوت کی جب آپ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ پر پہنچے تو کسی شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ آخرین کون لوگ ہیں جو ابھی تک ہم سے نہیں ملے آپ نے اپنا ہاتھ سلمان فارسی ... [illegible]

معارف القرآن

ولنعم ما قيل

جميع العلم في القرآن لكن — تقاصر عنه افهام الرجال

سورة الجمعة

(گذشتہ سے پیوستہ)

آیت ثانی (تعلیم کتاب اور تعلیم حکمۃ سے کیا مراد ہے) کے متعلق امام فخر الدین رازی یہ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ

والكتاب ما يتلى من الآيات والحكمة هي الفرائض وقيل الحكمة السنة لانه كان يتلو عليهم آياته ويعلمهم سننه وقيل الكتاب الآيات نصا والحكمة ما اودع فيها من المعاني ولا يبعد ان يقال الكتاب آيات القرآن والحكمة وجه التمسك بها

(تفسیر کبیر جلد ثامن صفحہ ۱۴۳ اور ۱۴۴ طبع مصر)

(کتاب سے مراد مطلق وہ آیتیں ہیں جنکی تلاوۃ کیجاتی ہے اور حکمۃ سے خاص فرائض مراد ہیں اور بعض نے کہا کہ (کتاب سے قرآن اور) حکمۃ سے سنۃ ارادہ کرلو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کتاب تو ظاہر آیات کا نام ہو اور حکمۃ ان اسرار اور معانی کا جو ان میں ودیعت کئے گئے ہیں اور یہ کہنا بھی بعید از قیاس نہیں کہ کتاب کے معنی تو آیات قرآن کے لئے جائیں اور ان سے استدلال کرنیکے طریقہ کو حکمت سمجھا جائے۔)

سید محمود آلوسی بغدادی فرماتے ہیں۔ کہ

ويجوز كون الكتاب والحكمة كناية عن جميع النقليات والعقليات كالسموات والارض لجميع الموجودات والانصار والمهاجرين لجميع الصحابة رضي الله تعالى عنهم۔

(تفسیر روح المعانی جلد تاسع صفحہ [illegible])

(یہ بھی جائز ہے کہ کتاب جملہ نقلیات سے اور حکمۃ تمام عقلیات سے کنایۃ ہو (تو معنی یہ ہونگے کہ وہ رسول ان امیوں کو تمام علوم عقلیہ و نقلیہ کی تعلیم دیتا ہے) اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سموات وارض بولکر تمام موجودات کا اور انصار و مہاجرین بولکر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اکثر ارادہ کرلیتے ہیں۔)

(س ۶) یا ایہا الذین امنوا اذا نودی للصلوۃ الخ (مسلمانو جب جمعہ کی نماز کے لئے اذان دیجائے تو لپکو اللہ کے ذکر کی طرف اور چھوڑ دو تجارتی کاروبار کو) اس آیت اور پہلی آیت قل ان الموت الذی تفرون منہ فانہ ملاقیکم (یہودیوں سے کہدو کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تمسے ملکر رہیگی) میں باہم کیا ربط ہے۔

(ج) وجہ التعلق بما قبلہا ہو ان الذین ہادو یفرون من الموت لمتاع الدنیا وطیباتہا والذین آمنوا یسعون ویسرون لمتاع الدنیا وطیباتہا کذلک فنبہہم اللہ تعالیٰ بقولہ فاسعوا الی ذکر اللہ ای الی ما ینفعکم فی الآخرۃ وہو حضور الجمعۃ لان الدنیا ومتاعہا فانیۃ والآخرۃ وما فیہا باقیۃ ووجہ آخر فی التعلق قال بعضہم قد ابطل اللہ قول الیہود فی ثلث۔ افتخروا بانہم اولیاء اللہ واحباءہ فکذبہم بقولہ فتمنوا الموت ان کنتم صادقین وبانہم اہل الکتاب والعرب لا کتاب لہم فشبہہم بحمل الاسفار وبالسبت ولیس للمسلمین مثلہ فشرع اللہ تعالیٰ لہم الجمعۃ۔

(اس آیت کا تعلق پہلی آیت کے ساتھ یہ ہے کہ یہودی متاع دنیا کی وجہ سے اگر موت سے بھاگتے تھے تو مسلمان بھی متاع دنیا کی وجہ سے بیع وشرا میں مصروف ہو کر ذکر اللہ (خطبہ) چھوڑ کر چلے جاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انکو متنبہ فرمادیا کہ دیکھو تم کو بجائے خرید وفروخت اور کاروبار دنیوی کی اس چیز کی طرف لپکنا چاہئے جو آخرۃ میں کام آئے کیونکہ دنیا اور دنیا کی سب چیزیں فانی اور آخرۃ اور اسکے سارے سامان لازوال ہیں۔

اور ایک دوسری وجہ اس آیت کے پہلی آیت سے مربوط ہونیکی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہود کے تین اقوال کو باطل ٹھیرانا منظور تھا۔ ایک تو وہ فخر کرتے تھے کہ ہم اللہ کے ولی اور اللہ کے دوست ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ اگر یہ بات ہے تو موت کے آرزومند ہو۔ دوسرے وہ مغرور تھے کہ ہم اہل کتاب ہیں اور عربوں کے یہاں کوئی کتاب آسمانی نہیں۔ اللہ نے فرمادیا کہ بیشک تمکو کتاب ملی لیکن ایسی جیسا کہ کسی گدھے پر کتابیں لاد دیجائیں۔ تیسری بات وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارے یہاں شنبہ کا دن ہے جس میں ہم فارغ ہو کر خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے واسطے جمعہ کا دن مقرر کرکے فرمادیا یا ایہا الذین امنوا اذا نودی للصلوۃ الخ

بعض جزئیات اصلاح انقلاب

(اصلاح معاملہ سفر)

(سلسلہ کے لئے القاسم نمبر ۱۲ جلد ۳ ملاحظہ ہو)

منجملہ اُن امور کے جن میں انقلاب واجب الاصلاح واقع ہوا ہی سفر بھی ہے جو ایک معمولی روزانہ کی حالت ہے جسکی وجہ سے اسکے انقلاب کی طرف ذہن بھی نہیں جاتا مگر ہماری بے علمی و بدعملی سے اتنا بڑا خفیف امر بھی اس انقلاب سے محفوظ نہیں رہا چنانچہ مختصراً اسکو بھی لکھا جاتا ہے سو منجملہ اُن کوتاہیوں کے جو سفر کے متعلق ہیں ایک یہ ہے کہ بکثرت سفر بلاضرورت کیا جاتا ہے جسکو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں ناپسند فرمایا ہے کہ جب سفر میں تمھاری حاجت پوری ہوجا دے تو اپنے گھر جلدی لوٹ آؤ اسواسطے کہ سفر سے کھانے پینے سونے میں خلل پڑتا ہے (اھ) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب بلاضرورت ابقاء سفر پسند نہیں تو اُسکا احداث تو بدرجہ اولی ناپسند ہوگا کیونکہ احداث سے ابقاء اہون اور اسہل ہے اور واقعی جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے سفر میں تمام سامان ضروری آسایش کا مختل ہوجاتا ہے اور جس طرح طبعی آسایش میں خلل پڑتا ہے اُسی طرح شرعی زندگی میں یعنی دینی معمولات میں بھی اختلال واقع ہوتا ہے جو مبتدی کیلئے تو خصوصیت کے ساتھ اور منتہی کے لئے بھی ایک درجہ میں مضر ہے اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ ایک حدیث میں نص ہو کہ اگر مرض یا سفر کے سبب معمولات میں خلل پڑتا ہے تو حق تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتے ہیں کہ میرے بندہ کیلئے اتنا ہی ثواب لکھنا جتنا حالت صحت و حضر میں لکھتے تھے اھ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اختلال معمولات و اوراد کا مضر نہیں جواب یہ ہے کہ یہ اُس سفر کیلئے ہے جو بضرورت ہو اسلئے کہ اوپر غیر ضروری سفر کا ناپسندیدہ ہونا ثابت ہوچکا ہے تو اُسکو اجر کے باب میں عذر کیسے کہا جاویگا اور اجر کی قید اسلئے لگائی کہ ایسے سفر میں قصر صلوۃ کی مشروعیت پر شبہ نہو حتی کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تو سفر معصیت میں بھی قصر مشروع ہے تو اس قید سے یہ شبہ جاتا رہا حاصل یہ ہے کہ

(س) فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون ۔ (جب نماز سے فراغت حاصل کرلی جائے تو پھیل پڑو زمین میں اور طلب کرو اللہ کا فضل اور یاد کرو اللہ کو بہت تاکہ تم کامیاب ہو) ۔ اس آیت میں اللہ کے فضل سے کیا مراد ہے ۔

(ج) اسکی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں ۔ اور اگرچہ اللہ کے فضل سے یہاں رزق مراد لینا زیادہ راجح سمجھا گیا ہے چنانچہ صحیح بخاری کے باب قول اللہ تعالیٰ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض الخ میں، جو حدیث (نماز جمعہ کے بعد صحابہ کے ایک بوڑھیا کے گھر جاکر چقندر کے کھانے کی) درج کی ہے ۔ اس سے بھی رزق مراد لینے ہی کی تائید ہوتی ہے ۔ لیکن بہتر ہوگا کہ امام فخر الدین رازی کے موافق سب تفسیروں کو جمع کرکے یوں کہا جائے ۔ کہ

الافضل فی الابتغاء من فضل اللہ ان یطلب الرزق او الولد الصالح او العلم النافع وغیر ذلک من الحسنۃ ۔
(تفسیر کبیر جلد ثامن صفحہ ۱۲۶ طبع مصری)

(فضل خدا کا فضل طلب کرنے کے بارہ میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رزق مانگے یا نیک اولاد یا علم نافع یا اور کوئی خیر اچھی چیزوں میں سے)

(س) واذا راوا تجارۃ او لھوا انفضوا الیھا وترکوک قائما الخ (جب یہ لوگ دیکھتے ہیں کوئی سودا بکتا ہوا یا تماشہ ہوتا ہوا تو اسکی طرف چل دوڑتے ہیں اور تجھکو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں) اس آیت کی شان نزول کیا ہے ۔

(ج) اسکا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے اتفاق سے اسوقت شام کا ایک تجارتی قافلہ آگیا ۔ اور انہوں نے اعلان کے واسطے حسب دستور شور کرنا اور طبل وغیرہ بجانا شروع کیا ۔ چونکہ مدینہ والوں کے اکثر ضروریات کی خرید و فروخت کا دارمدار ان ہی قافلوں پر تھا جو گاہ بگاہ شام اور یمن وغیرہ سے آتے تھے ۔ اسلئے لوگ قافلہ کی آمد کی خبر سنکر خطبہ چھوڑ چھوڑ کر چلے گئے اور سوائے بارہ یا کم و بیش آدمیوں کے اور کوئی مسجد میں نہ رہا ۔ اس پر یہ آیت انکی تفہیم کی غرض سے نازل کی گئی ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

—— (باقی آئندہ) ——

بھی مصلحت ہو مجیز سفر ہے جیسا تلاش معاش حلال کیلئے سفر کرنا یا تبدیل ہوا کیلئے سفر کرنا جبکہ طبیب نے تجویز کیا ہو یا کسی دوست یا قریب سے ازدیاد محبت وسرور کیلئے سفر کرنا یا کسی نافع تحقیق کیلئے سفر کرنا بشرطیکہ اسمیں غلو نہو جیسا بعض شائقان تحقیقات جدیدہ کو غلو ہو گیا ہے کہ انکی مساعی شاقہ اس مثل کا مصداق ہو جاتی ہیں کوہ کندن وکاہ برآوردن جن کی مذمت اس آیت میں بھی ہے وکم اھلکنا قبلھم من قرن ھم اشد منھم بطشا فنقبوا فی البلاد الآیہ۔ اور جب بلا ضرورت سفر مذموم ہے تو معصیت کیلئے سفر کرنا تو بہت ہی قبیح ہوگا پھر بعض امور تو صورۃً بھی معصیت ہیں جیسے کسی نامحرم عورت سے نفسانی خواہش پورا کرنیکو سفر کرنا یا ناچ رنگ دیکھنے کیلئے سفر کرنا یا نامشروع رسوم شادی میں شریک ہونیکے لیئے سفر کرنا ومثل ذالک۔ اور بعض امور عوام کے نزدیک طاعات وقربات ہیں مگر اہل علم کے نزدیک معصیت ہیں جیسے آجکل کے اعراس میں جانا مزارات پر نذر و نیاز کیلئے حاضر ہونا یا عوام کے نزدیک مباح ہیں اور اہل علم کے نزدیک قبیح ہیں جیسے اُن شادیوں میں یا براتوں میں شریک ہونا جن میں ناچ رنگ وغیرہ نہو لیکن تفاخر و ناموری کے سارے کام ہوں عوام تو یہ سمجھکر تسلی کر لیتے ہیں کہ اسمیں ڈومنی ہمس ناچ نہیں گناہ کی کیا بات ہے لیکن اہل علم کے نزدیک جس طرح یہ امور معصیت ہیں اسی طرح کبر وفخر وریاء وجاہ کا سامان سب معصیت ہے ان دونوں میں فرق کرنا اہل علم کی نظر میں محل تعجب ہے۔ ولنعم ما قیل ؎

ریا حلال شمارند وجام بادہ حرام　　زہے شریعت وملت زہے طریقت وکیش

اور بعض امور ایسے دقیق ہیں کہ بعض اہل علم بھی انکو مباح یا قربت سمجھتے ہیں مگر محققین راسخین فی العلم ہی اسکی تہ تک پہونچکر اسکو روکتے ہیں مثلاً شیخ کامل کی زیارت کیلئے سفر کرنا جبکہ والدین مانع ہوں ظاہر میں اہل علم بھی اس خیال میں مبتلا ہیں کہ پیر کا حق والدین سے زیادہ ہے کیونکہ وہ مربی روح ہے اور والدین مربی جسم ہیں سو حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ مقدمہ علی الاطلاق بھی ہو تو دوسرا مقدمہ ہنوز محتاج اثبات ہے یعنی ہر مربی روح کا حق ہر مربی جسم سے زیادہ ہے۔

ف ایسا ہی بحر مساجد مخصوصہ منصوص الفضل کے دوسری مساجد کی طرف باعتقاد زیادت ثواب کے قصد کرکے سفر کرنا جیسا اکثر لوگ رمضان کا آخری جمعہ نہایت اہتمام کرکے جامع مسجد دہلی میں جا کر پڑھتے ہیں ۱۲ ماسارہ بعض الاحباب الناصحین للدین

قصر تو احکام دنیویہ سے ہے اسکے لئے سفر کا مرضی یا نامرضی ہونا مانع نہیں بخلاف اجر کے کہ احکام اخرویہ میں سے ہے اسکا مدار رضا پر ہے جیسے ایک شخص کسی دنیوی غرض سے قتال کر کے شہید ہوجاوے تو اسکے متعلق جو احکام دنیویہ ہیں مثلاً غسل نہ دینا وغیرہ وہ تو اس صورت میں بھی مرتب ہوجاوینگے باقی جو احکام اخرویہ ہیں مثلاً اجر و ثواب و درجات وہ مرتب نہونگے جب تک وہ قتال عند اللہ مرضی و پسندیدہ نہو کہ نیت خالص اعلاء کلمۃ اللہ کی ہو۔ اور یہ بھی شبہ نکیا جاوے کہ کھانے سونے میں خلل پڑنا تو مجاہدہ ہے اور مجاہدہ ہی اصل طریق ہے تو اُسکا سبب کہ سفر ہی کسی حال میں ناپسندیدہ نہونا چاہئے کیونکہ اوّل تو ہر اختلال فی الطعام والمنام مجاہدہ نہیں مجاہدہ وہی ہے جو بغرض اصلاح نفس کیا جاوے تو اگر ایسا ہے تو اُس میں کلام نہیں چنانچہ عنقریب اُسکے جواز کی تحقیق آتی ہے کلام تو اُس سفر میں ہے جو محض بلا مصلحت معتد بہا کیا جاوے مثلاً صرف تعطیل پوری کرنے کو یا محض شہروں کی سیر کرنے کو یا نمایش دیکھنے کو ونحو ذلک یا اس سے بڑھکر کسی معصیت کی تحصیل و تکمیل کو اسمیں کونسی اصلاح نفس ہے پس اسمیں جو اختلال ہوگا وہ مجاہدہ کس طرح ہوگا۔ اور یہ بھی شبہ نکیا جاوے کہ بہت سے بزرگوں سے منقول ہے کہ اُنہوں نے اپنی تمام عمر ہی سیر و سیاحت میں گذار دی ایک جگہ قرار ہی نہیں لیا اور ظاہر ہے کہ تمام عمر کسی کو حاجت نہیں رہتی تو اُنہوں نے کیا حدیث کے خلاف کیا جواب یہ ہے کہ حاجت منحصر دنیوی اور نفسانی ہی حاجت میں نہیں ہے اس سے زیادہ اپنی اصلاح اور حفظ دین کی حاجت ہے سو بعضے بزرگوں کو اپنے تجربہ سے یا کسی شیخ کامل کی تشخیص سے قیام میں مضرتیں محسوس ہوئیں مثلاً مخلوق سے زیادہ تعلق ہوجانا لوگوں کا معتقد ہوجانا جبکہ اس سے عجب وغیرہ کا اندیشہ ہو یا بداندیشوں سے اندیشہ ضرر لاحق ہونا و مثل ذلک اور سفر میں ان آفات سے نجات دیکھی اور عوائل سفر سے محفوظ رہنے کی اُمید دیکھی اسلئے سفر اختیار کر لیا سو وہ سفر بلا ضرورت نہوا جیسا کہ سیر میں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اکثر سفر میں رہتے تھے سو اختلاف مذاق سے مصلحتیں بدلجاتی ہیں مگر اسکا تشخیص کرنا کہ ہمارے لئے سفر نافع ہے یا مضر موقوف ہے بڑی بصیرۃ پر ہر شخص کو اپنی رائے پر وثوق نکر لینا چاہئے کسی شیخ کامل سے ضرور مشورہ کر لے کہ اسکی اور اسکے متعلقین اہل حقوق کے مصالح پر عمیق نظر کر لے اور جس طرح دینی مصلحت مبیح سفر ہے اسی طرح دنیوی مصلحت بھی جو حسب قواعد شرع

پاس جاوے سو اسنے اتنا تو صحیح سمجھا کہ واجب مقدم ہے مندوب پر مگر غلطی یہ ہوئی کہ اسکو مندوب
سمجھ لیا اور غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ اسکے جزو حالی کو دیکھا جزو مآلی کو نہیں دیکھا بعض امر ایسا ہوتا ہے
کہ باعتبار حال کے وہ غیر ضروری نظر آتا ہے لیکن باعتبار مآل کے مقدمہ ہوتا ہے کسی امر واجب کا
اور ظاہر ہے کہ مقدمہ واجب کا واجب ہے۔ پس اس بنا پر وہ واقع میں واجب ہی ہوتا ہے
اور واجب کا تقدم حق والدین پر معلوم ہے اسلئے ان ظاہر بینوں کو حکم اس میں غلط
ہو جاوے گا اور یہ امر اس قدر دقیق ہے کہ بعض دفعہ اہل ظاہر اس کو قبول کرنے
میں بھی تامل کرتے ہیں محققین نے یہانتک کہا ہے کہ اگر خلوت و ریاضت سے طبیعت
ملول ہو جاوے اور قرائن سے معلوم ہو کہ اگر اس حالت کو استمداد ہوگا تو
طبیعت بیکار ہو جاوے گی تو اس شخص پر واجب ہے کہ خلوت کو چھوڑ تفریح مباح
میں مشغول ہو باہر نکلے دوستوں سے ہنسے بولے جب طبیعت میں تازگی و نشاط پیدا ہو جاوے
تب پھر خلوت میں بیٹھ جاوے۔ ان محققین پر بڑی ملامت کیگئی ہے کہ اوراد کو جو کہ طاعات ہیں
منہی عنہ اور مزاح کو جو کہ دین کا کام بھی نہیں واجب کہتے ہیں مگر جو شخص علوم شرعیہ میں اتقان و
امعان کا درجہ رکھتا ہے اسکو اس حکم میں کچھ بھی تعجب نہوگا حدیث تو اس سے زیادہ کی تصریح
کر رہی ہے وہ حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب پاخانہ کے دباؤ کے وقت
نماز پڑھنے کو منع فرمایا ہے سو دیکھئے کہ پیشاب و پاخانہ تو مزاح سے بھی ادون ہے اور فرض نماز
اوراد سے بھی اعلی ہے جب اس شخص پر خاص حالت میں نماز کو تو حرام اور تغوط کو واجب فرمایا تو
ان بعض محققین پر ملامت کی کیا گنجایش ہے تو اس مزاح کے وجوب کا سبب یہی ہے کہ تعطل و
بطالت و کسل کا علاج واجب ہے تاکہ اسکا اثر فرائض و واجبات تک نہ پہونچ جاوے اور
اس واجب کا طریق عادۃً اس شخص کیلئے یہی مزاح ہو گیا تھا۔ اسلئے یہ مزاح بھی واجب ہو جاویگا
اسی طرح بعض حالات میں مبصر کو کسی خاص شخص کی استعداد دیکھکر ادراک ہوتا ہے کہ اگر اسکو تبحر
فی العلوم و احاطہ نقلیات و عقلیات کا نہوا یا یہ شخص کسی شیخ کامل کے پاس چندے نرہا تو
آیندہ کسی وقت اسکے کسی ضروری جزو دین میں خلل واقع ہونا غالب ہے اور اسکی حفاظت ہے
واجب اور اسکا طریقہ یہی تبحر و تفرغ للعبادۃ الی مدۃ معدودۃ ہے اسلئے یہ مبصر اس شخص

بات یہ ہے کہ تربیت روح کے مراتب مختلف ہیں ایک مرتبہ تو تربیت فی الفرائض والواجبات کا
ہے اسمیں تو واقعی شیخ کا حکم مقدم ہے حکم والدین پر اور وہ بھی نہ اسوجہ سے کہ وہ شیخ ہی بلکہ اسوجہ
سے کہ وہ واجبات شرعیہ کی طرف رہبری کر رہا ہے اور اگر والدین اُس سے روکتے ہیں تو معصیت
کی طرف بلا رہے ہیں اور لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق قانون شرعی ہے پس واقع میں یہاں
خالق کی اطاعت مقدم ہوئی مخلوق کی اطاعت پر نہ کہ شیخ کی اطاعت مقدم ہوئی اطاعت
والدین پر۔ اور ایک مرتبہ تربیت فی التطوعات کا ہے سو اسمیں والدین کا حکم مقدم ہے
تطوعات پر نہ اسوجہ سے کہ یہاں مخلوق کی اطاعت مقدم ہوگئی ہی خالق کی اطاعت پر
بلکہ اسوجہ سے کہ یہاں خالق کا امر ہی نہیں اُن تطوعات کیلئے بلکہ خالق نے مخلوق کی
احتیاج کی رعایت فرماکر خود یہ حکم فرمادیا کہ اسی کی مصلحت کی رعایت کرو سو فی الواقع یہاں
بھی خالق ہی کی اطاعت ہوئی۔ دوسری مثال جسکی قعر تک راسخین فی العلم ہی پہونچتے ہیں
سفر کرنا طلب علم دین کیلئے جبکہ والدین مانع ہوں کہ یہاں بھی ظاہراً تحصیل علم دین مقدم ہے
مگر غور طلب بات یہ ہے کہ آیا ہر درجہ تحصیل علم کا فرض و واجب ہے کہ وہ اطاعت والدین پر مقدم
ہو سو اسمیں بھی مثل امر بالا وہی تفصیل ہے کہ ایک درجہ واجب کا ہے وہ مقدم ہے حقوق والدین پر
مگر وہ اُردو میں بھی حاصل ہو سکتا ہے اور وہ عربی کے مختصر نصاب سے بھی حاصل ہو سکتا ہی اُسکے
لئے تبحر فی العلوم النقلیۃ العقلیہ کی کون ضرورت ہے کہ خواہ والدین کو کیسی ہی جسمانی یا روحانی
کلفت ہو مگر یہ رول زواہد ثلثہ کے ایک ایک حرف کے دہوتے ہوئے اُدھر رخ نکرینگے
اور ایسے مضیعین حقوق تو عاصی ہوتے ہی ہیں میرے نزدیک تو جو لوگ اُنکے طبق و سبق کا
انتظام کرتے ہیں وہ بھی ملامت سے نہ بچینگے کہ اعانت کرتے ہیں امر غیر مشروع پر۔ اور ایک
مضمون اس باب میں اس سے زیادہ نازک ہے وہ یہ کہ بعض ظاہر بین یہانتک تو پہونچ جاتے
ہیں کہ صورت مذکورہ میں شیخ کی یا اُستاد کی خدمت و صحبت میں رہنا نہ چاہیئے بلکہ والدین کی خدمت
و اطاعت کرے مگر اُنکو اسمیں اسقدر غلو ہو جاتا ہے کہ اس سے نیچے کی تہ کو نہیں دیکھتے صرف یہ
دیکھتے ہیں کہ یہ طالب جس کام میں مشغول ہے وہ مندوب ہے اور اطاعت والدین کی واجب ہے
اور واجب مقدم ہے مندوب پر پس اس شخص کو مجبور کرتے ہیں کہ اپنے شغل کو چھوڑکر والدین کے

بھی اور انکو اہل بصیرت کے بعض احکام مستحباب بھی ہونے لگتا ہے چنانچہ ایک محقق کا یہانتک
قول ہے کہ اگر کسی شخص کو شریعت نے حج کی اجازت نہ دی ہو اور قرائن قویہ سے یہ معلوم ہو کہ اگر
وہاں کے حالات اس شخص کے سامنے بیان کیئے جاوینگے تو اسکو اسقدر شوق پیدا ہوگا کہ یہ اضطراراً
سفر میں چل کھڑا ہوگا تو ایسے شخص کے سامنے ایسے شوق انگیز حالات بیان کرنا تک جائز نہیں۔
ان محقق پر اس حکم میں بیحد ملامت ہوئی کہ توبہ توبہ وہاں کے حالات بیان کرنے کو منع کردیا مگر ان
بزرگ معترضین نے یہ نہ دیکھا کہ جس دلیل سے منع کررہے ہیں آیا اسکے کسی مقدمہ میں کوئی
خدشہ ہے اگر ہے تو اسکو صاف کرنا چاہئے اگر نہیں ہے تو ماننا چاہئے۔ مقدمات کو تسلیم کرکے نتیجہ
میں کلام کرنا محض تحکم و اعتساف و کجروی و گمراہی ہے۔ یہی ہے وہ قاعدہ جسکی بناء پر محققین اکثر
بدعات کا منع کرتے ہیں اور عامی نظر کے لوگ یا اہل تعصب اس سے الجھتے ہیں اسی کو کہا ہے۔ ع

وکم من عائب قولاً صحیحا | وآفتہ من الفہم السقیم

یہانتک ذکر تھا اس کوتاہی کا جو سفر شروع کرنے کے متعلق واقع ہوتی ہے بعض کوتاہیاں
بعد سفر شروع کرنے کے ہوتی ہیں مثلاً بعضے آدمی رفقاء سفر سے ذرا ذرا بات پر الجھتے ہیں کہیں یہ
کہ ہم ایسے مارے میں جاگے کیوں نہیں کہیں یہ کہ اسباب ہم اٹھاتے ہیں تم کیوں نہیں اٹھاتے کہیں
اسپر کہ ہمنے گاڑی کا کرایہ زیادہ دیا کہیں اور زیادہ خرچ کردیا خصوص سفر حج میں لڑائی والی
مزاج کا ہوجاتا ہے سو یہ بات سخت بدخلقی میں داخل ہے اول تو یہ امور قابل حساب اور مطالبہ کے
نہیں دوسرے اگر انکا مطالبہ ہی رفیق سے مطلوب ہے تو اسکا یہ طریق نہیں کہ یہ اسکے عیب چھانٹے
اور وہ اسکے عیب نکالے بلکہ طریقہ سہل اور مجرب النفع یہ ہے کہ تم اس سے کچھ مت کہو خود یہ کام
کیئے جاؤ اس سے وہ خود شرماویگا اور خود بھی کام کریگا اور اگر وہ اس سے بھی متاثر نہو اور تم میں
صبر و تحمل نہو تو بہتر ہے کہ اس سے عقد رفاقت قطع کردو۔ صاف جواب دیدو کہ اب ہم تم رفیق نہیں
بس مثل دیگر مسافروں کے اس سے معاملہ رکھو کہ نہ دوستی اور رفاقت اور نہ دشمنی و مزاحمت۔
بعض لوگ رفیقوں سے تو اچھا معاملہ رکھتے ہیں لیکن دوسرے مسافروں سے بدخلقی کرتے ہیں کبھی
اپنے نفس کیلئے اور کبھی اپنے رفیق کیلئے مثلاً ریل میں کہ اکیلا آدمی یا دو آدمی کئی کئی آدمیوں
کی جگہ گھیر کر کچھ خود پھیل کر کچھ اسباب وغیرہ پھیلا کر بیٹھتے ہیں اور نئے آنیوالوں کو اکثر تو آنے ہی

کیلئے اس مندوب ظاہری کو واجب کہیگا اور اس ظاہر بیں کے حکم و تجویز کو غلط سمجھے گا چنانچہ محققین کے کلام میں ایسی تصریحات موجود ہیں۔ پس اس ظاہر بیں کو چاہیئے کہ وہ حدیث الشاھد یری ما لا یراہ الغائب پر عمل کرکے اپنی رائے پر توقف کرے اور اس طالب کو تقدیم حق والدین کی رائے ندے خضر علیہ السلام کے تصرفات کا منشئ یہی مآل بینی تھی گو وہ کمال موسوی سے اسلئے بڑھا ہوا نہ تھا کہ منشاء اس مآل بینی کا کشف تھا اور ان واقعات کو فراست اور بصیرت کو کوئی تعلق نہ تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا کمال یہی تھا اسلئے انکی نظر سے یہ امور غائب رہے اور ادراک بصیرت ادراک کشف سے افضل و اکمل ہے اسلئے افضل موسیٰ علیہ السلام ہی تھے۔ بعض جگہ اس مبصر کے نزدیک خود اس طالب پر تو اندیشہ اسکا نہیں ہوتا کہ بدون تبحر فی العلوم کے اسکا کوئی ضروری دینی جز مختل ہوجاویگا مگر یہ طالب ایسے مقام کا رہنے والا ہے جہاں جہل و فساد غالب ہے اور اسکے ساتھ ہی کسی کو تحصیل علم دین کی طرف توجہ نہیں جس سے انکی اصلاح ہو پس گو ان نواح والوں پر بطریق فرض کفایہ ہی تبحر واجب ہے مگر کوئی اسمیں مشغول نہیں تو سب ہی گنہگار ہونگے اور ان سب میں یہ طالب بھی گنہگار ہوگا اور گناہ سے بچنا واجب ہے اسلئے اس وجوب پر نظر کرکے یہ مبصر اس طالب کو رائے دیگا کہ تم والدین کے امر کو چھوڑ کر تبحر علوم میں حاصل کرو اور اپنی قوم کی اصلاح کرو اسلئے ایسے مشتبہ مواقع میں اپنی یا محض ظاہر بین کی رائے پر توقف نکرے کسی محقق حکیم مبصر جامع ظاہر و باطن سے فتوی لیکر اسکا اتباع کرے۔ تیسری مثال ایسے امور دقیقہ کی جنکو بعض اہل علم بھی مباح یا قربت سمجھتے ہیں مگر محققین راسخین اسکو روکتے ہیں سفر کرنا حج نفل کیلئے کہ ظاہرا قربت معلوم ہوتا ہے مگر بعض اشخاص کے خاص حالات سے محقق کو اسکا اندازہ ہوتا ہے کہ اسکا حج کرنا اسلئے مضر ہوگا کہ یا تو اس سے فرض نماز کی پابندی نہوگی یا اہل و عیال کے حقوق واجبہ ضائع ہونگے یا قلت زاد راہ کے سبب تکلیفیں اٹھاویگا اور اسکے قلب میں بیت اللہ یا صاحب البیت سے تنگی و شکوہ پیدا ہوگا جیسا بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے یا یہ کہ سوال حرام میں مبتلا ہوگا و نحو ذلک۔ اور یہ سب معاصی ہیں اور معصیت کا سبب بھی معصیت ہے اسلئے وہ محقق اس شخص کو حج سے منع کرتا ہے اسلئے کہ جس طرح مقدمۃ الواجب واجب قاعدہ ہے اسی طرح مقدمۃ الحرام حرام بھی ایک قاعدہ ہے جسمیں بعض اوقات مثل قاعدۂ بالا ظاہر بینوں سے غلطی

اتباع شریعت

اسلام نے عالم وجود میں قدم رکھتے ہی جو حیرت انگیز ترقی کی اور تیئیس سالہ قلیل مدت میں جو اثر چاردانگ عالم میں پھیلایا اُسکی حقیقی علت مذہبی اتباع ہی تھی۔ اُنہوں نے جو جو بڑے کام صفحۂ ہستی پر نمایاں کر دکھائے وہ سب اسی مذہبی قوت کا نتیجہ تھے۔ اور مذہب کی اسی سچی اتباع کا ثمرہ تھا۔ کہ وہ جس مقصد کے حاصل کرنیکی کوشش کرتے تھے۔ کامیابی اُسکے قدم لینے کے لئے تیار رہتی تھی۔ اپنے ہر معاملہ کو مذہبی فیصلہ پر چھوڑتے تھے اور پھر وہ خدائی فیصلہ نہ صرف ان کے دلونکو بھاتا۔ بلکہ وہ اپنے حقیقی کامیابی و فلاح کا راز اُسمیں مضمر مانتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ نے اپنے صاحبزادہ سے صرف اسوجہ سے تاعمر کلام ترک کردیا کہ اُنہوں نے ظاہرا الفاظ حدیث کے ساتھ معارضہ کیا تھا۔ اور جہاں جہاں انکو یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت نے اس مقام میں فلاں کام کیا ہے۔ اتباع سنت کے شغف میں وہ بھی وہ ہی کیا کرتے تھے۔ وہ ہی وحشی جنکا خون حل و حرم میں مباح کردیا گیا تھا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہتے ہوئے آگئے حلقہ بگوشان اسلام میں داخل ہوئے۔ اور اب وہ ہی تھے کہ انکا خون ابوبکر و عمر کے برابر ہوگیا۔ اور اب کوئی انکو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ غرض انکا سونا۔ جاگنا۔ کھانا۔ پینا۔ ہنسنا۔ بولنا۔ جینا۔ مرنا۔ سب کے اندر مذہب حلول کئے ہوئے تھا۔ انکا مذہب کسی خاص صورت کے اختیار کرنے میں منحصر نہ تھا بلکہ انکی ہر ہر ادا سے شریعت کے ہر ہر جزی پر نثار ہونا معلوم ہوتا تھا۔ اگر اسلام کو شمع کہئے تو یہ اسکے پروانہ تھے اور جو گل قرار دیجے تو یہ ہی اُسکے عندلیب بنے ہوئے نغمہ سرائی کرتے تھے جبتک مسلمان مذہبی اتباع کے زریں اصول کو اپنا مشعل راہ بنائے رہے اُسوقت تک قوت و شوکت عزت دولت انکی غلامی کو اپنا فخر سمجھا اور جس سے اُن میں اپنی خواہشات کی اتباع کی دُھن سمائی اور مذہب سے رُوگردانی شروع ہوئی مالک الملکوت کے اوامر و نواہی کی اہمیت انکے نزدیک نہ رہی۔ غیر اقوام کی تقلید کو مایۂ فخر سمجھا جانے لگا۔ ذلت۔ کفر۔ الحاد۔ زندقہ کے عمیق گڑھے میں جا گرے۔ جس سے نکلنا انکو دشوار ہوگیا اور گویا سلف صالحین کی روشنی کو بدلتے ہی اُنکی اُس محسود

نہیں دیتے طرح طرح کے حیلے کرتے ہیں کبھی زور ظلم سے بھی کام لیتے ہیں اور اگر وہ چلے ہی آئے تو
انکو بیٹھنے کی جگہ نہیں دیتے کئی کئی اسٹیشن وہ لوگ کھڑے ہوکر قطع کرتے ہیں اور انکو ذرا مروتا
ورحم نہیں آتا یہ نہیں سوچتے کہ اگر ہم انکی جگہ ہوتے اور یہ ہماری جگہ تو ہم اسوقت ان سے کس
معاملہ کے متمنی ہوتے پس وہی معاملہ ان سے ہمکو کرنا چاہیئے اور نہ یہ سوچتے ہیں کہ یہ شرعًا
بھی جائز نہیں جیسے کہ اور بھی بعض ناجائز امور کا ریل میں ارتکاب کیا جاتا ہے جسکی جزئیات کو
بقدر ضرورت ہمارے محب مکرم مولانا سیّد اصغر حسین صاحب دیوبندی نے ایک رسالہ کی شکل میں
جمع[عہ] فرمایا ہے جسکا نام رفیق سفر یا زاد المسافرین ہے درجو انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب طبع ہوجائیگا
اسلیئے ہم ایسے جزئیات کے ذکر کا اس جگہ اہتمام نہیں کرتے اور یوں بلاقصد کوئی جزئیہ قلم میں آجاوے
وہ اور بات ہے۔ بعضے آدمی مشترک سواری میں (جیسے گھوڑا گاڑی یا اونٹ گاڑی یا موٹر یا ریل)
ایسی حرکتیں کرتے ہیں جس سے دوسروںکو اذیت ہو خاصکر ایسے غرباء کو اذیت جو انکی وجاہت کے
سبب انکے سامنے دم بھی نہ مار سکیں مثلاً سگرٹ پینا اور دھواں باہر چھوڑنے کا کوئی خاص اہتمام
نکرنا یا شب کے وقت غل مچاکر باتیں کرنا یا گانا بجانا یا اور کوئی بیہودہ ہنسی مذاق کرنا یا کوئی
قول یا فعل فحش اختیار کرنا اور اسکو مشغلۂ سفر سمجھنا چاہیئے تو یہ کہ دوسروں کو راحت پہونچاوے
اور اگر اسکی توفیق نہو تو کم از کم اسپر تو عمل رکھیں مصرعہ

مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں +

(باقی آیندہ)

عہ احقر نے سفر ریل کے متعلق چند مسائل لکھکر حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب مفتی دار العلوم دیوبند مدظلہ کو
اضافہ اور اصلاح کی تکلیف دی۔ پھر حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہم سے عرض کرکے بہت مناسب و مفید مسائل کا
اضافہ کرایا۔ وہ رسالہ مسودات ہی میں پڑا تھا مولانا مدظلہم کی اس توجہ سے بندہ کو عزت کے ساتھ تنبیہ بھی ہوا انشاء اللہ
بہت جلد طبع ہوگا ۱۲

ں لکھا جاوے اسکی تفصیل مختصر رسالہ میں ہونا ناممکن ہے۔

مقصد خلق عالم سب سے عبادت ہی ہے۔ میں اس وقت اسکے دلائل سے عرض کرنا نہیں چاہتا ہوں کیونکہ اس میں علاوہ تطویل کے موضوع سے زیادہ دوری ہو جائیگی بلکہ صرف ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کی دلیل میں زیادہ ساکافی سمجھونگا۔

ظاہر ہے کہ انسان کا جزو اعلیٰ یعنی روح ایک لطیف جوہر ہے وہ اپنی جاودانی حیات روحانی صورت میں حاصل کر سکتی ہے کہ اسکی غذا بھی لطافت میں اُس ہی کے ہم پلہ ہو وہ غذا جو اسی لطافت کو لئے ہوئے ہے وہ وہی عبادت ہے جسکا معنی ذکر الٰہی بتایا جاتا ہے انشاء اللہ حتی الوسع اسکے ثابت کرنیکی کوشش کیجائیگی۔

اب اس غذا کے حاصل کرنے میں ہم جن وسائل کے محتاج ہونگے۔ وہ اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے ضروری ہونگے مگر اسمیں بھی شک نہیں کہ وہ وسائل مقصود بالذات نہیں ہونگے کیونکہ وسیلہ کا غیر مقصود ہونا ایک نہایت صاف اور کھلی بات ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ عبادت کے علاوہ اور جتنی چیزیں دنیا کے اندر ہیں وہ سب مقصود بالعرض ہونگے اور اُن میں زیادہ نہاک اور عبادات سے انکو زیادہ اہمیت دینا بالکل قلب مقصود اور خلاف حکمت خداوندی ہوگا۔

اور چونکہ عبادت عبارت اُن افعال سے ہے کہ جنمیں رضاء الٰہی پائی جاوے لہذا وہ اعمال و افعال جنمیں رضاء موجود نہ ہو گو ہم اسکو عبادت سمجھیں مگر در اصل وہ عبادت میں داخل نہیں ہو سکتے جس طرح ترک عبادت میں حکمت خداوندی کا فوت ہونا پایا جارہا ہے۔ اسی طرح ان افعال میں بھی کہ جنکو عبادت سمجھتے ہیں اور اُن میں رضاء باری نہیں ہے۔

اسکی مثال کو زبان نبوی رُبّ صائم لیس له من صومه الا الجوع او کما قال

(بہت ایسے روزہ دار ہیں جنکو بھوکے مرنے کے سوا اور کچھ نفع روزے سے نہیں۔)

میں نہایت واضح اور کھلے الفاظ سے بیان کر دیا گیا پس اس جگہ ہم کو ضرورت ہے کہ ایک ایسا معیار معلوم کریں جس سے ہم حقیقی عبادت اور غیر عبادت میں تمیز کر سکیں اور اُسکے ذریعہ سے صراط مستقیم اور ما انا علیه واصحابی کا پتہ لگائیں۔

لیکن ہم کو اسمیں کسی اپنی رائے کے اظہار کی ضرورت نہیں باریتعالیٰ نے خود اس معیار کو بیان

زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔

اب سے کچھ عرصہ پیشتر اُن لوگوں نے جنکو قومی ہمدردی کا دعویٰ تھا اسلام کے اس جہاز کو نکبت و ادبار کے گرداب سے نکالنا چاہا اور اُنھوں نے اپنی عمریں صرف کرکے ایک نیا راستہ دریافت کیا مگر قسمت سے یہ وہ راستہ تھا کہ جسنے اسلامی جہاز کو دوسرے گرداب میں پھنسا کر تباہ کردیا اور اُس سیدھے راستے سے کوسوں دور نکالدیا کہ جسپر سلف نے ہمارا رہنمائی کرکے منزل مقصود کا پتہ لگایا تھا۔

سب سے زیادہ تعجب میں ڈالنے والی تو یہ بات تھی کہ جہاز اسلام کے حقیقی ناخدا کا بتلایا ہوا وہ طریقہ کہ جس سے لاکھوں ڈوبے ہوئے بیڑے پار لگے روگردانی کرکے اُسپر چلنا گوارا نہ کیا اور جدید راستہ پر چلنے کی کوشش کی۔

ناظرین سمجھ گئے ہونگے کہ یہ راستہ وہی راستہ ہے کہ جسکو کلام ربانی میں صراط مستقیم کا معزز لقب دیا گیا اور ہمارے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے جسپر ما انا علیہ و اصحابی کے کھلے اور چمکدار نشانات قائم کردئے۔

تو اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کے موجودہ فرقوں میں آج وہ کونسا فرقہ ہے کہ جو ما انا علیہ و اصحابی کے روشن آفتاب کو اپنا رہبر بناکر موجودہ زمانہ ظلمت میں اپنے منزل مقصود کے راستہ کو اختیار کرتے ہوئے دوران عمر کو پورا کر جائے اور اُسکی نظر آخری سانس میں اُسی آخری منظر کے محو نظارہ ہو کہ جسکے بعد سوائے وصال کچھ نہ ہو۔

اسکی تعیین سے قبل ہم یہ بتلا دینا اچھا سمجھتے ہیں کہ وہ کون کون اصول ہیں کہ جنکی پابندی سے اسوقت کے کفر الحاد زندقہ بدعات کی اندھیری رات سے گذر کر ما انا علیہ و اصحابی کے آفتاب ہدایت سے روشنی حاصل کرنے ممکن ہو اور ہم زمانہ حال کے فسادات سے بچکر اپنے اسلامی بھائیوں کو اتباع مذہبی کے آسمان پر مثل آفتاب نصف النہار کے چمکتا ہوا دیکھیں۔ اور آیندہ آنیوالی نسلوں کو اسلامی حلاوت کے حاصل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آوے۔

سب میں زیادہ توجہ کے قابل یہ امر ہے کہ خلق عالم سے جو غرض متعلق ہے اسکی طرف اسی قدر اہتمام سے کام لیا جائے۔ اور جو ذرایع اور وسائل اُس غرض کے موقوف علیہ ہیں اُنکو اُنکے مرتبہ

تو آپکا قلب منصف آپکی طرف متوجہ ہوکر ہماری وکالت کرنے کیلئے تیار ہوگا کہ چونکہ تمہارا رُخ مسجدوں میں نماز پڑھنے سے قبلہ کی طرف نہیں ہوتا تھا نماز نہ ہوئی چاہیئے وہ ہزار تکلفات سے متکلف تھی اسواسطے کہ ادائیگی نماز کی یہ ہی شرط تھی کہ رُخ قبلہ کی طرف ہو اور یہاں وہ شرط ہی نہیں لہذا نماز بھی نہیں تو اب جس طرح نماز افضل العبادات ادائیگی کے لئے ایک قبلہ رکھا گیا ہے اسی طریقہ سے تمام عبادات و معاملات کیلئے بھی ایک قبلہ ہے جیسا کہ نماروں میں اس قبلہ کی طرف متوجہ نہ ہونے سے نماز نہیں ہوتی اسی طریقہ سے تمام عبادات و معاملات میں اپنا رخ قبلہ کی طرف نہ ہونیکی صورت میں وہ عبادات کان لم یکن ہوکر رائیگاں ہو جاتی ہیں۔

رہی اتنی بات کہ وہ قبلہ کون ہے کہ جسکی طرف ہمکو مرتے جیتے اُٹھتے بیٹھتے لیٹے ہنستے روتے کھاتے پیتے۔ تقرب الی اللہ حاصل کرنے خدا کے یہاں مقبول ہونے اُسکے دربار میں سرخرو ہونے کے توقف سے خبرگیری حاصل ہو جائے وہ آیۃ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اور لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ سے دریافت کرنے کے بعد معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ہمارا قبلہ وہی ذات بابرکات سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اگر ہم اپنے جمیع اعمال کا رُخ اپنے قبلہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرینگے مقبول ہونگے ورنہ منہ مار دیئے جانیکی قابل ہونگے جب تک شیفتگی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمارے مونس رہیگی ہمارے تمام حوائجات و معاملات پورے ہونگے اور کامیابی دو دو ستہ حاضری کے لئے مشتاق ہی رہیگی۔

اس آیۃ سے یہ بات نہایت اچھی طرح ظاہر ہو گئی کہ جسطرح بعض عبادات میں ظاہری قبلہ کی طرف توجہ ضروری گردانی گئی ہے، اسی طرح ہر عبادت میں قولی ہو یا فعلی مالی ہو یا اعتقادی ایک حقیقی قبلہ کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے اگر نماز خانہ کعبہ سے منہ پھیر کر ادا کیئے جانیکی صورت میں بیکار و بے سود ہے تو اور عبادات میں بھی جب تک فاتبعونی یعنی قبلہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوکر نہ ادا کیئے جانے کی صورت میں منہ پر مارے جانے کی مستحق ہیں جس طرح اُس مسجد میں کہ جسکا رخ قبلہ ظاہر سے پھرا ہو نماز پڑھے

بیان کیا ہے چنانچہ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ -
((اے محمدؐ) کہدو (لوگوں سے) اگر تمکو اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو۔ اللہ تمسے محبت کریگا)

اور لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ سے ظاہر ہے -
(تمہارے لئے رسول اللہ میں اچھی اقتدا ہے۔ اُسکے لئے جو اللہ (کی رضا) اور قیامت (کی کامیابی) کی اُمید رکھتا ہو۔)

یہاں اتنی بات سمجھنی ضروری ہو کہ تمام عبادات میں افضل اور اعلیٰ اور باعث تقرب نماز ہے
جیساکہ اول ما یسئل به العبد یوم القيمة الصلوة سے ظاہر ہے -
(بندے سے قیامت میں جو چیز اول پوچھی جائیگی وہ نماز ہے)

اور ادائیگی نماز کے لئے قبلہ شرط ہے جبتک اپنا رُخ قبلہ کی طرف نہ کریں ہماری نماز چاہے کتنی
ہی خشوع و خضوع کو مشتمل ہو ہرگز مقبولیت کے مرتبہ کو پانے کے مستحق نہ ہوگی ہزار قسم کی تکالیف
کا سامنا اور سیکڑوں مصیبتیں اُٹھانی پڑیں مگر چاہیں کہ فرضیت نماز کا بار بلا توجہ الی القبلہ کبھی اپنی
گردن سے اُتار دیں ہرگز ممکن نہیں مثلاً ایک محلہ میں دو مسجدیں تعمیر کیجائیں ایک کی تعمیر میں لاکھوں
روپیہ اس طریقہ سے صرف کئے گئے ہوں کہ دیواریں یاقوت و زمرد کی قیمت سونے و چاندی کے
بجائے گارے کے مشک و عنبر ہو فرش مخملی بر نہایت تکلف سے زربفت کا کام کیا ہو آرام و راحت
کے لئے بجلی کے پنکھے بھی ہوں رات کو روشنی بجلی کی کیجاتی ہو ہر طریقہ سے لطف پہونچانیوالی
سامان مہیا ہوں مگر اُس مسجد کا رُخ قبلہ سے پھرا ہوا ہو اور ایک مسجد ہو جسمیں گوندے کی دیواریں
ہوں چاروں طرف سے بسبب کہنگی مٹی جھڑ رہی ہو چھپر بھی نہایت بوسیدہ ہوگیا ہو۔ دھوپ
سے بارش سے گرمی سردی سے امن نہ ملتا ہو بیٹھے بچھانے کو چٹائی اور بوریئے نہ ہوں لیکن رُخ
اسکا قبلہ کی طرف ہو ان دونوں مسجدوں میں نماز پڑھکر شریعت کی کتابوں میں یا اسکے عالموں سے
اپنی نماز کا حکم دریافت کیجئے تو یہی پائیگا کہ چونکہ مسجد اوّل کا رُخ قبلہ سے ہٹا ہوا ہے۔ اسمیں نماز
نہیں ہوگی اور مسجد ثانی میں چاہے اُسکی بوسیدگی ہزار قسم کی تکالیف کی علت ہوگی ہو بسبب متوجہ
الی القبلہ ہونے کے نماز ہو جائیگی -
اب اگر آپ اُس حکم سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد فرماویں کہ وہ کونسا امر ہے کہ باوجود اتنا
روپیہ خرچ ہونے اور راحت و آرام شان و شوکت پائے جانے کے نماز نہ ہو اور وہاں نماز ہو جائے

مسلمانوں کا ہونا

مگر افسوس تو یہ ہے کہ ان ربانی تجویزوں کا اثر زبان اور کاغذ تک ہی محدود ہے۔ ہم جب تک اسی اتباع سنت کو عملی پیرایہ میں ظاہر نہ کریں سلف صالحین کے طرز عمل کو اپنا مشعل راہ نہ بنائیں۔ ایک حدیث کے خلاف کو آسمان ٹوٹ پڑنے سے لاکھوں درجہ بڑا نہ سمجھیں کوئی حقیقی نفع اور سچی بہبودی حاصل نہیں ہو سکتی۔

اب میں اس تقریر کو مختصر کرتے ہوئے یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان میں اسوقت کیسے کیسے لوگ موجود ہیں اور کتنے فرقے ہیں۔

اگر ہر فرقہ کی شخصیت کا لحاظ کیا جائے تو اُسکے گننے کے لئے تو ایک وقت درکار ہے میں اُن فرقوں میں سے ایسے بڑے فرقوں کو لونگا کہ تمام جزوی فرقے انہیں میں داخل ہو جائیں۔

ہندوستان میں اسوقت تین فرقہ ایسے ہیں۔ کہ اُن کی طرف عام مسلمانوں کی نظریں اُٹھ رہی ہیں اور ہر ایک اپنی اپنی حیثیت سے قوم کا مقتدا پیشوا اور لیڈر سمجھا جاتا ہے۔

ایک وہ فرقہ ہے جسکا نصب العین جسکی زندگی کا اعلیٰ اور اہم مقصد دنیاوی ترقی ہو مذہب اُن کے یہاں جمود۔ اور ترقی سے مانع ہونیوالے چند تخیلات کا نام ہے۔

دوسرا فرقہ وہ ہے کہ جسکو بظاہر دنیا سے کچھ محبت نہیں اور اُس کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم اہل حقیقت ہیں ہم پر معارف اور حقائق کے دروازہ کھولدئے گئے ہیں شریعت ایک ایسا ظاہری پوست ہے کہ جسکو مغز حقیقت سے کوئی تعلق ہی نہیں بلکہ کوسوں دور ہے اُس کے نزدیک احکام شرعی قرآن سے ثابت ہوں یا احادیث سے نقل کفر کفر نباشد) علماء کے (یا بالفاظ دیگر تیرا سو برس تک جو کچھ صحابہ تابعین تبع تابعین علماء سلف نے کئے) ڈھکوسلے ہیں۔

تیسرا فرقہ یہ بتلاتا ہے کہ ہم شریعت غرا کے متبع اور اللہ رسول کے حقیقی پیرو ہیں۔

اوپر کے دونوں فرقے تو بالکل جہالت اور بدادائی کے زیر اثر ہیں اور بے علمی کی گھنگھور گھٹاؤں نے ان کو سخت تاریکی میں ڈال رکھا ہے اور ما انا علیہ و اصحابی کے آفتاب ہدایت سے ان کو اتنا لگاؤ بھی نہیں کہ جو آسمان اور زمین و مشرق و مغرب کو ہے۔

تیسرا فرقہ در اصل دو بڑے عظیم الشان فرقوں کو لئے ہوئے ہے جسمیں امتیازی پہلو قایم

سے بحر اُٹھنے بیٹھنے کے کچھ حاصل نہیں اسی طرح اُن تمام عبادات میں جو قبلہ حقیقی سے منحرف ہوں گو وہ بڑی خوبصورتی اور لاکھوں بناؤ کے ساتھ ادا کیئے جائیں بجز ان تکلفات میں مسست و مشقت اُٹھانے کے کسی طرح کا کوئی اُخروی فائدہ مترتب نہیں ہو سکتا۔

اس آیۃ نے کھلے الفاظ میں یہ سنا دیا ہے کہ ہر عبادت کی مقبولیت کا اصلی معیار اتباع سنت ہے یہی وہ معیار ہے کہ اس پر ٹھیک اُتر جانے سے ہر عبادت جناب باری میں وقعت کی نگاہ سے دیکھے جانے کی مستحق ہو سکتی ہے اور تمام اخروی ثمرات مفید نتائج اُسی وقت مترتب ہو سکتے ہیں جب کہ ہماری عبادتیں اتباع سنت کا پہلو لئے ہوئے ہوں۔

یہ ہی اتباع وہ تریاق تھا کہ جس کو اختیار کرتے ہی ایک ایسی قوم نے جو سوء اخلاق۔ غیر مہذب غیر متمدن ہونیکے مہلک مرض میں گرفتار تھے ابدی صحت حاصل کر لی۔ یہ ہی اتباع سنت وہ مشعل تھے کہ جس کا نور پاتے ہی وہ قوم جو جہالت اور جہالت کے گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں پڑی ہوئی تھی اُس کھلے شاہراہ کو دریافت کر گئی۔ جس پر چلکر وہ نہایت اطمینان سے منزل مقصود کو پہونچ گئی۔ وہ قوم جسکے نزدیک خدا کے ایک ہونے سے بڑھکر کوئی گناہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس ہی اتباع کو اختیار کر کے ایسے موحد ہوئے کہ جنکی بے لوث اور کھلی توحید کا مقابلہ آج تک روئے زمین کا کوئی مذہب نہیں کر سکا۔ اور یہ ہی وہ اتباع ہے کہ جس کے چھوڑنے سے ہی مسلمان آج اس ناگفتہ بہ حالت اور پستی و ذلت میں ہیں کہ دنیا کی کوئی قوم موجودہ زمانہ میں ایسی نہیں ہے جو اُن کے اس اسلام پر خندہ زنی نہ کرتی ہو۔

دنیا میں اسوقت جہاں جہاں اسلامی قومیں آباد ہیں۔ چاہے وہ حاکمانہ اقتدار کے ساتھ ہوں۔ یا محکومیت کے زیر اثر ہوں سب کی سب اس ہی رنگ میں رنگی ہوئی ہیں۔

تعجب تو اسپر ہے کہ مسلمانوں کو اپنے اس مذہبی دنیاوی ہر طرح کی کمزوری کا احساس ہے اسکے علاج کی تدبیریں سوچی جاتی ہیں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب تک ہم قرآن کے سچے نام لیوا اور حقیقی معنوں میں اُسکے متبع نہ بنیں گے۔ اسوقت تک ایسے لا علاج مرض سے رہائی نہیں پا سکتے۔ مگر پھر بھی عملی حالت ہماری وہ ہی ہے جو اس سے پہلے تھی۔ زبانی جمع خرچ اگر کچھ مفید ہو سکتا تو اسمیں شک نہیں کہ ان ترقی کرنے والوں میں سب سے اول نمبر موجودہ زمانہ کے

دکھلائی جائے البتہ اگر انھوں نے اسکے بعد بھی اپنی مخترعہ عبادات سے جبتی صورت ظاہر کی
تو بیشک وہ معاملہ کرنا پڑیگا کہ بعض تابی کی طرف کیا جاتا۔

یا دونوں معنی کو پیش نظر رکھ کر یوں کہا جائے کہ جن لوگوں نے اپنے مخترعات کو عبادات
میں داخل کر دیا ہے، تو انھیں بالکل خواہشات کے اتباع اور نفس پرستی ہے اور نہ وہ سراسر
غلط فہمی ہی پر مبنی ہے۔ بلکہ کچھ دونوں باتوں کو دخل ہے۔ غلط فہمی کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ
جب کوئی ایسا شخص (جس کو ان معاملات میں دخل ہو کہ جنمیں غلطی واقع ہوئی ہے)
خیرخواہانہ طور پر سمجھائے۔ اور نہ صرف سمجھائے بلکہ مدلل طریقہ سے حق کو ثابت کرے تو اپنی غلطی
کا اعتراف کرتے ہوئے حق کو تسلیم کر لیا جاتا ہے۔

اور جب اپنی غلط فہمی پر اصرار ہو۔ حق کو صرف اسوجہ سے نہ مانا جائے کہ اپنی بات کو وہ غلط ہی
ہے چھوڑنی پڑے تو اسمیں ضرور نفس پرستی کو بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔

جب ہم سلف صالحین کے کارناموں پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو یہ حقیقت ہم پر کماحقہ منکشف
ہو جاتی ہے۔ حضرت عمر قرآن کے جمع کرنے پر اصرار فرماتے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ کیف تفعل
شیئًا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (کس طرح آپ
وہ کام کرتے ہیں جو رسول اللہؐ نے نہیں کیا۔)
کہکر اُن کے ارادہ کو رد کرنا چاہتے ہیں مگر پھر جب فاروق اعظم اُن کو سمجھاتے ہیں تو وہ شرح
اللہ صدری و رأیت فی ذلک رای عمر۔
(اللہ نے میرا سینہ کھولدیا اور میری رائے بالکل عمر کی رائے جیسی ہوگئی۔)
کہتے ہوئے باوجود افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق کے مصداق ہونے کے تسلیم
کر لیتے ہیں اسی طرح زید بن ثابت اسی قصہ میں بعینہ وہی اعتراض پیش کرتے ہیں اور
اُن کو اسی طرح سمجھایا جاتا ہے اور اسی طرح وہ مان لیتے ہیں ایسے ایک نہیں سیکڑوں واقعات
ہیں ہم کس کس کو نقل کریں یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین میں جہاں کہیں اختلاف ہوا اور دوسرے
شخص نے حق بات کہی فورًا تسلیم کر لیا گیا۔ اور تو اور۔ واقعہ خلافت کو لیجئے کہ مہاجرین اور انصار
میں ایسا بڑا اختلاف ہوا کہ منا امیر و منکم امیر تک نوبت پہنچ گئی۔
(ایک خلیفہ ہماری جماعت میں ہو اور ایک تمہاری جماعت میں ہو)

کرنے کیلئے کچھ دیر گفتگو کی ضرورت تھی مگر طوالت مضمون اور تنگی وقت وضروریات واشتغال کار مفوضہ ایسے سدراہ ہوئے ہیں کہ میں مجبور ہو کر اس مفصّل مضمون کو کسی دوسرے وقت پر اٹھا رکھتے ہوئے اپنے ناظرین سے معافی مانگ کر ایک مختصر مگر جامع تقریر پر اکتفا کرونگا ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیگا۔

ان دونوں فرقوں میں سے جس فرقہ کے معتقدات اور اعمال سلف صالحین اور علمار راسخین وائمہ مجتہدین کے موافق ہیں بس روئے زمین میں وہ ہی ایک ایسا فرقہ ہے کہ جو ما انا علیہ واصحابی کا صحیح اور حقیقی مصداق ہے اور اُسی کو بحکم اللہ کا فخر حاصل ہوا وہ ہی ہے کہ جس نے اپنے دینی ترقی کے گھوڑے کو صراط مستقیم پر چلایا اور مطلوب کو پایا۔

اور جو صرف اتباع سنت کا دعویٰ کرتا ہے مگر اُسکے عقائد اور عبادات کے بعض اجزا سند لیت عراکے مخالف اور مسگھڑت ہیں۔ نہ سلف میں اُنکا کہیں پتہ لگتا ہے اور نہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی نے اُنکا ذکر کیا اور نہ علمار راسخین نے اُنکو اپنے مذہبی تصانیف میں بیان کیا۔ ایسے لوگ باوجود ادعائے اتباع سنت کے عمداً بیں کو دین کے اندر داخل کر لینے کی بنا پر اسی مرتبہ پر رکھے جائینگے جس مرتبہ پر سرکاری قوانین میں ردوبدل کرنے والا رکھا جا سکتا ہے۔ اور وہ شارع علیہ السلام کی جانب سے اُسی جزار کے مستحق ہونگے اور اُن کے ساتھ وہ ہی معاملہ کیا جائیگا جو ایسے شخص کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ مذہب کے اس ہی قدر متبع سمجھے جائینگے جسقدر وہ قوانین سرکار کا متبع مانا جا سکتا ہے۔

مجھکو اس موجودہ انداز پر بحث کرنے کے بعد گو قوم اس گمان کرنے کی اجازت دینے کیلئے تیار ہو مگر میں ابھی اس حیثیت سے قطع نظر کرکے کہ انکی یہ روش ایا کسی خواہش نفسانی پر مبنی ہے یا انھوں نے واقعی اتباع سنت کے مفہوم کو نہیں سمجھا اپنی رائے کا پابند رہونگا جہانتک سمجھتا ہوں ان تمام حرکات کا مبنی غلط فہمی واقع ہوئی ورنہ یہ مستبعد معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کسی امر کے خلاف سنت ہونیکو معلوم کرنے کے بعد بھی اپنے ہاتھ اور پیروں کو اُسکے ارتکاب کی اجازت دے۔ میں اُن میں سے بعض لوگوں کو اُسوقت تک معذور سمجھونگا کہ جب تک صراط مستقیم کے کھلے شاہراہ سے خار وخشک دُور نہ کئے جائیں اور اُن کو وہ صراط مستقیم اپنی پہلی حالت پر

جن باتوں کا شرع میں کہیں پتا نہیں اُن کو تو اچھا سمجھکر کرنا اور اپنی طرف سے اُن کو شرعیات میں
داخل کرنا اگر غور سے دیکھا جائے تو گو صراحتاً نہیں مگر عملاً اور حالاً ایک طرح پر دعوی ہوتا ہے، کیونکہ
کسی کام پر ثواب اور عذاب کا مقرر کرنا یہ وظیفہ شارع کا ہے پھر جو شخص غیر شرعیات میں ثواب و
عذاب مان لے وہ شارع ہونے کا حقیقتاً مدعی نہیں تو اور کیا ہے۔ اسکی مثال میں پہلے عرض
کرچکا ہوں رعایا کا سرکاری قوانین میں دخل دینا اور اپنی طرف سے کسی بات کو قانون میں بڑھا دینا
علاوہ اسکے کہ قانون کو ناقص اور ناکافی ثابت کرتا ہے آئین گورنمنٹ کی کم علمی اور اسکی ہتک بھی
لازم آتی ہے۔ پھر بدعت بھی علاوہ شریعت کو ناقص ثابت کرنے کے اسکی توہین کا باعث ہوگی۔
اگر بنظر غور دیکھا جائے تو یہ فرقہ اسلام اور عام مسلمانوں کے لئے غیر اسلامی فرقوں سے زیادہ
ضرر رساں ہے غیر اسلامی فرقے جو اسلام کی مخالفت کرتے ہیں وہ غیر اسلامی ہوکر لہذا وہ دشمن
سمجھے جاتے ہیں اور اُن کی بات ہرگز عام اہل اسلام بھی قبول نہیں کرسکتے۔ کیونکہ وہ پہلے ہی سے
اُن کو اپنا اور اپنے سچے دین کا دشمن سمجھے ہوئے ہیں۔ اور یہ اسلامی فرقہ مسلمان ہوکر دوست کی
صورت میں آکر گمراہی کا باعث ہوتا ہے جسکی وجہ سے عوام زیادہ تعداد میں بہت جلد بھٹک جاتے
ہیں اور اُن کو اپنا دوست سمجھکر مقتدا اور پیشوا بنا لیتے ہیں۔ بالآخر اُن کے پیچھے اور بہکاوے سے لوث
ایمان میں خلل واقع ہوجاتا ہے اور وہ بھی اپنے آپ کو حق پر سمجھکر ایک بہت بڑے مہلک مرض جہل
مرکب میں مبتلا ہوجاتے ہیں کسی سلطنت کے دو دشمن جو دوسرے ملک کے ہیں اتنے ضرر رساں نہیں
ہوسکینگے گھر کا بھیدی ملک میں رہکر دشمنی کرنیوالا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس سے شارع
علیہ السلام نے اسکی بڑے زور و شور سے تردید فرمائی ہے۔ اور علی ہذا خلفاء راشدین وغیرہم نے بھی اسکی
پوری کوشش فرمائی ہے کہ مذہب کو بدعات سے محفوظ رکھا جائے۔ ذرا اسی بات میں کیف
تفعل شیئاً لم تفعله رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہیں حضرت عمر حجر اسود کو
مخاطب کرکے اعلم انک حجر لا تضر ولا تنفع ولولا انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
(اے پتھر میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نہ کچھ نفع پہنچا سکتا ہے نہ ضرر میں
وسلم یقبلک ما قبلتک او کما قال فرماتے ہیں۔
ہرگز تجھے بوسہ نہ دیتا اگر رسول اللہ صلعم کو بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا)

مگر صدیق اکبر کی زبان مبارک سے نہ معلوم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
الائمۃ من قریش کا کلمہ کو سا اثر لئے ہوئے تھا۔ (رسول اللہ نے فرمایا ہے
خلفا قریش میں سے ہوں۔)

کہ جس کو سنتے ہی سب زبانیں خاموش ہو گئیں اور نہ صرف زبانیں ہی چپ ہوئیں بلکہ دل بھی اس فیصلہ پر مطمئن ہو گیا اور ایسا مطمئن ہوا کہ پھر اس امر میں کبھی کوئی نزاع پیش آیا یہ سب اسی حق طلبی کی برکت تھی۔

اپنی بات پر اصرار کرنا ایک ایسی مضبوط و مستحکم دیوار ہے۔ جو حق کے درمیاں حائل ہو جاتی ہے اور سخن پرستی وہ پردہ ہے جو کبھی واقعیت اور حقانیت کا منہ نہیں دیکھنے دیتا۔

اختلاف سلف کے زمانہ میں بھی تھا مگر وہ اختلاف نفس پرستی۔ یا سخن پروری پر مبنی نہیں تھا اور یہی وجہ ہے کہ وہ اختلاف۔ اختلاف امتی رحمۃ کے معزز اور شہرے لقب سے یاد کئے جانیکے مستحق تھا۔ اور آج بھی اختلافات ہیں مگر اکثر سخن پروری پر مبنی ہیں یہ ہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں ایسے معمولی مسائل میں اختلاف ہوتا ہے۔ جو عقاید ضروریہ میں داخل نہیں۔ مگر ہوتے ہوتے تکفیر تک نوبت پہونچتی ہے اور پھر وہ اختلاف ضلالت الحاد کفر کی سرحد تک پہونچ جاتا ہے۔ اور رحمت کے بجائے غضب الٰہی کا سبب بنجاتا ہے اور بجائے اسکے کہ حقانیت کا دروازہ کھلے ہدایت خلق اللہ ہو۔ وہ اختلاف دنیا اور آخرت دونوں کو لے ڈوبتا ہے۔

غیر سنت کو سنت میں داخل کرنا ایک بہت بڑی مذہبی غداری ہے جسکو شرک فی النبوت کہنا بالکل بجا اور درست ہے اور اسکا مرتبہ شرک فی اللہ کے بعد ہی ہے جسطرح صفات خداوندی کو کسی غیر میں ثابت کرنا۔ یا غیر اللہ سے ایسا معاملہ کرنا جس سے اُس میں صفت خداوندی کا تسلیم کرنا لازم آتا ہو وہ شرک ہے جسکی جزا خود باری تعالیٰ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء بتلاتا ہے۔ (اللہ ہرگز شرک کو معاف نہ کریگا ہاں) شرک سے
کم درجہ کے گناہوں) کو جسکو چاہے معاف کرے۔)

اسی طرح شرک فی النبوت جسکو شارع نے بدعت کے لفظ سے یاد فرمایا ہے اسکی جزا بھی کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار فرمائی ہے۔
ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا دوزخ ٹھکانا ہے۔

دار الحدیث

رطب العرب

دار الحديث حمى الإله حماها | ورعى خمائل روضها وسقاها

دار الحدیث کی سڑک کو خدای پاک اپنی حفاظت اور نگہبانی میں رکھے اور اسکے باغیچوں کو شاداب سیراب فرماتا رہے

دار لأزهار الحديث حديقة | فتعطر الأكوان من رياها

دار الحدیث تو گلہائے حدیث نبوی کا اک باغ ہے جسکی خوشبو سے دونوں جہاں معطر ہو رہے ہیں

سمت هناك زهور هدي المصطفى | لله عرف نسيمها وشذاها

حضرت رسول مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے پھول وہاں کھلے ہوئے ہیں کیا اچھی خوشبو انکی مہکتی ہی ہے۔

حكم الرسالة نورها وثمارها | كلم النبوة قطفها وجناها

جناب رسالت کی حکمتیں اس باغ کی پھول اور پھل ہیں کلام نبوت اسکے میوے اور خوشے

فيه حسن شمائل لها على ورد الثنا | مثل اللآلي حبيب ربي طه

حضرت حبیب خدا طٰہٰ کے گلہائے شمائل پر اسکی کلیاں چھا رہے ہیں

لا ترتعي غزلانها شجر النقا | أنوار آداب التقى مرعاها

اس باغ کے آہو سنہری ریلی جای کی (ستیج) گھاس نہیں چرتے بلکہ آداب تقوی کی کلیاں انکا چارہ ہے۔

نفحات طيبة في نسائم روضها | ومن الحجاز نسيمها وصباها

مدینہ منورہ کی خوشبو اسکی باغ کی ہواؤں میں آ رہی ہے اور اسکی پچھوا و پروا ہوائیں حجاز کی سمت سے چلتی ہیں

يا سائرا قف ساعة في سوحها | وامكث قليلا في ظلال رباها

او میاں چلنے والے اک گھڑی بھر کے لئے اسکے میدانوں میں توقف کر اور کچھ دیر اسکے ٹیلوں کے سایہ میں ٹھہر جا

واسمع أحاديث النبي رواية | إن الصدوق عن الصدوق رواها

اور احادیث نبی کریم کو بطور روایت سن کر سچا سچے ہی سے روایت کرتا چلا آ رہا ہے

ولقد وعاها القلب حين سمعتها | الأذان ثم كما وعى أداها

اس طور سے کہ سنتے ہی حدیث کو دل میں محفوظ رکھا پھر اسی طرح دوسرے کو پہنچا دیا

باوجودیکہ یہ فعل خود شارع علیہ السلام نے کیا۔ مگر صرف اس خطرہ پر کہ لوگ اُس تقبیل کی وجہ سے
گمراہ نہ ہو جائیں صاف صاف کھلے الفاظ میں اس خیال کا رد کر دیا جس مبارک درخت کے نیچے
بیٹھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان کی تھی فاروق اعظم نے جب وہاں مجمع ہوتے
دیکھا تو اس درخت کو باوجود متبرک ہونیکے صرف اسلئے کٹوا دیا کہ کہیں لوگ اس کی پرستش
نہ کرنے لگیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو صدیق اکبر نے خطبہ پڑھا
اور من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت
(جو شخص محمد کی عبادت کرتا تھا تو وہ تو وفات پا گئے اور جو خدا کی عبادت کرتا تھا تو خدا تو (ہمیشہ) زندہ رہنے والا جسکو موت نہیں)
فرمایا تاکہ لوگ نبی کی محبت سے بڑھکر اُن میں خدائی کی صفت نہ مان لیں۔ اور اسی سے
آنحضرت نے خود لا تتخذوا قبری مسجداً فرما دیا۔ ان باتوں کو دیکھتے ہوئے ہر منصف مزاج
باسانی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ کہ شارع علیہ السلام نے بدعت کو کسقدر قبیح قرار دیا ہے
اور خلفاء راشدین کس کس طریقہ سے اس خیال کی تردید فرماتے ہیں سمجھدار کیلئے یہ باتیں بہت
بڑی دلیل بن سکتی ہیں ان فی ذلک لآیات لاولی الالباب۔

باقی آئندہ

هذي قلوب بناتها لبناتها | مهج القلوب ملاطها لبناتها

دیکھو کہ اسکے بنانے والیوں کے دل بجائے خشت ہیں خون دل بجائے چونہ وگارا ہے

طوبى لها ولمن اراد بناءها | بشرى لبانيها وياشراها

یہ مکان خوب رہا اور اسکے بنوانے والے خوب رہے انکو خوشخبری ہو اور اس مکان کو خوشخبری

مصداق كل الخير لو عبرته | بالوف لفظ انها معناها

ہر قسم کی خیر کا مصداق یہ گھر ہے اگر ہزار لفظوں میں اس خیر کو تعبیر کرو اسکے معنی یہی گھر ہوگا

يا طالب الخير اغتنم تشييدها | فخلاصة الحسنات في مبناها

اے خیر کے طالب اسکی تعمیر غنیمت جان | کیونکہ اسکے بنانے میں نیکیوں کا خلاصہ ہے

والله لو سمعت مليكتنا بها | صرفت الى تشييدها جدواها

بخدا اگر ہماری سرکار عالیہ اس دار الحدیث کا حال سن لیتیں ساری سخاوت ادھر کو مصروف کردیتیں۔

من مثل ذي سلطان جهان بيگم بذلاً | او همة او رفعة او جاها

جناب نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ کی مثل سخاوت میں یا ہمت میں یا بلند حوصلگی میں یا مرتبہ میں کون ہوسکتا ہے

وهي التي فاقت ملوك زمانها | ان الزمان بمثلها قد باهى

یہ وہی ہیں جو اپنے زمانہ کے رئیسوں پر فوق لیگئیں زمانہ کو ایسے رئیسہ عالیہ سے بڑا فخر و ناز ہے

كم ما على فقد العلوم تأسفت | وتحزنت واغرورقت عيناها

بسا اوقات علوم کے ناپید ہونے پر افسوس فرماتی ہیں | اور حزن و ملال ظاہر کرتی ہیں اور آبدیدہ ہوجاتی ہیں

وسعت لتعليم النساء بنفسها | احيى المدارس جودها ونداها

تعلیم نسواں کے بارہ میں خود بنفس نفیس بڑی سعی فرمائی ہے مدارس کو تو آپکے جود و کرم نے زندہ کردیا ہے۔

وربى العلوم بفيضها ممطورة | دامت على تلك الربى سقياها

بڑے بڑے مدارس تحصیل علوم آپکے فیضان سے شاداب سیراب ہورہے ہیں خدا کرے یہ سیرابی انکی جاری رہے۔

يا رب صل على النبي المصطفى | اجلى الصلوة اتمها ازكاها

میرے پروردگار اپنے برگزیدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شیریں کو کامل پاکیزہ بھیجنا

تمت

حرره محمد المدعو بعبد الرحمن السيوانى اليوم السابع عشر من ربيع الاول لسنة

وَجَوامِعَ الكَلِمِ الَّتِي خُصِّصْتَ بِهٖ | فَحَوٰى جَمِيعَ مَقَاصِدٍ فَحْوَاهَا

اور جوامع الکلم جو آپکو خاص طور پر عطا کئے گئے ہیں پس اُن کے مضامین تو سارے مقاصد پر حاوی ہیں

فَإِذَا سَمِعْتَ حَدِيثَهَا وَرَأَيْتَهَا | أَفْدِيكَ قُلْ بِالْحَقِّ كَيْفَ تَرَاهَا

پس جب وہاں حدیث سن چکے اور دار الحدیث کو دیکھ لے تیرے قربان ہو جاؤں سچ بات کہہ تونے کیسا دیکھا۔

تَتَصَعَّدُ الكَلِمَاتُ مِنْهَا فَوْقَهَا | تَتَنَزَّلُ البَرَكَاتُ مِنْ أَعْلَاهَا

وہاں سے کلمات حدیث بوجہ قبولیت کے عالم بالا کو چڑھ رہے ہیں اور اوپر سے برکات نازل ہو رہی ہیں۔

دَارٌ مَلَائِكَةُ السَّمَاءِ تَحُفُّهَا | زَهْوٌ عَلٰى سَمْكِ السَّمَاءِ ثَرَاهَا

یہ وہ گھر ہے جسکو ملائکہ رحمت نے گھیر لیا ہے اُسکی زمیں آسمان کی بلندی پر فخر کر رہی ہے۔

دَارٌ لَهَا فِي كُلِّ قَلْبٍ مَنْزِلٌ | ذِكْرُ الحَبِيبِ مُجَلَّلٌ فِي مَغْنَاهَا

یہ وہ گھر ہے جسکا ہر دل میں گھر ہے کیوں نہ ہو | اللہ کے پیارے کا ذکر وہاں فروکش ہے۔

وَهَوَى الدِّيَارِ لِأَهْلِهَا مِنْ مَذْهَبِي | مَنْ كَانَ يَهْوٰى ذِكْرَهُ يَهْوَاهَا

گھر والے کے گھر کو محبوب رکھنا میرا مذہب ہے جو محبوب کے ذکر کو دوست رکھیگا وہ جائے ذکر کو بھی دوست رکھیگا

وَنُحِبُّ حُبَّ حُبِّهٖ إِيمَانُنَا | لَنُحِبُّهَا وَنُحِبُّ مَنْ وَالَاهَا

اُس محبوب کی وجہ سے جسکی محبت ہمارا دین و ایمان ہے ضرور ہم دار الحدیث کو دوست رکھتے ہیں اور متولیوں کو بھی دوست رکھتے ہیں

دَارٌ زِيَارَتُهَا لِعَيْنِي قُرَّةٌ | دَارٌ سَكِينَةُ خَاطِرِي ذِكْرَاهَا

اس گھر کی زیارت تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور اُسکا ذکر میری دل کی تسکین ہے

دَارٌ حَقِيقٌ بِأَنْ يُشَادَ بِنَاؤُهُ | دَارٌ مُؤَسَّسَةٌ عَلٰى تَقْوَاهَا

یہ گھر مضبوط بنائے جانے کا مستحق ہے | اسکی بنیاد تقوے پر رکھی گئی ہے

نَالَتْ مَفَاخِرَ دِيوبَنْدُ بِبَدْئِهَا | فَهِيَ افْتِخَارُ الهِنْدِ مِنْ قُرَاهَا

دیوبند کو اس گھر کی ابتدا سے بڑا فخر حاصل ہوا پس وہ ہندوستان کے لئے ساری بستیوں میں باعث فخر ہے

مَا سُمِّيَتْ فِي الهِنْدِ دَارٌ بِاسْمِهَا | مَضَتِ الدُّهُورُ وَمَا أَتٰى نَظْرَاهَا

ملک ہند میں اس نام سے کوئی نام زد نہیں ہوا | بہت سے زمانے گزر گئے اور مثل بھی نہیں سنا گیا

رُزِقَتْ قَبُولًا عَامًّا أَوَمَا تَرٰى | بَذَلُوا النُّفُوسَ لِسَعْيِهَا وَرِضَاهَا

اللہ تعالیٰ نے اُسکو قبولیت عامہ عطا فرمائی ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ سب مسلمان بخوشی دل اُسکی سعی میں جان لگا رہے ہیں

القاسم

یعنی اس علمی۔ ادبی۔ مذہبی۔ اخلاقی۔ تمدنی۔ تاریخی رسالہ کا

نمونہ اور اشتہار

جو مولانا اشرف علی صاحب و مولانا حبیب الرحمن صاحب اور
دیگر مقدس و مقتدر علماء کی سرپرستی میں

انشاء اللہ تعالے عنقریب

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع ہوگا

عظیم الشان جلسہ دستاربندی سنہ ۱۳۲۸ھ کی تقریب پر

خاکسار فقیر سید احمد حسین حسنی دیوبندی نے

رشید احمد نعمانی کے اہتمام سے

احمدی پریس علی گڑھ میں چھپوا کر شائع کیا

التماس

ضرورت زمانہ اور قومی حالت کو دیکھکر بیک خیال دیندار اور بہی خواہان مدرسہ
اصرار فرما رہے ہیں اور خادمان مدرسہ بھی اس ضرورت کو محسوس کر رہے ہیں کہ مدرسہ
کے انتساب و سرپرستی سے ایک رسالہ جاری کیا جاوے جس سے عامہ اہل اسلام کی خیرخواہی
واصلاح مقصود ہو لیکن بہ تقاضائے كُلُّ اَمْرٍ مَرْهُونٌ بِاَوْقَاتِهَا باوجود کوشش
اور ارادے کے تاخیر ہو رہی ہے۔ لیکن حق تعالے کے فضل و کرم سے امید ہے
کہ اب اس کار خیر کے جاری ہونے میں زیادہ دیر نہ ہوگی۔ لہذا ہم اپنی یہ کتاب بطور نمونہ
طبع کرا کر اہل اسلام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اگر اہل اسلام نے اسکو پسند فرما کر
اسی طرز پر ایک ماہواری رسالہ جاری کرنیکی رائے دی تو ہم انشاء اللہ ماہ جمادی الاول میں
اسکا پہلا پرچہ باقاعدہ ضرور شائع کر دینگے۔

۲ - اس قسم کے رسالے کی ضرورت کو ہمارے ایک مخدوم نے اپنے قابل قدر
مضمون میں نہایت خوبی سے دکھلا دیا ہے لہذا ہم اسکی نسبت کچھہ زیادہ عرض کرنے کی
ضرورت نہیں سمجھتے۔

۳ - اس قسم کا رسالہ بزرگان مدرسہ کی سرپرستی میں شائع ہوگا لیکن اسکے مصارف کا تعلق مدرسہ سے نہ ہوگا

۴ - مدیر اور ناظم اسکے حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اور جناب مولانا حکیم جمیل الدین
صاحب نگینوی ہونگے۔

۵ - تمہیدی مضمون میں جن حضرات کا ذکر کیا گیا ہے انکے علاوہ بھی بعض دیگر اہل علم
وفضل حضرات کے قابل قدر مضامین آپ ملاحظہ فرمایا کرینگے۔

۶ - اس قسم کا ماہواری رسالہ اگر جاری ہو جائیگا تو ہر ماہ کی ابتدائی تاریخوں میں ناظرین

فہرست مضامین کتاب نمونہ القاسم

متعلقہ مدرسہ اسلامیہ دیوبند

کی خدمت میں بھیج جایا کریگا چنانچہ پہلا پرچہ اسکا انشاء اللہ العزیز ۱۵ جمادی الاول تک
آپ ضرور ملاحظہ فرما لینگے

۷ ۔ یہ کتاب بطور نمونہ بلا اندازہ صفحات محض اسلئے شائع کر دی گئی ہے کہ اہل اسلام
کو اسکے مضامین کو دیکھکر اجراے رسالہ کے متعلق راے دینے میں آسانی ہو۔ آئندہ
کوئی رسالہ ۳۲ صفحات سے کم نہوگا

۸ ۔ قیمت سالانہ مع محصول عہ اور اعلی قسم کے کاغذ پر تین روپیہ سالانہ ہوگی۔

۹ ۔ اگر نیک خیال و بیدار مغز اہل اسلام نے اس قسم کے رسالہ کو پسندیدگی کی نظر سے
دیکھکر ہمیں یہ رسالہ جاری کرادیا تو ارادہ ہے کہ ہم اسکے بعد بہت جلد دوسرا مستقل رسالہ
الرشید جاری کریں یا اسی رسالہ میں ایک حصہ اضافہ کردیں جسمیں شرعی مسائل مخالفین
اسلام کے اعتراضات کے مہذب جوابات ہونگے اور ہمارے مدرسہ سے جو ہزارہا استفتا
جواب لکھکر اطراف عالم میں بھیجے جاتے ہیں انکا انتخاب درج ہوگا اہل اسلام کیلئے بیحد مفید ہوگا

۱۰ ۔ امید ہے کہ ہمارے برادران اسلام بہت جلد اس رسالہ کے متعلق اپنی راے ظاہر فرماویں
کیونکہ ہم چاہتے ہیں کہ بہت جلد باضابطہ گورنمنٹ سے اجازت لیکر جمادی اول ہی میں پہلا
پرچہ شائع کردیں

۱۱ ۔ چونکہ غالب گمان اور قوی امید یہ ہے کہ اہل اسلام اسکو پسند فرمائینگے اور آیندہ
ماہ میں رسالہ ضرور شائع ہوگا لہذا جن حضرات کو اسکی خریداری منظور ہو وہ اپنا فرمایشی رقعہ
معہ صاف صاف پتہ و نشان تحریر فرمادیجائیں یا وطن پہنچکر کارڈ بھیجدیں پہلا پرچہ انکے
نام وی پی کردیا جائیگا اور جو صاحب چاہیں وہ اسوقت جناب مولوی محمد میان صاحب
ناظم الانصار و مہتمم مدرسہ کے پاس قیمت جمع فرماکر رسید لے لیں۔

الملتمس فقیر سید اصغر حسین مہتمم مدیر القاسم
مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

ہوسکتی ہے۔ مگر یہ بیداری بجائے مفید ہونے کے مضر ثابت ہوئی "آنکھ کھول کر دیکھا تو سینکڑوں
کی صورت میں وہ لوگ نظر آئے جو اسلام کے رنگ میں رنگے ہوئے نہ دل میں اسکی
عظمت لئے ہوئے البتہ اسلام کی اصلی صورت مار اپنے خیالی روش کو جوڑ کر دلفریب منظر
پیش کرنیکے اندر ماہر اور کامل الفن ہیں۔

نئے تعلیم یافتہ گروہ میں گو وہ زمانہ کے سیاہ اثر سے متاثر ہو کر ظاہری شکل و صورت
میں نظر آتے ہوں۔ ایسے بھی ہیں جنکے اندر اسلام کی سچی محبت موجزن ہے۔ اور طلب
حق کی دبی ہوئی آگ کبھی کبھی مشتعل ہو کر انکو مضطرب اور بے چین بنا دیتی ہے۔ مگر اب ہر نو
طلب کا طریقہ بدل گیا۔ کہاں وہ زمانہ کہ ملک ملک خاک چھان کر علم کو حاصل کرتے
تھے۔ کہاں یہ زمانہ کہ مطابع کی کثرت اور علم کی عام بیدردی وارزانی کی وجہ سے ہر شخص یہی چاہتا
کہ گھر بیٹھے بلا محنت کان میں پڑ جایا کرے۔ اور ایسے حضرات کو منصبی یا تجارتی
مشاغل سے فرصت کہاں کہ سفر کی تکلیف گوارا کرکے علماء کے فیوض سے مستفیض ہوں
اور سامنے آئی ہیں تو وہ باتیں جن پر اطمینان نہیں اعتقاد جمائیں تو کیسے اور عمل کریں تو کیونکر۔

عام مذاق میں اخباروں کا مطالعہ داخل ہو گیا ہے۔ تھوڑا سا وقت اسمیں صرف
کرنا معاشرت و تمدن کا جزو بنگیا ہے لیکن بہت سے ایسے ہی ہیں جو اپنے بیکار اوقات کو
اسی مشغلہ سے پر کرنے۔ اور مخرب اخلاق ناولوں۔ غیر واقعی مبالغہ آمیز تاریخی حالات کو
دیکھکر وقت ضائع کرنے۔ اور غلط واقعات پر اعتماد جما کر مہلک مرض (جہل مرکب) میں مبتلا
ہوتے ہیں۔

اپنے خیالات باطلہ کو رواج دینے علماء کی شان و مرتبہ گھٹانے یا کسی اور وجہ سے
یہ خیال بھی زوروں کے ساتھ راسخ کر دیا گیا ہے کہ علماء مقلد جامد ضروریات زمانہ سے
ناواقف۔ نئے نئے اعتراضوں اور فلسفہ جدیدہ کے حملوں سے اسلام
کو محفوظ رکھنے کے ناقابل ہیں۔

ضرورت ہی کیا تھی

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے وقت میں جبکہ اخباروں - ماہواری رسالوں - علمی اور تاریخی میگزینوں - کی کثرت نے دیکھنے اور پڑھنے والوں کا ناک میں دم کر رکھا ہو اور ایک سے ایک اعلیٰ پرچہ صورت شکل - رنگ روپ - مضامین علمی اور زبان کے اعتبار سے نکلتا - اور ہر قسم کی طبائع کی خواہشوں کو پورا کرتا ہو کسی رسالہ یا اخبار کی ضرورت باقی رہی ہے جس کی طرف طبقۂ علماء کو متوجہ ہونے کی ضرورت پڑے -

بیشک اگر رسالوں اور اخباروں کی کثرت پر خیال کیا جائے تو یہی نہیں کہ نئے رسالہ کا اجراء اگر کسی عنوان سے ہو تو غیر مفید اور تحصیل حاصل ہے - بلکہ تضیع مال و اوقات بھی ہے - علماء کو کیا ضرورت پڑی کہ غیر ضروری شغلہ میں پڑ کر اپنا بیجا خرچ اوقات کریں اور مسلمانوں کی تضیع مال اور پریشانی اوقات اور تفرقہ کا سبب بنیں -

یہ سب کچھ صحیح ہے لیکن کچھ ضرورتیں - دینی - مذہبی - اور تمدنی - ایسی بھی ہیں جنکو خیال کرتے ہوئے نہ صرف مستحسن بلکہ نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو انکے تدین و تمدن میں عام غلط فہمی و گمراہی سے بچانے - سیدھی اور سچی راہ چلانے - اسلام کے اصلی ذائقہ سے واقف کرنے قوت روحانی کو ترقی دینے کے لیے ایسا سامان کر دیا جاوے جو اُنکے لیے سچا رہنما - افراط و تفریط میں مبتلا ہونے سے بچانیوالا ہو - مثلاً -

زمانہ کے زبردست ہاتھوں مختلف تجربوں - اور روز کے نئے نئے ناگوار واقعات نے مسلمانوں کو چونکا دیا کہ وہ دنیا میں بھی معراج ترقی پر نہیں پہونچ سکتے جبتک اپنے مذہب پر استحکام کے ساتھ قایم نہوں - مسلمان اگر مذہب کے سلسلہ اتحاد میں منسلک نہوں تو نہ تو وہ ترقی کر سکتے ہیں اور نہ اُنکی ترقی اسلام کی ترقی

سنو یا بواسطہ ٹیلیگراف یا کتابت یا پیغام زبانی ہر حال میں اُسکو کلام زید کا کہنا درست ہوگا گو کتاب
کوئی پڑھے کوئی لکھے کلام شیخ ہی سمجھا جائیگا بلکہ صرف مضمون جس کا ہوتا ہے اُسیکا کلام شمار کیا
جاتا ہے الفاظ خواہ دوسرے کے ہوں اگر ہم کوئی مضمون کسی کو بتلادیں اور وہ اُس کو زبانی
اپنے الفاظ میں یا تحریراً اپنی عبارت میں بیان کرے اور دوسری کو پہنچا دے تو وہ ہمارا کلام
اور ہمارا پیام ضرور سمجھا جائیگا گو دوسری وجہ سے اُسکو دوسرے کی طرف منسوب کرنا بھی غلط نہو
خلاصہ یہ کہ اصل کلام مضمون و معنی ہیں الفاظ و حروف اُسکے لیے عنوان اور اُس پر دال ہیں۔
اب انشاء اللہ تعالیٰ یہ بات بھی بسہولت سمجھ میں آجائیگی کہ قرآن شریف اور احادیث قدسیہ
اور دیگر احادیث و اقوال نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم سب کلام الٰہی اور وحی من اللہ ہیں
عوارض خاصہ اور بعض احکام میں گو آپس باہم امتیاز ہوا اور ضرور ہونا چاہیے مگر کلام الٰہی ہونے
میں کوئی خفا نہیں چنانچہ جملہ اکابر کے نزدیک یہی مسلم ہے کہ احادیث رسول علیہ السلام حتیٰ کہ
اُنکا خواب بھی وحی ہی سمجھا جاتا ہے

جب وحی کا مفہوم اور اُسکا مصداق اور اُسکے اقسام معلوم اور معین ہو چکے تو اب
اُسکی عظمت اور صداقت میں کون کلام کر سکتا ہے جو دلیل کی حاجت ہو جب کسی کو حاکم
سلطان مان لیا جاوے تو گنوار سے گنوار بھی اُسکا یہی مطلب سمجھتا ہے کہ اُسکے احکام واجب التسلیم
ہیں ہاں اگر کوئی سلطان اور حاکم کے معنی ہی نہ سمجھے یہ دوسری بات ہے یہ کسی طرح نہیں
ہو سکتا کہ کوئی خدا کا تو قائل ہو اور اُسکے احکام کو واجب التسلیم نہ سمجھے اور بالفرض کوئی ایسا
ہو تو اُسکو ایمان کے ساتھ آدمیت سے بھی نکالنا پڑیگا بلکہ نکالنے سے پہلے خود نکل جائیگا
کہ وہ حقیقت میں خدا ہی کا منکر ہے اسکے بعد یہ التماس ہے کہ وحی کے واجب التسلیم ہونیکے ساتھ
یہ امر بھی ضروری اور بدیہی ہے کہ جملہ ذرائع علم میں وحی کے برابر کوئی نہیں جہل و خطا و نسیان کو
اُس میں شائبہ تک نہیں اُسکے مقابلہ میں افلاطون و بقراط کے کلام کو کسی جاہل کودن
طفل مکتب کے کلام پر ہرگز فوقیت نہیں کون نہیں جانتا کہ کلام کی عظمت اور اُس کی

سادہ طرز میں مسلمانوں کی نفع رسانی کے لیے اپنی نوعیت میں ایک ہوگا۔ اور سب سے بڑا اسکو امتیاز یہ ہوگا کہ حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی اور حضرت مولانا حافظ خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب مفتی ادام اللہ مجدہم کے فیوض علمیہ سے مستفیض ہوتا رہیگا۔

مسلمانوں سے صرف یہ التماس ہی کہ اس مفید کام سے نفع اٹھانیکے لیے قوم کو متوجہ کریں اور اس نمونہ کو پیش نظر رکھکر ہمکو یہ رائے دیں کہ آیا اس رسالہ کا وجود جماعت اسلام کے حق میں سودمند ثابت ہوسکتا ہی یا نہیں۔ واللہ الموفق والمعاں۔

(خاکسار)

حبیب الرحمن عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

وحی اور اسکی عظمت

وحی لغت عرب میں اشارہ۔ کتابت۔ مکتوب۔ رسالت۔ الہام القا کو کہتے ہیں اور اصطلاح اور عرف میں اس کلام اور پیام کا نام ہی جو حضرت رب العزت کی طرف سے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہو ہر چند واسطہ بلاواسطہ کی تفاوت اور وسائط کے اختلاف سے اسکی متعدد اقسام ہوں مگر کلام الٰہی ہونے میں سب شریک ہیں۔ زید کا کلام بلاواسطہ

وما نهاكم عنه فانتهوا فرماکر حق تعالیٰ نے آپکی صداقت کی کفالت فرمائی ہے معصوم اور
ظاہر و باطن میں مطیع و فرمانبردار ضرور ہونگی سواے ملائکہ اور حضرات انبیاء کی شان میں
کوئی بیہودہ خیال کرنا ہرگز ممکن نہیں ہوسکتا بلکہ اس کی نوبت دور تک نہیں پہنچی علاوہ
ازیں حضرات ملائکہ کی طرف سے سو ظنی تو اسلئے امر ہے کہ عامل موقع نہیں جو انکی
اصلیت اور انکی حالت سے مطلع ہوکر یہ گمان لیجا کہ ان میں وہ اس کا مادہ ہی نہیں انکی طرف
کذب کا خیال ایسا ہی ہے جیسا کوئی ناواقف انکی طرف اکل و شرب و توالد و تناسل کا
خیال خام پکانے لگے البتہ حضرات انبیاء کے بشر ہونیکی وجہ سے شاید انکی نسبت کسی کو یہ
خیال ستائے تو اس ضرورت سے جواب اول کے علاوہ دوسرا امر قابل التماس یہی
کہ ہم آپسے پوچھتے ہیں کہ ہم کو اور تمکو جو کسی کو بہادر یا سخی یا با غیرت یا باحیا یا امانت دار
وغیرہ ہونیکا ایسا وثوق یقین ہوتا ہے تو اسکی وجہ اسکے سوا کیا ہے کہ اسکے تجربہ اور مشاہدہ
احوال و افعال و اقوال سے ہم کو ایسا وثوق اور ایسا یقین ہوجاتا ہے کہ خلاف کا
خیال بھی نہیں رہتا تو اب حضرات انبیاء کے بارہ میں یہ قاعدہ مسلم کہاں جاتا رہا اور
حضرات علیہم السلام کو جانے دیجئے حضرت رسول عربی امی سید الانبیاء والمرسلین علیہ السلام
کے احوال و افعال و اقوال کو ملاحظہ فرمالیجے کہ موافق و مخالف جو انکی حالت نقل کرتے
ہیں بروئے انصاف اس سے کیا نکلتا ہے کوئی دلیل ہے جس سے انکی عقل و فہم و فراست
و صداقت و امانت و سخاوت و شجاعت و حیا و متانت وغیرہ میں کمی بھی معلوم
ہوتی ہو اگر ہو تو پیش کیجئے گا یا ہم آپکو یہ دکھلاتے ہیں کہ اسکے مخالف اور دشمن انکے
کمالات کے کسقدر مداح ہیں یقیناً آپ کا کمالات حسنہ میں کامل ہونا اس سے زیادہ
قابل تسلیم ہے جیسے کہ رستم کی شجاعت و حاتم کی سخاوت مسلم ہورہی ہے مگر تعصب و عناد
کے علاج سے سب مجبور ہیں کسی کی عقل میں آسکتا ہے کہ ایسا شخص جو صداقت و دیانت
جملہ کمالات میں نظیر نہ رکھتا ہو وہ وحی خداوندی میں ایسا کرے اور جس نے مدت العمر

فصاحت و بلاغت و تعبیرات و صداقت و تلاش حکمت و مصلحت کا مدار اسکے متکلم پر ہوتا ہے جو
درجہ کا متکلم ہوگا اس درجہ کا کلام و قدر الکلام بقدر المتکلم چنانچہ حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کہ کلام الہی کو تمام مخلوقات کے کلام پر وہی فضیلت ہے جو اصل میں حق تعالیٰ کی
ذات کی اسکی مخلوقات پر ہے کلام الملوک ملوک الکلام کے قاعدے سے بھی کلام الہی کو ملوک
الکلام ماننا ضرور ہوگا پھر کلام الہی کی برابری اس سے زائد مخلوقات کا کلام کیسے ہوسکتا ہے
بلکہ حقیقت اسکے مقابلہ میں کسی کی کچھ حقیقت نہیں البتہ ہاں اسکے کلام کے مقابلہ میں کسی اور کے
کلام کی کچھ حقیقت نہوگی جیسے اولاد اور سلاطین کے کلام کے روبرو کسی پاگل دیوانہ کے کلام کی
جتنی وقعت ہوسکتی ہے رب العرش کے کلام مقدس کے روبرو تمام مخلوقات کے کلام کی
اتنی وقعت بھی نہیں ہوسکتی بالجملہ امر بدیہی ہے کہ کلام الہی کے برابر ہرگز ہرگز کسی کا کلام
قابل تسلیم اور واجب التعمیل نہیں ہوسکتا اور اسپر کوئی بحث ہے تو یہ ہے کہ کوئی یہ
کہہ سکتا ہے کہ حکم الہی بلا واسطہ تو پہنچتی نہیں بیچ میں وسائط ضرور ہیں تاوقتیکہ ان وسائط
کی طرف سے اطمینان تام نہو کلام الہی ہونے پر کیسے وثوق ہوسکتا ہے صرف قائل کی
صداقت کافی نہیں ہوسکتی اسکے ساتھ ناقل کا صادق ہونا بھی ضرور ہے سو وسائط کل
دو ہیں ایک وحی لانے والا یعنی فرشتہ دوسرے جسپر وحی لیکر آیا یعنی نبی اور رسول سو ان
دونوں فریق کی صداقت اور عصمت باتفاق اہل عقل و نقل ایسے ظاہر و مسلم ہے کہ محتاج
بیان نہیں کون نہیں جانتا کہ ملائکۂ کرام اور انبیائے کرام مقربین بارگاہ الہی سے
ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ باس مقرب اور خواص سلطنت کے لیے سراپا اطاعت ہونا ضرور
ہے اپنے مخالفوں کو اپنی بارگاہ میں کون گھسنے دیتا ہے اور مسند قرب پر کون قدم رکھنے
دیتا ہے اسلیئے ضرور ہے کہ وہ مقرب جنپر اپنے اسرار اور باقی الضمیر آشکارا کیے جاویں
اور منصب سفارت پر منظور فرمائے جاویں اور سلسلۂ ہدایت عالم انکے ساتھ وابستہ
کیا جاوے ایسے لا یعصون اللہ ما امرھم اور مصداق تکمیل الرسول محمد ...

یعنی قرآن شریف ہی مقصود ہیں دوسری یہ کہ ابتدا سے کوئی خاص ابتدا منظور نہیں بلکہ عام ہے
خواہ بلحاظ زمانہ ہو یا مکان یا باعتبار احوال خاصہ ہو یا اوصاف ترجمہ کے متصل ہی یہ آیۂ کریمہ لائی
انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ بیان کی جس سے معلوم ہوا کہ مبدء
وحی یعنی جہاں سے یہ کلام صادر ہوے وہ حق جل وعلی شانہ ہی اور اسی طرح پر انبیاء سابقین پر وحی
آئی جس ہی معلوم ہوگیا کہ یہود و نصاری وغیرہ کو اسکا ماننا ایسا ہی پڑیگا جیسے اپنے انبیاء کی وحی
کو تسلیم کرتے ہیں اسکا انکار گویا سب کا انکار ہی اور جنکو علم و عقل عنایت ہوا ہی وہ اسپر قناعت نہ
فرمائیں بلکہ اس رکوع کو صرف طامستیقنا تک غور سے ملاحظہ کریں کہ وحی کی عظمت اور اسکی تاکید کس
کس طرح سے کیگئی ہی ۔ شاید کسی دوسرے موقع پر اتنی تاکیدات نہ ملیں جس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ
کی فہم و تتبع کا پورا پتہ لگتا ہی ۔ اسکے بعد چند روایات اور آیات کو بیان فرمایا جنکی تفصیل سے ہم تو
بالکل قاصر ہوں ۔ ہاں بالاجمال یہ عرض ہی کہ اُنسے یہ معلوم ہوا کہ نبی کے لیے ضروری ہی کہ اسکی نبت
اعلی اور خالص ہو نسب بہت اعلی اور اخلاق و اعمال کامل ہوں نقض عہد اور کذب سے مبرا
ہو ۔ مخالفین تک اُسکی صدق و دیانت و عمدگی اخلاق و افعال کو تسلیم کرلے ہوں اور خاص
جناب سید المرسلین کی نسبت یہ معلوم ہوا کہ آپکو ابتدا سے وحی نہیں عنایت ہوئی بلکہ بڑے ہوجانے
اور کامل العقل ہو جانیکے بعد یعنی چالیس سال کے بعد آپکو وحی عطا ہوئی ۔ اور فرشتوں میں بھی
خاص حضرت جبرائیل علیہ السلام جو افضل الملائکہ ہیں اس خدمت پر مامور ہوئے اور بہت سے
مجاہدات و خلوات اور کثرت عبادات کے بعد در ابتدا میں یہ حالت ہوئی کہ کلمات عربی
جو آپ کی زبان تھی اُسکو نہ کہہ سکی مگر سہ کرر جد و جہد کے بعد اُن چند کلمات کو کہہ تو لیا مگر نہ دل
قابو میں نہ ہاتھ پیر اُس کی عظمت و ہیبت سے آپکو یہاں تلک اندیشہ ہوا کہ شاید مرجاؤں اور
یہ نوبت بھی اول نہیں بلکہ کچھ عرصہ تک خواب میں اول آپکو یہ حالات صادقہ پیش آچکے تھے اور
یہ حالت تو آپکی اخیر تلک رہی کہ نزول وحی کے وقت شدت سرما میں پسینہ بہنے لگتا تھا سوار
ہوتے تھے تو سواری بیٹھ جاتی تھی کسی کے گھٹنے پر آپ کا گھٹنا ہوتا تو وہ یہ خیال کرتا کہ شاید

کسی کے ساتھ کذب کا استعمال نکیا ہو وہ لعوذ باللہ خداوند عالم پر جہوٹ لگائے اسی کے
ساتھ بشرط فہم یہ امر بھی قابل لحاظ ہی کہ آپ پر جو وحی نازل ہوئی اُسکی کیا صورت ہوئی اور کیا
کیا اسباب اور اہتمام اُسکے متعلق پیش آئے تاکہ اُسپر غور کرنے سے اہل فہم کو بالبداہت
یہ معلوم ہو جائے کہ وحی الٰہی میں کسی قسم کی خلجان کی گنجایش نہیں اور وحی من اللہ کوئی معمولی
بات نہیں بلکہ نہایت اعلیٰ اور عظیم الشان امر ہی جسکے قابل کوئی ہی نکلتا ہی اور پہر اُسپر نزول
کی بہی خاص ہی شان ہوتی ہی اور پہر فرق مراتب کی وجہ سے ہر ایک وحی کا اہتمام اُسی
کی شان کے موافق کیا جاتا ہے دیکھئے حضرت رسول اکرم نبی الانبیا و الامم صلی اللہ علیہ
وسلم پر جو وحی نازل ہوئی جسکو اعلیٰ درجہ وحی کا کہنا چاہیئے اُسکے حالات اور کیفیات کو ملاحظہ
فرمائیے اور پہر جسکا جی چاہے انصاف سے کہدے کہ اُس میں کسی کوتاہی یا نقصان کی گنجایش
ہو سکتی ہے ہرگز نہیں اسکی تفصیل کے لیے جو امام المحدثین امیر المومنین فی الحدیث شیخ
صحیح بخاری نے بواسطہ احادیث بیان فرمایا ہے اُسکو بہت کافی سمجھتے ہیں۔ حضرت امام بخاری
نے یہ کیا کہ اپنی کتاب میں سب سے اول باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم منعقد فرمایا ہے جس سے معلوم ہو گیا جملہ اصول و فروع حتیٰ کہ ایمان اور
علم سب کا ماخذ و منشا وحی الٰہی ہی اور تمام اصول و فروع وہی معتبر ہو سکتے ہیں جنکا ماخذ وحی ہو
اور اس کتاب میں جو مذکور ہوگا اصول ہوں یا فروع عبادات ہوں یا معاملات اُسکا ماخذ
وحی ہوگی۔ اور اس کی کیفیات اور اُسکے حالات بیان فرمانے سے حضرت امام رضی اللہ عنہ
وارضاہ کی یہی غرض معلوم ہوتی ہی کہ اُنکو سمجھکر ہر کوئی سمجھ جاوے کہ بیشک وحی ہی اصل اصول
ہے اور اُسکے روبرو کوئی مستحکم سے مستحکم دلیل بہی قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ ترجمہ بیان کرکے
اسکے بعد چند آیات و حدیث امام رحمۃ اللہ نے بیان فرمائیں جس سے کیفیات بدء وحی کی
توضیح ہو جاوے۔ اور اُسکی عظمت اور مفترض الطاعت ہونے میں کسی کو شبہ نہ رہے مگر صرف
دو باتوں کا خیال ضرور ہے اول یہ کہ لفظ وحی میں جملہ اقسام مذکورہ بالا داخل ہیں وحی متلو یعنی

انقلابِ اُمّت

اُمّت میں حیثیت ہونے اُمّتی کے اعتبار سے دنیوی انقلابات تو مطمحِ نظر نہیں سکتا۔ گو اس سے بحث کرنے کو بھی میں بیکار نہیں سمجھتا۔ مگر حیثیت ہی کو رو سے بحث مقصود نہیں۔ بلکہ انقلابِ دینی سے بحث مقصود ہے اُسی کی نسبت اسوقت عرض کرنا چاہتا ہوں

افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ جس درجہ کا انقلابِ عظیم اکثر اجزاء دین میں واقع ہوا ہے اسکو دیکھتے ہوئے بے اختیار یہ زبان پر آتا ہے۔

ای تیرہ ابر پردۂ شب ہے خواب ما | خبر کہ شد مشرق و مغرب خراب ما

اس انقلاب کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہاتھ میں ایک کتاب تفاصیلِ احکام شرعیہ کی لیجئے اور ایک نظر سے ایک ایک حکم جزئی کو دیکھتے جائیے اور ایک نظر سے کسی غیر مطیع اُمّتی کی ایک ایک حالت کو جو اُس حکم جزئی کا محل اور متعلق ہے دیکھتے جائیے اور دونوں کو ملاتے جائیے تو ایک حیرتِ عظیم ہو گی۔ کہ یا اللہ ان حالتوں کے مرتکب کو کیا ان احکام سے کچھ بھی معلوم ہوتا ہے۔

دین کے یہ اجزا ہیں۔ عقائد[1] - دیانات[2] (مثل نماز۔ روزہ۔ طلاق۔ نکاح وغیرہ) معاملات[3] (مثل بیع۔ شراء وغیرہ) معاشرات[4] (مثل طعام۔ لباس کلام وسلام وغیرہ) اخلاقِ باطنہ[5]۔ (مثل ریا و اخلاص و کبر و تواضع وغیرہ)۔

عقائد[1] میں مسلمانوں نے حیثیت سے انکار کا انقلاب نہیں پیدا کیا۔ گو اُنمیں تبدیل ہی کے رنگ میں کچھ تغیر و تبدل ہوا جس سے وہ حدِ بدعت میں داخل ہو گئے۔ اور جس نے اہلِ باطل کو اُسی تغیر کی اصلاح کے سبب اہلِ حق کا مخالف بنا دیا۔ غرض کہ نصوص کا انکار نہیں کیا گیا۔ البتہ تاویلِ باطل کی گئی۔ یہ حالت عام مسلمانوں کی ہے۔ مگر خاص خاص جدید تعلیم یافتوں نے انکار کا انقلاب بھی اختیار کیا۔ بلکہ انکار سے متجاوز

میری ہڈی چور چور ہوجاتی گی انہیں روایات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غار حرا جو آپکا عبادت گاہ اور
اعتکاف کی جگہہ تھی وہاں اول وحی آئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام مہینوں میں رمضان شریف
کے مہینہ کو وحی سے زیادہ اختصاص ہی اور انہیں روایات سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ چالیس
برس کے بعد اور خوابوں کے بعد جب فرشتہ وحی لانے لگا تو پھر بھی متصلا نہیں آئی بلکہ اکر
ایک عرصہ تلک آنا بند رہا پھر جو آئی تو علی الاتصال آتی رہی یہ بھی معلوم ہوا کہ وحی کے محفوظ
رہنے اور بجنسہ اُس کی لوگوں تلک پہونچوا دینے کی حق تعالی نے کفالت اور ذمہ داری فرمائی
اور صاحب فہم کو اور امور بھی اُن روایات سے ایسے معلوم ہوتے ہیں جن سے عظمت وحی
ہویدا ہے اور اسکے سوا دیگر روایات سے ایسے حالات بکثرت اہل فہم کو معلوم ہوتے
ہیں جن سے دو باتیں ضرور سمجھہ میں آتی ہیں اول تو وحی کی عظمت دوسرے یہ کہ اسمیں کسی
طرف سے اندیشہ سہو و خطا وغیرہ نہیں ہوسکتا لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ
حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ کی اس طرز سے ہمارا مدعا ایک قسم کی وضاحت کے ساتھ ثابت
ہوگیا کہ وحی جو بواسطہ رسول ہمکو پہونچتی ہی متلو ہو یا غیر متلو وہ ہمارے لیے ایسی کافی حجت
ہے کہ اُسکے ہوتے دوسری طرف نظر ڈالنی اور وہ بھی کیہہ بالاتفاق بیشک خدا کی بندگی
سے نکال کر شیطان کی بندگی میں داخل کرتی ہی اور ایسے کا ارشاد نہ فقط اہل اسلام پر بلکہ
تمام اہل زمین پر بروے انصاف ایسی حجت ہی کہ اُسکا ماننا ہر نفس کو ضروری ہی اور اسکے
مقابلہ میں ادہر اُدہر جانا بالکل خام خیالی ہی اور مسلمانوں میں تو اسکو سب مانتے ہیں مگر ہم دیکھتے
ہیں کہ اپنے زور میں آکر ذرا ادہر اُدہر ہو کر بہت دور نکل جاتے ہیں الحذر الحذر اگر مقدر ہی تو شاید
کسیوقت کچھہ تفصیل کی بھی نوبت آجاوے۔ ؎

یکے از عقل می لافد یکے طامات می بافد
بیا کیں داوریہا را بہ پیش داور اندازیم

والسلام علی من اتبع الہدی ۔ بندہ محمود عفی عنہ

اور ایک ایک رسم اور ایک ایک عادت اختراع کی اور اس مجموعہ کو اپنا دستور العمل قرار
دیا اور اس قرار داد میں ذرا بھی اپنے کو قصوروار یا خطاکار نہیں سمجھا۔ بلکہ بعض امور کو
الٹا ہنر اور فخر سمجھا۔ اس طرح سے کہ مجموعی حالت کے دیکھنے والے کو یہ گمان ہوتا ہے
کہ شاید کسی نے قصداً ہر ہر حکم رحمانی کے مقابلہ میں ایک ایک حکم نفسانی مستحسن سمجھ کر
ایجاد کیا ہے۔ اور آسمان کی یہ علامت ہے کہ ان امور میں احکام حقہ کے داعی سے سخت
مزاحمت کی جاتی ہے۔ سو درحقیقت یہ انقلاب بہت ہی بڑا انقلاب ہوا کیونکہ
اول کے دو انقلابوں میں اجزائے دین کو دین سے خارج نہیں کیا گیا تھا۔ اور نہ ان
اجزاء کے مقابلے میں دوسرے امور کو من حیث الاستحسان تجویز کیا گیا تھا۔ گو ایک
جگہ تغیر وہ بھی من حیث التدین۔ اور دوسری جگہ ترک وہ بھی باعتقاد تقصیر واقع ہوا
اور ان تینوں میں اجزائے دین کو دین سے خارج کر دیا گیا۔ اور بجائے ان اجزاء کے
دوسرے احکام اختراع کئے گئے۔ اور ان مخترعات کو اصل پر ترجیح دی گئی۔ تو
ظاہر ہے کہ یہ انقلاب اجزائے ثلثہ اخیرہ کا ان انقلابین اولین سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے
اور وقوع میں اظہر اور اکثر یہی اجزائے ثلثہ اخیرہ ہیں۔ کیونکہ عقائد کا حصہ گو اہم ہے
مگر اظہر نہیں۔ اور عبادات کا حصہ خاص خاص اوقات میں ظاہر ہوتا ہے۔ پس وقوع
میں اکثر نہ ہوا۔ اور یہ ثلثہ اخیرہ اظہر بھی ہیں اکثر بھی ہیں۔ اور ان ہی میں یہ انقلاب
عظیم واقع ہے۔ پس اس بنا پر دیکھنے والوں کو اکثر احاد امت میں ہر وقت یہ
انقلاب عظیم ہی نظر آویگا تو جو شخص ہر وقت انقلاب عظیم دیکھے اور پھر یہ دعوی
بھی سنے کہ انا امتی محمدﷺ۔ تو وہ سخت تحیر میں واقع ہو جاویگا کہ یا اللہ یہ شخص کس امر میں
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہے جو ایسا دعوے کرتا ہے
مسلمانو! اب بھی اپنی حالت پر آپکو تنبہ ہوا۔ اگر نہیں ہوا تو انا للہ۔ اگر ہوا ہے

---

[۱] میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتی ہوں۔ ۱۲

ہوکر جمہور کے عقائد کے ساتھ استہزا اور تمسخر سے پیش آنے لگے۔ پھر حافظانِ حدود دین نے کفر کا فتوے لگایا اور اس فتوے کی بدولت دوسری طرف سے انکو متعصب کا لقب عطا ہوا۔ گو جو شخص کفر کی حقیقت سمجھیگا وہ اِن علما کو اس فتوے میں نہ صرف معذور بلکہ خود بھی اسمیں اُن کے ساتھ بالاضطرار اتفاق کریگا یہ تو پہلے جزو کی انقلاب کی کیفیت تھی

دوسرا جزو یعنی دیانات۔ اُسمیں عام مسلمانوں نے درجۂ بدعقیدگی کا بھی تغیر و تبدل نہیں کیا۔ مگر ترک و اہمال کا انقلاب البتہ اختیار کیا کہ کسی نے نماز و روزہ کو اس طرح خیرباد کہا گویا کہ اُس کے ذمہ فرض ہی نہیں کسی نے نکاح و طلاق کیساتھ یہی معاملہ کیا کہ عقیدے میں تو یہی سمجھا کہ مسائل نکاح و طلاق کے دین میں داخل ہیں ہماری رائے و اختیار پر نہیں ہیں اور ہیں بھی اُسی طرح جسطرح علماء دین بتلاتے ہیں۔ اور اسی سے احکام دین کے متقاضی ہیں اور احکام مخترع نہیں کیئے گئے۔ مگر عمل اُس کے ساتھ یہ رکھا کہ جہاں نفس کا غلبہ ہوا وہاں تمتع کے لئے نکاح کا بھی انتظار نہیں کیا۔ جہاں کوئی دنیوی ننگ و ناموس کے باقی رکھنے میں مصلحت دنیوی دیکھی وہاں باوجود طلاق کے منکوحہ بی بی کو گھر میں رکھا اور اس سے متمتع ہوتے اور بچے جنواتے رہے اور خاص خاص جدید تعلیم یافتوں کو تو یہاں بھی انکار میں نہ دو نہیں ہوا بہرحال عام مسلمانوں میں جزو اول میں انقلاب تغیر ہوا تھا۔ اور یہاں جزو ثانی میں انقلاب ترک و اہمال ہوا ہے

اب رہ گئے بقیہ اجزائے ثلثہ یعنی معاملات۔ معاشرات۔ اخلاق۔ اُن میں اِن دونوں مذکور انقلابوں سے بڑھکر انقلاب ہوا ہے۔ یعنی عام مسلمانوں نے بھی اپنی بےخبری سے اُن کو جزو دین نہیں سمجھا۔ بلکہ دنیوی کاروائی سمجھکر اُس کے دستور العمل کو اپنی رائے و اختیار پر مفوض سمجھا۔ اور چونکہ اغراض فاسد تھیں۔ اور رواج میں ذریع تھا اسلیئے ثمرہ اسکا یہ ہوا کہ ہر ہر حکم شرعی کے مقابلے میں ایک ایک کا رواج

یہ دیکھ لینا کافی تھا کہ اسکا راوی ثقہ تھی - پرہیزگار اور صادق مولوی ہے - وہ
ہمیشہ جرح و تعدیل کے قواعد وضع کرتے رہتے اور تمام واقعات کو اسی ایک کسوٹی
پر کستے رہتے تھے -

یہ ایک ایسی آواز تھی جو حکمائے یورپ کی جانب سے بلند ہوئی اور جسکو ہمارے
بعض سادہ لوح مسلمانوں نے پیغمبروں کی آواز کے برابر سمجھا - اہل یورپ کے
خیال کی ان لوگوں نے مزید تائید کی - اور بعض والسی مصنفین کی تقلید سے صرف
ابن خلدون کے متعلق خیر کے لہجہ میں تھوڑی سی وسیع الخیالی کا اظہار کیا - گویا ان لوگوں
نے ابن خلدون کو فلسفہ تاریخ کا موجد قرار دیکر اہل یورپ کے کل اعتراضوں کے جوابات
سے سبکدوشی حاصل کر لی -

ابن خلدون کی مہربانی سے اسقدر تو ہوا کہ اس فن کی ایجاد مسلمانوں کی طرف منسوب
ہوئی مگر یہ بات کہ وہ اپنی تاریخ میں عملی طور پر ان قواعد پر کاربند تھی رہا جنکی بنیاد اس نے
خود ڈالی تھی - اسے تک تسلیم نہیں کی گئی - یعنی یہ حکم بلا استثنا باقی رہا کہ مورخین
اسلام سب کے سب حاطب اللیل ہیں کہ تاریخی واقعات کے نقل کرنے میں رطب
و یابس کی کوئی تمیز نہیں -

آج ہم اسی لئے نمایاں ہوئے ہیں کہ اس عالم علم کی واقعیت پر توجہ کریں اور
اس مختصر وقت کا لحاظ کرتے ہوئے جو کہ ہمکو اس مشکل مسئلے پر غور کرنے کے لئے ملا ہے
یہ پتہ لگائیں کہ فلسفہ تاریخ کے فن میں بھی مسلمانوں نے اپنے آنے والے یورپین شاگردوں
کی کہاں تک رہنمائی کی ہے - اگر ہم اپنی اس تحقیق میں حسب دلخواہ کامیاب ہو گئے
اور مستند حوالوں سے یہ ثابت کر دیا کہ ابن خلدون سے پہلے بھی بعض مورخین نے
فلسفہ تاریخ کے اصولوں سے واقف ہو کر انپر پورا پورا اور ٹھیک ٹھیک عمل کیا ہے
تو ہمکو اہل یورپ کی غلط فہمی پر کم مگر ان خوشامدی مسلمانوں پر زیادہ افسوس ہو گا

تو کیا اس کی اصلاح ضروری نہیں ہے۔ اگر ہے تو کب اصلاح شروع ہو گی۔ کیا ان میں سے کسی امر کا انتظار ہے۔ شغل مانع۔ مرض مُثقِّل۔ موت۔ یا وحی جدید۔ سو اسکی تو امید نہیں۔ فَبِاَیِّ حَدِیثٍ بَعدَہٗ یُؤمِنُونَ ۵ اور امورِ اولیٰ کا واقع ہونا مستبعد نہیں۔ بلکہ موت تو یقینی ہے۔ مگر کیا اسوقت کچھ کر سکو گے۔

مسلمانو! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی انقلاب کی جسکا اس زمانے میں وقوع ہو رہا ہے بطور پیشین گوئی کے خبر دی تھی۔ اَلنَّاسُ[1] کَاِبِلٍ مِائَۃٍ لَا تَجِدُ فِیھَا رَاحِلَۃً۔ ورنہ وہ زمانہ تو خیریت کا تھا۔ واللہ اعلم وہو الموفق۔

کتبہ۔ اشرف علی التھانوی العلیل الجسم والروح عافاہ اللہ تعالیٰ منہما ۱۹۔ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ

فلسفۂ تاریخ اور مسلمان

اہل یورپ کو علماء اسلام سے یہ شکایت ہے کہ انھوں نے تاریخی واقعات کو درایت کے اصول سے نہیں جانچا۔ مختلف حالات کی مقتضی قوانین قدرت کی پابندی نہیں کی۔ ہر قسم کی ناممکن اور دور از کار روایات کو بے سوچے سمجھے قبول کر لیا جس کی وجہ سے اُن کی تاریخوں میں جہاں پُر نتائج تذکرے اور حکیمانہ مقولے درج ہیں وہیں الف لیلہ کے سے قصے کہانیوں اور فرضی اور بیہودہ افسانوں کا بھی ایک انبار نظر آتا ہے۔ کیا یہ اسکا نتیجہ نہیں کہ اُن کی تمام تر کوششیں روایت کی سند کے صحیح یا سقیم کرنے میں مصروف تھیں۔ اُن کے نزدیک کسی واقعے کی صحت کے لیے

---

[1] آدمیوں کی مثال اونٹوں کی سی ہے کہ سو میں ایک بھی کام کا نہیں نکلتا۔ ۱۲

کلمات استعمال کئے جس سے عام طور پر لوگوں میں برہمی پیدا ہوگئی۔ قریب تھا کہ لوگ علامہ کی ساری سرگزشت تمام کر دیں کہ علامہ دمشق سے بھاگ کر حلب پہنچ گئے۔ اور دمشق کا حاکم خبر پانیکے بعد اُن کو گرفتار نہ کر سکا۔

حلب میں بھی علامہ نے زیادہ دن قیام نہ کیا اور وہاں سے موصل کی راہ لی۔ موصل سے جاکر کچھ روز اربل میں رہے۔ اور پھر خراسان میں جاکر اقامت گزیں ہوئے یہاں اُنھوں نے تجارت کا سلسلہ پھر شروع کیا۔ اور شہر مرو کو اپنا وطن ٹھہرایا۔ مرو سے گھبرا کر نسا اور نسا سے خوارزم چلے گئے۔ سنہ ۶۱۶ھ میں جب تاتاریوں کے سیلاب نے خوارزم کا رُخ کیا تو علامہ یہاں سے بھی سر پہ پاؤں رکھکر بھاگے۔ رستے کی بے انتہا تکالیف اور مشقتیں برداشت کرکے موصل پہنچے۔ اور ایک مدت دراز تک غربت اور سختی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ پھر وہاں سے سنجار اور سنجار سے دوبارہ حلب ہی لوٹ آئے۔ اور سنہ ۶۲۶ھ میں پچاس یا اکیاون سال کی عمر میں وہیں وفات پائی۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

علامہ کی تصنیفات

علامہ نے اپنے بعد جو نادر تصنیفات چھوڑیں اون میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ ارشاد الالباء الی معرفۃ الادباء۔ اخبار الشعراء المتاخرین والقدماء۔ کتاب معجم الشعراء۔ کتاب معجم الادباء۔ کتاب المشترک وضعاً والمختلف صقعاً۔ کتاب المبدء والمآل۔ (فی التاریخ)۔ کتاب الدول۔ مجموع کلام ابی علی الفارسی۔ عنوان کتاب الاغانی۔ المقتضب فی النسب۔ کتاب اخبار المتنبی۔ کتاب معجم البلدان۔

اسوقت ہم جو کچھ لکھینگے وہ اسی اخیر کتاب سے متعلق ہوگا۔ اور اپنے مقصد کے ثبوت میں صرف اُن ہی واقعات کو پیش کیا جائیگا۔ جنکو علامہ نے اس جغرافیہ کی کتاب میں محققانہ ریمارک کے ساتھ درج کیا ہے اور وہ درحقیقت محض تاریخی

جو اہل یورپ کے دن کو رات بتلانے پر فوراً ستارے دیکھنے کے عادی بن جاتے ہیں۔

ابن خلدون سے پہلے جو مورخ گزرے ہیں اُن میں سے ہم اس وقت اپنے موضوع بحث کا خیال کرکے علامہ یاقوت بن عبد اللہ الحموی البغدادی کا نام لے سکتے ہیں جس نے تاریخی واقعات کی تصحیح و تغلیط میں اصول درایت سے کام لیتے ہوئے اپنی نہایت آزادی اور بے تعصبی کا ثبوت دیا ہے۔ اور حق کے ظاہر کرنے سے اُسکو کسی چیز نے باز نہیں رکھا۔

علامہ یاقوت کے عام حالات

یہ سُننا بھی سامعین کے لئے حیرت اور تعجب سے خالی نہ ہوگا کہ علامہ مذکور ایک رومی النسل غلام تھے۔ جو کم سنی ہی میں قید ہو کر بغداد آئے۔ اور وہاں اُنکو ایک تاجر عسکر ابن ابی نصر ابراہیم الحموی نے خرید کر اپنے متبنیوں میں داخل کر لیا۔ چونکہ عسکر لکھنا بخوبی جانتا تھا اسلئے اُسنے اپنے غلام یاقوت کو معاملات تجارت کے لکھنے پڑھنے میں دخیل بنایا۔
علامہ یاقوت نے بڑے ہو کر علم نحو اور لغت کی تحصیل کی۔ اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے مختلف مقامات کی سیاحت کا موقع پایا۔ اکثر کیش۔ عمان اور اقلیم شام کا سفر کرکے نئے نئے تجربے حاصل کئے۔ ۵۹۶ھ میں علامہ غلامی کی قید سے آزاد ہوگئے اور بطور خود اُجرت پر کتابیں لکھنی شروع کیں جس سے کتب بینی کا مذاق پیدا ہوا اور گرانقدر فوائد و معلومات حاصل کئے۔ کچھ دنوں کے بعد اُن کے آقا عسکر کا انتقال ہوگیا اور اُس کے مال میں سے دے دلا کر کچھ روپیہ ان کے بھی ہاتھ آیا۔ جس سے اُنہوں نے کتابوں کی تجارت اور سفر کی تیاری شروع کی۔ ۶۱۳ھ میں علامہ دمشق پہنچے۔ خوارج کی کتابوں کے مطالعہ سے علامہ کے دل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کامل عظمت باقی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ دمشق کے ایک بازار میں جب علامہ کا مناظرہ بعض طرفداران علی سے ہوا تو علامہ نے حضرت علی کی شان میں نامناسب و سخت

نیزہ ہو۔ یہ بُت جسطرف کو رُخ کرکے نیزہ تانتا تھا تو بادشاہ یہ سمجھ لیتا تھا کہ اس طرف سے کوئی خارجی ظاہر ہو کر حملہ کرنیوالا ہے۔ اور اکثر سُلطان کے اس خیال کی تصدیق بھی کچھ ویسے لگی تھی۔ علّامہ اِس واقعہ کو نقل کرکے لکھتے ہیں۔

قلت هكذا ذكر الخطيب وهو من المستحيل والكذب الواضح وانما يحكي مثل هذا عن سحرة مصر وطلسمات للبابلية التي اوهم الاعمار صحتها تطاول الزمان والتخيل ان المتقدمين ما كانوا بني آدم وأما الملة الاسلامية فانها تمحي عن هذه الخرافات۔ فان من المعلوم ان الحيوان الناطق لكلف الصانع لهذا التمثال لا يعلم شيئاً مما سيسأل عن هذا الجماد ولو كان سبباً مدلاً والضاً لو كان كلما توجهت الى جهة خرج منها خارجي لوجب ان لا يزال خارجي يخرج في كل وقت لانها لابد ان تتوجه الى وجه من الوجوه والله اعلم۔

میں کہتا ہوں کہ خطیب نے یہ قصّہ اسطرح بیان کیا لیکن بالکل محال وصریح جھوٹ ہے۔ طلسمات بابل۔ ساحرین مصر کے السے اس قسم کی حکایات منقول ہیں جنپر تحریر کار لوگوں کو اُستاد زمانہ اور مُرور دہور کیوجہ سے صحت کا گمان ہو گیا ہے اور اُنکو علاوہ یہ سمجھ کھا ہے کہ ہم سے پہلے لوگ شاید ہی آدم نہ تھے باقی دینِ اسلام نے ان تمام خرافات کی قلعی کھول دی ہے کیونکہ یہ امر یقینی ہے کہ انسانوں سے اس قسم کے صانع بنائے ہیں اُن باتوں کا علم نہیں ہے جو اس پیکر کے بُت کیطرف منسوب کیجاتی ہیں۔ اگرچہ وہ انسان پیمبری کیوں نہ ہو اور ویسے بھی اگر یہ قاعدہ صحیح ہو کہ جب بُت کیطرف کو رُخ کرے تو اُدھر سے ضرور کوئی خارجی ظہور پذیر ہو تو چاہیئے کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی خارجی ضرور ظاہر ہوتا رہے۔ کیونکہ اُس بُت کا کسی نہ کسی جانب متوجہ ہونا تو ہر وقت ضروری ہے۔ واللہ اعلم

دُوسری جگہ شہر تدمُر کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ تدمُر ایک پُرانی بستی شام میں حلب سے پانچ دن کی مسافت پر واقع ہے اور چونکہ وہ دنیا کی عجیب غریب تعمیرات میں سے ہے۔ اسلئے بہت لوگوں کا خیال ہے کہ اسکو قوم جنّات نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے تعمیر کیا تھا۔

ولكن الناس اذا رأوا شيئاً عجيباً جهلوا بانيه اضافوه الى سليمان والى الجن۔

مگر یہ قاعدہ ہے کہ عام لوگ کوئی عجیب عمارت دیکھتے ہیں اور اُسکے بانی کا نام معلوم نہیں ہوتا تو اُسکو قوم جن اور حضرت سلیمان

حیثیت رکھتے ہیں۔ اور سچ پوچھو تو قدیم جغرافیہ خود فن تاریخ کی ایک شاخ ہے۔

معجم البلدان اپنی نوعیت میں ایک نہایت جامع اور بےنظیر کتاب ہے۔ اور اصول درایت کا پابند رہکر واقعات کا نقل کیا جانا یہ تو اُس کا وہ امتیاز ہے جس نے ہم کو اس مضمون کے لکھنے پر آمادہ کیا۔ اور اب ہم اُس کی اسی خوبی کہ بوضاحت دکھلانا چاہتے ہیں۔

فلسفہ تاریخ نے یہ خوب ظاہر کر دیا ہے کہ واقعات کی تحقیق و تنقید میں درایت کے اصول سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے۔ درایت کا فن اب ایک مستقل فن بن گیا ہے اور اُس کے اصول اور قاعدے نہایت خوبی کے ساتھ منضبط ہو گئے ہیں۔ اُن میں سے جو اصول فی الحال ہمارے کام میں آ سکتے ہیں وہ یہ ہیں۔ (۱) واقعہ اصول عادت کی رُو سے ممکن ہے یا نہیں۔ (۲) اگر واقعہ غیر معمولی ہے تو اُسی نسبت سے ثبوت کی شہادت قوی ہے یا نہیں (۳) غائب کو حاضر پر اور حال کو گزشتہ پر قیاس کرنے کے بعد اِس واقعہ کی صحت باقی رہتی ہے یا نہیں۔ (۴) اُس زمانے میں لوگوں کا میلان اور عام خیالات کس قسم کے تھے۔ عام واقعہ کے موافق۔ یا مخالف۔ (۵) اِس کی تفتیش کہ واقعہ میں راوی کے قیاس اور رائے کا حصہ کہاں تک شامل ہے اور واقعیت کس قدر۔ (۶) اِس بات کا اندازہ کہ زمانے کے امتداد اور مختلف راویوں کے طریقۂ ادا نے روایت میں کیا کیا اور کس کس قسم کے تغیرات پیدا کر دیے ہیں۔

یہ تمام اصول فلسفہ تاریخ کے مُسلّمات میں سے ہیں۔ اور اِن کے ذریعے سے علّامہ نے بہت سے واقعات کی تصدیق و تکذیب پر روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً۔

بغداد کے تذکرے میں خطیب نے لکھا ہے کہ منصور نے ایوان پر جو قبّہ بنایا تھا اُس پر ایک بُت نصب کیا گیا تھا جسکی صورت کسی ایسے شہسوار کی سی تھی جسکے ہاتھ میں

من العلما دو کل عاد منہا منجبا من تنشا لہٗ واہ - ترکستان کے ذکر میں بعض غیر معمولی واقعات کے بعد لکھا ہے - وشہدہ احبار سطر تہا کما وجد نہا واللہ اعلم بصحتہا - غرض علامہ نے ہر ایسے واقعہ پر جو روزمرہ کے معمول کے خلاف تھا - کچھ نہ کچھ نوٹ ضرور دیا ہے مگر اس کی شہادت کے قوت وضعف کو دیکھکر - جن واقعات کی نقل پر علامہ کو وثوق نہیں تھا - اُنپر کھلے لفظوں میں صاف صاف جرح کی ہے - اور جن کی سند کسی درجے میں بھی قوی تھی اُنپر جو کچھ شبہہ کیا ہے وہ نہایت کمزور اور نرم پیرایہ میں کیا ہے - چنانچہ ہر موقعہ کے مختلف الفاظ کو دیکھکر اور ان واقعات کی سندات کا خیال کرکے ہمارے اس بیان کی تمام کامل تصدیق ہو سکتی ہے - گویا یہ اُسی اُصول کی تشریح ہے جسمیں بتلایا گیا ہے کہ اگر واقعہ کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اُسی نسبت سے اُس کے ثبوت کی شہادت قوی ہونا چاہیئے -

اب ہم کچھ تھوڑا سا بیان اُن باقی اُصولوں کے متعلق بھی کرینگے جنکی نسبت ابھی تک کچھ نہیں کہا گیا - اور جو فلسفہ تاریخ کے اہم اصول ہیں - مثلاً حسن بن ابراہیم مصری نے اسکندریہ کے حال میں لکھا ہے کہ اس شہر کی عمارات کی سفیدی اس قدر شدید تھی کہ غروب آفتاب کے بہت دیر بعد رات کے ہو نیکا احساس ہوتا تھا اور چونکہ اس قسم کی سفیدی سے نظر کو صدمہ پہنچتا ہے اسلئے اسکندریہ والے ایک ایک سیاہ کپڑا اپنے ہاتھوں میں رکھتے تھے اور لباس بھی اکثر سیاہ ہوتا تھا - رات کیوقت اگر کوئی چاہتا تو سوئی میں دھاگا پرو سکتا تھا - وغیرہ وغیرہ -

علامہ نے اس کو حالت حاضرہ اور گذشتہ کو حال پر قیاس کرتے ہوئے لکھتے ہیں -

قلت اما صفة بیاضہا فہو الی الآن موجود
فان ظاہر حیطانہم قد شاہدناہا
بصحۃ حیدہا الا البیاض الباہر لعوم

میں کہتا ہوں کہ اسکندریہ کی وہ سفیدی تو اب تک موجود ہے کیونکہ ہم نے خود اُن کی دیواروں کو مشاہدہ کیا ہے تو تمام غرباء کے مکانات کے

دیکھو۔ پہلا واقعہ چونکہ اصول عادت کی رو سے بالکل محال تھا اِسلئے علامہ نے اُس کی
کسقدر سختی کیساتھ تردید کی اور یہ بات بھی جتلا دی کہ اگلے زمانے میں لوگ کس جہالت اور
تاریکی میں پھنسے ہوئے تھے اور اِمتداد زمانہ روایات کے رد کرنے یا قبول کرنے میں کتنا
مؤثر ہے۔ دوسری عبارت میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اُسوقت لوگوں کے خیالات عام طور
پر کس قسم کے تھے اور اُن کا دل جلدی سے کسطرف مائل ہو جاتا تھا۔ اور یہی وہ اصول
ہیں جنکا ذکر ہم ایک دفعہ کر چکے ہیں۔ مگر ابھی ہم اِس بارہ میں صرف اِسی بیان پر قناعت
نہ کرینگے بلکہ اور چند نظیریں علامہ کے کلام سے ایسی دکھلائینگے جن سے یہ ثابت ہو کہ علامہ کس
حد تک اصول عادت اور قوانین فطرت کا پابند ہے۔ بابل کے تذکرہ میں ابوبکر احمد بن مروان
المالکی کی کتاب المجالس سے ایک روایت حضرت انس کی بسند کے نقل کی ہے جس میں
اخلاق حمیدہ و ذمیمہ کی تقسیم مختلف ممالک پر ایک عجیب و غریب بیان کیا گیا ہے
علامہ اُسپر لکھتے ہیں۔ وھذا خبر نقلتہ علی ما وجدتہ واللہ المستعان علیہ۔ (ترجمہ
ہم نے جسطرح پائی اُسکو اُسیطرح نقل کر دی) پھر اِسی ذیل میں بعض عجائبات کا ذکر کر کے
لکھتے ہیں۔ وھذہ الحکایۃ کما تری خارقۃ للعادات۔ بعیدۃ من المعہودات ولولا ما وجدتہا
فی کتب العلماء لما ذکرتہا۔ وجمیع اخبار الامم القدیمۃ مثلہ۔ اسکندریہ کی تاریخ میں
بعض واقعات نقل کر کے کہتے ہیں۔ وھذہ اخبار نقلناھا کما وجدناھا فی کتب العلماء
وھی بعیدۃ المسافۃ من العقل لا یؤمن بہا الا من غلب علیہ الجھل۔ جو خبریں مصر
اسکندریہ اور منارۂ اسکندریہ کے متعلق منقول ہیں اُن کی بابت لکھتے ہیں۔ واکثرھا
باطل تھاویل لا یعملہا الا جاھل۔ ولقد دخلت الاسکندریۃ وطفتھا فلم ار
فیھا ما یعجب منہ الخ۔ ذرا اور آگے چلکر لکھتے ہیں۔ واما منارۃ الاسکندریۃ فقد
ما اکثارھم فی وصفہا ومبالغتھم فی عظمہا وتھویلھم فی امرھا وکل
ذلک کذب لا یستحی حاکیہ ولا یراقب الیہ راویہ۔ ولقد شاھدتھا فی جماعۃ

دون عشرين سنة والى ان يستوفى ملكه ويجتمع له الحد وتشتد له هيبة في النفوس وتحصل له رياسة وتجربة وعقل يقبل الحكمة التي تحكى عنه يستمر الى مدة اخرى مديدة۔ فمتى اتى زمان كان سيره في البلاد وملكه لها ثم احدثه ما احدث من المدن في كل قطر منها واستحلاه المحلماء عليها۔

حاصل ہو گئی ہو کہ وہ بڑے بڑے ہمسایوں کا مقابلہ اور اپنے بڑے لشکر فراہم کر سکے۔ یا اگر کسی دلوں میں اسکی ہیبت بیٹھ جاتی ہے۔ اور اسے ریاست اور تجربہ حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر اس حکمت کا حاصل کرنا جو اسکی طرف منسوب ہے۔ ایک زمانہ دراز کا محتاج ہے۔ اتنے زمانہ کے بعد کسوقت اسنے روی زمین کا سفر کیا۔ اسے ممالک پر قابض ہوا۔ اور وہاں کے ہر حصے میں شہر آباد کرکے ہر ایک جگہ علیحدہ اور والی مقرر کئے

اسکے بعد علامہ نے تاتاریوں کے واقعہ سے اس اپنے بیان کی مزید تائید کی ہے کہ دیکھو تاتاریوں کو ملک میں امن و امان اور پولیٹیکل انتظامات کا قائم کرنا مقصود نہ تھا نہ اُن کو جب ان ملک گیری کی خواہش تھی۔ بلکہ وہ ایک سیلاب کی طرح سے آئے اور دنیائے اسلام کے تقریباً نصف حصے کو ویران کر گئے۔ مگر اُن کے اُدھر سے اِدھر نکلنے کو بھی قریب قریب تین سال کا عرصہ درکار ہوا۔ پھر اسکندر جسکا ارادہ ساری دنیا کو فتح کرکے ایک منتظم اور باقاعدہ سلطنت قائم کرنے کا تھا باوجود اُن ہوائل اور رکاوٹوں کے جن کا ذکر اوپر ہوا کیونکر اس قلیل عمر میں دنیا کے اتنے بڑے وسیع خطہ پر حکمران ہو کر مرتب اور پُر انصاف حکومت قائم کر گیا یقیناً یہ کہنا پڑیگا کہ ۳۲ سال تو سلطنت اور حکومت کی کل مدت ہو گی۔ ہمارے راویوں کا تصرف ہے کہ انھوں نے یہ زمانہ اُن کی تمام عمر کا زمانہ قرار دے لیا۔

غرض اِن دونوں عبارتوں سے جو اوپر نقل کی گئیں اِس امر کی خوب صفائی ہو گئی کہ غائب کو حاضر پر اور حال کو گذشتہ پر قیاس کرنا مؤرخ کا اصلی فرض ہے اور اُس کو یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئیے کہ روایت میں واقعہ کسقدر ہے اور راوی کا

من الصحالك وهي مع ذلك مظلمة نحو
جميع البلدان وقد شاهدنا كثيرا من البلاد
التي تنزل بها الثلوج في المنازل الشمسية
ومساعدة النجوم باشراقها عليها - اذا
اظلم الليل اظلمت كما تظلم جميع البلاد و
لا فرق بينهما - فكيف لعاقل ان يصدق
هذا او يقول به -

سب کو سفید پایا گویا وجود اسکے رات کو ویسا
ہی اندھیرا پایا جیساکہ دوسرے شہروں میں۔ اسکے علاوہ
ہم نے ایسے شہر بھی دیکھے جہاں جنگل اور آبادی میں کثرت سے
برف گرتی ہے اور رات کے ستارے اسی چمک سے برف کی
سفیدی کو امداد بھی پہنچاتے ہیں مگر جب رات ہوتی ہے تو تمام
ممالک کی طرح وہاں بھی ویسی ہی تاریکی اور ظلمت ہوتی ہے
بھلا ایسی قصّے کوئی عاقل کیونکر حسن ظن رکھ کے ان کی تصدیق کر سکتا ہے

اسکندریہ کے ذکر میں اہل سیر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اسکندر رومی نے بہت بادشاہوں
کو قتل اور بہتوں کو مغلوب کیا۔ اقصائے چین تک تمام شہروں کو روند ڈالا۔ سدّ سکندری
قائم کی۔ ہر ہر جگہ خلافت اور عدل و انصاف کے دستور العمل جاری کئے۔ اور بڑے بڑے
عظیم الشان کارنامے چھوڑے۔ حالانکہ سکندر کی کل عمر ۳۲ سال ۷ ماہ کی تھی۔ اہل سیر علاوہ تحریر فرماتے ہیں

قال مؤلف الكتاب وهذا ان صح فهو عجيبة
خارق للعادات والذي اظنه والله
اعلم ان مدة ملكه او مدة بعد كونه
العلماء غير ذلك من سنه فان تطواف
الارض بسير الجنود مع ثقل حركتها
لاحتياجها في كل منزل الى تحصيل الاقوات
والعلوفة ومصابرة من يمتنع عليه من
اصحاب الحصون يفتقر الى زمان غير
زمان السير ومن المحال ان يكون له
همة يقاوم بها الملوك العظماء وعمره

عجیب نہ ہو یعنی اگر یہ قول صحیح ہو تو سنت ہی عجیب اور
خلاف عادت ہے میرا خیال تو یہ ہے کہ یہ مدت اسکی
حکومت اور تسلط کی ہے اور اس سے پہلے کی حقیقی
عمر کو علماء نے محسوس نہیں کیا۔ کیونکہ ساری زمین کا
لشکر کشی کے ساتھ طواف کرنا ہر ہر منزل پر تمام لشکر
کے لئے کھانے پینے اور گھاس دانہ کا مہیا کرنا۔ بڑے
بڑے مستحکم قلعہ والوں کے مقابلہ پر صبر کرنا وغیرہ وغیرہ۔
ان باتوں کے لئے ایک زمانہ نقل و حرکت اور قطع مسافت
کے زمانے کے علاوہ چاہئے۔ پھر یہ بھی محال ہے
کہ بیس سال کی عمر سے کم میں سکندر کو وہ ہمت

اُردو زبان کی نہایت مفید و متبرک اور اسلامی کتابیں

فتاویٰ محمودی معہ شرح دیوبندی ہر دو حصہ

صحابہ رضی اللہ عنہم کے استفتا کے جوابات جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم عطا فرما کر اُنکی تسلی فرمادیا کرتے تھے اور وہ حضرات نہایت خوشی سے
اُن پر عمل کر کے فلاح دارین حاصل کرتے تھے اس قسم کے ایسے فتاویٰ
کو نہایت معتبر و مستند کتب اسلامیہ سے انتخاب کر کے حضرت مولانا محمود
محمود الحسن صاحب محدث و مفتی مدرسہ
دیوبند کے ایک خاص شاگرد نے اُردو میں ترجمہ کر کے جمع کر دیا ہے اور
ہر استفتا و جواب کے بعد اس کتاب کا نام بھی لکھ دیا ہے جس سے
وہ فتویٰ نقل کیا ہے حصہ دوم میں وہ استفتا درج ہیں جنکے
جوابات صحابہ و تابعین سے منقول ہیں ہر دو حصہ کے ہر ایک استفتا
و جواب کی نہایت سلیس شرح عام فہم اردو میں کی ہے اس
شرح میں عمدہ عمدہ فوائد اور علمی نوادر بیان کیے ہیں اور مسائل ضروری
و کار آمد معتبر و مستند کتب فقہ سے درج کر دیے ہیں اچھے کاغذ
پر نہایت صحیح اور صاف چھپی ہے قیمت ۸؍

الجواب المتین باحادیث سید المرسلین

حضرت شاہ عبد العزیز اور مولانا محمد اسحٰق صاحب رحمہما اللہ وغیرہ کے
فتاویٰ تو ملاحظہ فرمائے ہوں گے لیکن فتاویٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نظر سے نہ گزرا ہوگا۔ اس مبارک اور مستند کتاب میں قریب
ایک سو پچاس سوالات کے جواب صحیح اور صاف حدیث سے دیے گئے ہیں
ایک سوال قائم کر کے اول اُسکا جواب نہایت معتبر و مستند کتب فقہ سے
دیا ہے اُسکے بعد ایک (بلکہ بعض جگہ دو تین چار) ایسی صاف و صریح
حدیث پیش کی ہے جس سے وہی جواب ایسی سہولت سے سمجھ
میں آتا ہے کہ ہر ایک اُردو خواں بلا تکلف سمجھ سکتا ہے۔ ترجمہ
حدیث کے بعد دو دو تین تین بلکہ بعض جگہ چار چار شہادتیں معتبر
کتب حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے۔ حدیث کی کتابوں کے ترجمہ میں
ناواقفوں کی غلط فہمی کا اندیشہ رہتا تھا وہ اس میں نہیں بعض بزرگوں
سے اجازت لیکر اس جدید و مفید دلچسپ طرز پر حال ہی میں جناب
مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی نے یہ کتاب
مرتب فرمائی ہے معاملات عبادات متفرقات ہر قسم کے مسائل
اس میں موجود ہیں ملاحظہ فرمانے سے معلوم ہوگا کہ مولف صاحب
نے کتب حدیث و فقہ کی ورق گردانی میں کس قدر مشقت اٹھا کر یہ
حدیث و فقہ کا بے بہا ذخیرہ جمع کیا ہے۔ عام اُردو خوان اہل
اسلام کے علاوہ اہل علم اور جدید روشنی کے تعلیم یافتہ بھی
اسکے ملاحظہ سے مسرور ہوں گے تمام سوالات کے جوابات میں
صحیح حدیث لکھی گئی ہے قیمت پانچ آنہ ۵؍

حیات خضر علیہ السلام معہ ضمیمہ وفضل المتعال

وحالات الیاس و دانیال آپکے متبرک حالات کو حال میں مولانا
سید اصغر حسین صاحب دیوبندی نے حدیث و تفسیر و
تاریخ کی عالیشان و معتبر کتابوں سے اُردو زبان میں جمع کیا ہے
آپکے نام نسب نبوت وغیرہ کے تمام اختلافات کو بیان کر کے معتبر
اور قول صحیح بیان کیا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات و دیگر
کا قصہ خضر علیہ السلام سے بعض صحابہ کی ملاقات اور بعض روایات
کا ذکر کیا ہے حضرت خضر کے حالات کے ضمن میں ذی القرنین یا
یاجوج ماجوج وغیرہ کے حالات بھی نہایت واضح طور سے مذکور
ہوئے ہیں جسکی وجہ سے کتاب کی دلچسپی بڑھ گئی ہے۔ کوئی مسلمان
ہوگا جسکو اسکی زیارت کا اشتیاق نہ ہو قیمت چار آنے ۴؍

تصرّفِ یا قیاس کسقدر۔

اب ہم اِس مضمون کو یہیں تمام کئے دیتے ہیں۔ کیونکہ جو کچھ یہاں ہم نے بسبیلِ اجمال لکھا ہے اُس سے کافی اندازہ ہوسکتا ہے کہ اہلِ یورپ نے فلسفۂ تاریخ کے جو مہمات اصول مقرر کئے ہیں وہ اب سے بہت پہلے اسلام کے ایک رومی غلام نے عملی صورت میں ظاہر کر دیئے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کسی قسم کی سعادت اور بزرگی بھی حرّیت اور غلامی پر موقوف نہیں ہے۔

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم | ز خاکِ مکہ ابوجہل این چہ بوالعجبی ست

شبیر احمد عثمانی۔

(نوٹ) اِس مضمون میں ہم نے صرف یہ جتلایا ہے کہ فلسفۂ تاریخ کے موجودہ اُصول مسلمان پہلے سے لکھ چکے ہیں۔ مگر یہ بات کہ آیا فی الواقع یہ اُصول صحیح بھی ہیں یا نہیں اسکو ہم اگلے نمبر میں تفصیل دکھلائینگے۔

ترجمہ نکیر صاف مطلب اور شرح اسکے اور ہر حدیث کے متعلق
ضروری و کارآمد مسائل عمدگی سے لکھے گئے ہیں جن میں
کسی سنی شیعی کو اختلاف نہیں ہو سکتا عالم و جاہل و درویش
جس نے اس کتاب کو دیکھا پسند کیا ہے مطبع نور المطابع کانپور میں
بڑی تقطیع کے ۱۷۰ صفحوں پر نہایت عمدہ بہت صحیح صاف
چھپا ہے قیمت نفع عام کے لئے نہایت ہی ارزان گویا مفت
یعنی صرف ڈیڑھ آنہ

رسالہ آخرت - چار ورق کا نہایت مفید رسالہ - اسپر مولانا
اشرف علی صاحب اور علماء دیوبند اور دہلی کی تصدیقیں
علما کی تصدیق و دستخط ہیں قیمت ایک پیسہ جو حضرات بغرض
ثواب تقسیم کرنا چاہیں ان سے بیس رسالوں کی قیمت صرف [illegible]

علم الاولین - یہ ایک نہایت عمدہ و لطیف کتاب ہے اردو
میں اس مضمون پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ایک عربی رسالہ
کی اعلیٰ تصنیف کا نہایت عمدہ و آزاد ترجمہ ہے بعض جگہ مترجم
صاحب نے اپنی طرف سے عمدہ فوائد لکھکر اس کتاب کو اور مفید بنا
دیا ہے اس میں ہر ایک کام کی ابتدا کرنیوالے کو بیان کیا ہے
مثلاً سب سے اول خدا تعالیٰ نے کس چیز کو پیدا فرمایا دنیا میں پہلے
کون سا درخت پیدا ہوا قرآن مجید پر اول نقطے کس نے لگائے
اعراب کس نے لگائے خانہ کعبہ کو اول غلاف کس نے پہنایا اسی
قسم سوال و جواب سے رسالہ بھرا ہوا ہے عالم ہو یا ناواقف کوئی
ایسا نہیں جسکو اس کتاب سے دلچسپی نہ ہو آخر میں مولف صاحب نے
اپنی طرف سے نہایت ضروری اور کارآمد مسائل پاکی ناپاکی کھانے
پینے اور عام معاملات کے متعلق تحریر کئے ہیں قیمت - اس مختصر
رسالے کی گران معلوم ہوتی ہے لیکن مضمون کی خوبی دیکھنے کے بعد ۲ کو ہی
اور ارزاں ہے قیمت ۱ /

تعبیر نامہ حصہ اول - اردو جاننے والے لوگوں کے لئے
امام محمد بن سیرین کے عربی تعبیر نامہ کا خلاصہ بہت ہی صاف
اور کارآمد لکھا گیا ہے جس میں خواب کے اندر انبیا اولیا ملائکہ کو
دیکھنے کا اور آسمان چاند سورج مسجد مکان قبرستان کو خواب میں
دیکھنا مردوں کو دیکھنا شادی اولاد دیکھنا جانوروں اور چرند پرند کو
دیکھنا اور سینکڑوں امر بیان کئے گئے ہیں جا بجا مولف کی طرف سے
فوائد بیشمار ہیں نہایت عمدہ دیباچہ اور آخر میں خواب کے متعلق
حکایات خاتمہ پر لکھی ہیں کہ تعلق ایک ضروری و مفید فتوے
درج ہے اس مختصر اور جامع رسالے کی تقطیع بڑی خط باریک
کاغذ عمدہ ہے خوبی دیکھنے پر موقوف ہے

**حصہ دوم تعبیر نامہ یعنی (جامع المعلومات
در بیان تعبیر و عجائبات)** قیمت ہر دو حصہ ایک آنہ

تحفۃ الصائمین - جس میں رمضان کی فضیلت روزے
کے متعلق تمام مسائل - خصوصاً اعتکاف وتر تراویح سحری افطار
شب قدر عید صدقۃ الفطر رویت ہلال ایک روزے
واجب ہونیکا مسئلہ وغیرہ تمام ضروری باتوں کا بیان نہایت
سلیس عام فہم مختصر قابل دید ہے یہ مضمون ٹریکٹ اب جدید مرتبہ
چھپا ہے لیکن قیمت بدستور سابق ایک آنہ

میراث المسلمین - فرائض مسلمانوں کا ایک نہایت ضروری
اور قابل قدر علم ہے جسکی نسبت رسول کریم علیہ التسلیم فرماتے ہیں کہ دو
فرائض کو سیکھو وہ آدھا علم ہے اور ہر شخص کو اسکی ضرورت پڑتی ہے
مگر افسوس کہ اس زمانہ میں اہل اسلام اس سے بہت ہی بے خبر
اور غافل ہیں عوام کا کیا ذکر ہے بعض علماء بھی پوری طرح سے

یہ کتابیں **مولوی اصغر حسین صاحب** مدرس مدرسہ اسلامیہ دیوبند تالیف [illegible] فرمائے

القول المتین فی الاقامۃ والتاذین اس رسالے میں اذان کی ابتدا اسکی حقیقت اور فضائل اور نہایت کارآمد اور مفید مسائل مسجد نبوی کی تعمیر کا مفصل حال اذان جاری ہونیکی دلیل مفصل کیفیت اعتراض کا جواب اذان کے ثواب کی تفصیل اور صحیح و عجیب روایات رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے چاروں مؤذنوں کا ذکر ہے اخیر میں مسائل ضروریہ اور مضامین احادیث کے اردو اشعار ہیں - مدرسہ اسلامیہ دیوبند کے صدر اعلیٰ مدرسہ اور مفتی صاحب مدرسہ نے اس رسالے کی تصدیق و تصحیح فرمائی ہے - اردو زبان میں ایسا رسالہ آجتک نظر سے نہیں گذرا قیمت نفع عام کے لیئے صرف سوا آنہ مقرر ہے ۱ر

گلزار سنت اس رسالے میں کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے سونے جاگنے چلنے پھرنے لباس نکاح وغیرہ کے متعلق تمام باتوں میں طریقہ سنت کو بتلایا - یہ خوبی دیکھنے پر موقوف ہے عام فہم اردو صاف صاف اسکا پڑھنا اور عمل کرنا باعث نجات ہے قیمت ار

تعبیر صادق - حدیث شریف کا تعبیر نامہ یعنی اور رسالہ بابت تعبیر خوابکے متعلق صحیح روایات بیان کی ہیں اور نصیحتیں اور ترکیبیں سب حدیث کی ہیں مولانا رحمت اللہ جونپوری نے تالیف فرمایا ہے قیمت ار

رحمت رضوان حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کی مختصر سوانح عمری نہایت عام فہم اور صاف کم استعداد و ناواقف حنفیوں کے لیئے ازحد مفید ہے مخالفوں کے اعتراضوں کا جواب آخر میں تین بابوں کا حال قیمت

مولوی مثنوی - کون ایسا عالم ہے جسنے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی نہ دیکھی ہو اور کون ایسا شخص ہے جسنے آپکی کتاب دیکھی ہو آپکے نام سے واقف نہ ہو اور کون مسلمان ہے جسکو مولانا سے محبت نہ ہو - مگر آپکے حالات بہت کم لوگوں کو معلوم تھے الحمد للہ کہ آپکے حالات اردو میں نہایت صاف اور سلیس طرز اور عمدہ ترتیب سے لکھے گئے ہیں آپکا نام نسب ولادت آپکے والد کا حال آپکا ترک وطن ظاہری و باطنی تعلیم - شادی اور اولاد آپکی صاحبزادہ علاء الدین و بہاء الدین کا حال - مولانا کا فضل و کمال آپکے مرشد حضرت شمس تبریزی اور سید برہان الدین ترمذی کا حال مثنوی کسطرح لکھی گئی اور اسکی اکثر شروح کا حال کلمات نصائح کشف و کرامات عادات و وفات آپکے خلیفہ حضرت حسام الدین اور مولانا صلاح الدین کا حال وغیرہ تمام امور واضح طور سے بیان کیئے گئے ہیں اور آخر میں شیخ سعدی و خواجہ فریدالدین عطار حکیم سنائی شیخ صدرالدین قونوی شیخ بہاء الدین بابا کمال خجندی حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی شیخ فخرالدین عراقی شیخ اوحدالدین رحمۃ اللہ علیہم کا مستقل تذکرہ مفصل بیان کیا گیا ہے قیمت مطبوعہ سابق جلی قلم ۱۲ر مطبوعہ حال یہ صرف ۳ر عبارت و مضمون ہر دو کا ایک سا ہے صرف خط و قلم کا فرق ہے -

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص چالیس حدیثیں میری امت کو سنا دیگا اور یاد کرا دیگا وہ قیامت کو علماء اور شہیدوں کے ساتھ اٹھایا جاویگا - اس بشارت کو سنکر اکثر بزرگوں نے بصد ہا علماء نے خلوص اور خوبی سے چالیس حدیثیں اسکے انتخاب کی طرح جمع کی ہیں مگر وہ صرف علماء کے کارآمد ہو سکی ہیں عوام کو امید نہیں لہذا جدید طرز پر مولانا سید **اصغر حسین** صاحب دیوبندی نے ایک رسالہ چہل حدیث تالیف فرمایا ہے جسمیں ہر حدیث عربی خط سے چھاپا ہوا ہے

یہ سب کتابیں مولوی سید اصغر حسین صاحب مدرسہ اسلامیہ دیوبند ضلع سہارنپور سے طلب کیجائیں

مفید الوارثین

شرح میراث المسلمین

میراث المسلمین کو جس شخص نے دیکھا نہایت پسند کیا اور بڑے بڑے علما نے اُسکے مضامین کی تصدیق و تعریف فرمائی لیکن اکثر حضرات نے فرمایا کہ مضمون کسیقدر بڑھا دیے جائیں تو نہایت مناسب ہو اسلیے مؤلف صاحب نے بہت محنت و سعی سے ایک نہایت مفصل اور طویل عام فہم مستقل رسالہ علم فرائض میں تصنیف فرمایا۔ میراث المسلمین کے تمام مضامین کو کامل تشریح اور وضاحت سے لکھا ہے کے علاوہ علم فرائض کے فضائل اُسکی حقیقت اسلام سے پہلے میراث تقسیم ہونیکا دستور میراث کی ابتدا اُسکے احکام نازل ہونیکے قصے۔ تجہیز و تکفین کا بیان۔ مرض کے اقرار وصیت و قرض و طلاق و مہر وغیرہ کا ایسا مفصل بیان جو کسی اردو کتاب میں موجود نہیں۔ تمام ذوی الفروض کے مفصل حصے اور میراث جدات (یعنی نانی دادی) کی بہمثیل تفصیل و تشریح مع عام فہم نقشوں اور فہرستوں کے بعض علمی فائدے مثلاً والدہ کا حصہ والد سے کم کیوں؟ جا بجا عام فہم مثالیں عصبات کی تفصیل اور نقشے ہر قسم کے وارثوں کا نقشہ مع دلیل شرعی۔ ذوالارحام کے مختصر صاف اور عام فہم نقشے اور شجرے۔ شریک اور مستقل وارثوں کا بیان حاجب محجوب مفقود موجود محروم وغیرہ کا مستقل بیان۔ ہر ایک وارث کے حالات کو تین تین دفعہ مختلف طریقوں سے سمجھا دیا ہے تاکہ بہت کم استعداد کے مسلمانوں کو بھی نفع پہنچے۔ نقشے نہایت محنت سے مرتب کرکے لگائے ہیں معمولی استعداد کا شخص اسکے مطالعہ سے ہزارہا مسائل بتلانے پر قادر ہو جاتا ہے طالب علمان عربی کے لیے بھی یہ کتاب بہت مفید ہے۔ تمام قواعد اور مسئلے نکالنے کا طریقہ اس سے بسہولت معلوم ہو سکتا ہے۔

اس کتاب کے جیبی حصے ہیں اور کل ملکے ایک جگہ ۲۳۲ صفحہ پر عمدہ کاغذ پر طبع کیے گئے ہیں قیمت ایک روپیہ .. .. (عہ)

واقف ہیں بعض دفعہ چھوٹی چھوٹی باتوں کے دریافت کرنیکے لیئے
بھی لوگوں کو بہت پریشانی ہوتی ہے اگر کسی کو کوئی مسئلہ
دریافت کرنا ہوتا تو اپنا حرج کر کے دوسری جگہ جانا پڑتا ہے اور بڑی دقت پیش
آتی ہے کیونکہ اردو میں اس بارے کی کتابیں موجود نہیں اور اگر وہ جاری رہتے ہیں بھی
تو وہ صرف انہیں لوگوں کے کام آسکتے ہیں جو خود عالم ہیں یا
علماء سے پڑھ کر سمجھیں۔

الحمدللہ کہ حال میں مولانا سید اصغر حسین صاحب
دیوبندی نے ایک عام فہم رسالہ اردو میں تالیف فرمایا ہے جس میں
میراث اور وصیت کے قواعد وصیت کے مسائل جائداد کو منتقل
کرنیکا بیان اولاد یا زوجہ کو زندگی میں جائداد دینے کے مسائل۔
گم شدہ کا حکم حمل کا حصہ وغیرہ موجود ہیں جس سے ہر ایک عام
اردو داں بلا کسی کی مدد کے تمام مسائل میراث دریافت کر سکتا ہے
و فرائض بخوبی بتلا سکتا ہے یہ کتاب قرآن حدیث و فقہ و فرائض کی
نہایت معتبر کتابوں سے لکھی گئی ہے اور آخر میں تمام مسائل
کی تصدیق و تصحیح کیلئے مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند کے مفتی
صاحب حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب اور مولانا اشرف علی
صاحب دام فیضہم نے تقریظ لکھکر عمدہ رائے ظاہر فرمائی ہے اور مہر و دستخط
کئے ہیں اس کے ساتھ مشہور و معروف علما نے مہر و دستخط فرمادیئے ہیں
جس سے یہ کتاب نہایت بیش بہا اور معتبر ہو گئی ہے تمام اہل جائداد
اور ناواقف اہل مقدمات اور وکلاء و عام مسلمانوں کیلئے بلکہ مبتدی
طلبہ کے لیئے بھی مفید ہے عدالت میں اس کے مسائل بطور سند پیش
ہو سکتے ہیں چوتھی مرتبہ مضامین بڑھا کر نہایت خوبصورت چھپائی
گئی ہے اور قیمت صرف تین آنہ ہے ۳/

الصراحات یعنی [illegible] کا بیان (جو ... رحیمہ

ذیل چار رسالوں کا تذکرہ ہے

درۃ الرسول یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ حضرت
حلیمہ سعدیہ کے حالات جس میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی
طفولیت کے زمانہ کے حالات اور آپکی دعا اور حسن خلق کو بھی لکھا گیا
ہے زوجۂ مطہرہ - یعنی رسول مقبول صلعم کی سب سے بڑی بی بی
خدیجہؓ کے حالات نہایت تحقیق سے لکھے گئے ہیں اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد کا ذکر بھی نہایت تفصیل و تحقیق سے کیا گیا
صدیقہ یعنی حضرت عائشہؓ کے حالات زندگی اور انکا علم و فضل
اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کی تفصیلی واقعات
بضعۃ الرسول - جگر گوشہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یعنی
حضرت فاطمہؓ کے حالات لسانہ آپکی شادی کا حال اولاد کی تفصیل
وفات کا صدمہ یہ تمام حالات نہایت صحیح اور معتبر روایتوں سے جناب
مولوی سید اصغر حسین صاحب دیوبندی نے جمع فرمائے ہیں
عام کتابوں کی طرح غیر معتبر روایتوں کو دخل نہیں دیا یہ حالات اگرچہ آپکو
دوسری کتابوں میں ملاحظہ فرمائے ہونگے لیکن اسکی جامعیت اور صفائی
اور دلپسند طرز بیان ہو میاں ایسا دیکھئے کہ ہر شخص کو لطف آتا ہے عبارت
ایسی سلیس و بامحاورہ ہے کہ لڑکے اور عورتیں بھی اسکو پڑھکر استفادہ
کر سکتی ہیں جس جگہ کسی شخص یا مقام کا نام آیا ہے حاشیہ پر اسکی
پوری تشریح کر دی ہے چنانچہ صحابہ و تابعین میں حضرت ابوہریرہ
عمرو بن العاص عثمان بن مظعون - زبیر عبداللہ بن زبیر حفصہ -
اسماء عطاء عروہ وغیرہ رضی اللہ عنہم کا مختصر تذکرہ اور [illegible]
بقیع کی تشریح اور بناء کعبہ کا مختصر حال موجود ہے زیادہ تعریف فضول ہے خوبی
دیکھنے پر موقوف ہے - باینہمہ اوصاف قیمت ہر یک رسالہ دیگر کے چار آنہ
مفید الوارثین - کا عمدہ اعلیٰ ہر یک رسالہ دیگر قیمت ایک روپیہ عہ/

مولوی سید اصغر حسین صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ دیوبند ضلع سہارنپور سے طلب فرمائیے

(رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی ماہوار رسالہ

جلد ۴ | بابت ماہ رجب المرجب ۱۳۳۲ھ | نمبر ۱۲

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

مطبع قاسمی واقع دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپوایا

قصد السبیل

حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہم العالی نے اس کتاب میں سیدھا سادہ سچا اسلامی تصوف آسان طرز میں کھلایا ہے۔ چار قسم کے آدمیوں کے لیے علیحدہ علیحدہ چار قسم کا نہایت سہل مختصر طریق عمل بیان کیا ہے یعنی عالم مشغول بکاروبار۔ عالم بیکار۔ عامی مشغول بکاروبار۔ عامی بیکار وفارغ چاروں کے لیے جدا جدا ہدایت فرمائی ہے اور نہایت ہی جامع مختصر قابل قدر مفید نکتے بیان فرماتے ہیں جو سالہا سال بزرگوں کی غلامی سے حاصل ہوتے ہیں۔ مولانا صاحب مدظلہم فرماتے تھے کہ جب سے یہ کتاب طبع ہوئی ہے بعض مخلصوں (یعنی مریدوں) نے خط و کتابت کم کر دی اور لکھا کہ اب جناب کو زیادہ تکلیف دینے کی ضرورت نہیں رہی جو کچھ شبہ ہوتا ہے اسی سے رفع ہو جاتا ہے فی الحقیقت دریا بکوزہ کا اصلی مصداق ہے۔ اسلیے یہ احقر دل سے چاہتا ہے کہ ہر مسلمان کے پاس اسکا ایک ایک نسخہ پہنچ جائے خصوصاً ان صاحبوں کے پاس جو ہمارے بزرگوں سے علاقہ رکھنے والے ہیں۔ اسی لیے حسب استطاعت احقر نے اسکو مفت بھی تقسیم کیا ہے اور جو لوگ حضرت مولانا مدظلہم اور دیگر بزرگان سے عقیدت و انتساب رکھتے ہیں انکی خدمت میں عرض ہے کہ حتی الوسع اس کی اشاعت میں سعی فرماویں جسقدر نسخے خرید کر دوستوں کو بطور تحفہ اور غریب مسلمانوں کو بطور خیرات تقسیم کریں اتنی وسعت نہو تو دوسروں کو خریدنے کی ترغیب دیں قیمت اسکی ڈیڑھ آنہ (۱ر) ہے۔ لیکن جو صاحب تقسیم کرنیکے لیے خرید فرمائینگے انکو صرف ایک روپیہ میں ۱۶ نسخے بھیجدیے جائینگے۔ خرچہ ڈاک جو تقریباً ۳ر ہوگا بالکل معاف رہیگا۔

الراقم ——— مریدہ

سید اصغر حسین عفی عنہ۔ مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بقیہ حالات وفد ڈھاکہ

نقل تحریر بجانب دار العلوم دیوبند جو عالیجناب نواب صاحب کی
خدمت میں پیش کی گئی جسکو مولوی شبیر احمد صاحب نے
حسب ایماء مہتمم صاحب دار العلوم پڑھکر
جلسہ میں سنایا۔

بہ پیشگاہ عالیجاہ رفعت مآب معظم۔ جناب مربی علوم اسلامیہ حامی الاسلام و المسلمین
نواب سر خواجہ محمد سلیم اللہ خاں صاحب بہادر ادام اللہ اقبالہم و اسلالہم
بندہ مہتمم دار العلوم دیوبند اور جملہ اصحاب شوریٰ کارکنان و فدا اولاً بصد مسرت و امتنان جناب والا کی اس
غریب نوازی اور مرتبہ افزائی کا کمال صدقِ دل اور اخلاص نیت کے ساتھ شکریہ ادا کر کے عرض کرتے
ہیں جو محض ایک اسلامی جذبہ اور خالص دینی تحریک سے متاثر ہو کر آجکی مبارک تاریخ اور ہمایوں
ساعت میں جناب والا کی طرف سے ظہور پذیر ہوئی ہے۔ اور کچھ بیجا نہ ہوگا اگر ہم بھی اسوقت وہی
عرض کریں جو حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہارون رشید سے فرمایا تھا۔ کہ

اعز اللہ الامیر۔ ان ہذا العلم منکم خرج۔ فان اعززتموہ عز۔ وان اذللتموہ ذل

(خدا تعالیٰ امیر کی عزت بڑھائے۔ یہ علم تم سے ہی ظاہر ہوا ہے اگر تم ہی خود اسکی عزت کروگے تو وہ
معزز ہوگا۔ اور اگر تم ہی ذلیل کروگے تو ذلیل ہوگا۔)

جناب والا ہم یہ نہیں چاہتے کہ آنجناب کی اُن مساعی جمیلہ اور توجہات منتقصہ کا ذکر کریں جنکا اعتقاد آپکی
نسبت ہمارے دار العلوم کے بارے میں ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو نمایاں طور پر حاصل ہو چکا ہے۔ اپنی اس تحریر کو

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ رجب المرجب ۱۳۳۲ھ

(مطابق ماہ جون ۱۹۱۴ء)

جو حضرت مولانا محمود حسن صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

اور

مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند

کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے۔

القاسم ماہ رجب ۱۳۳۲ ہجری

جن حضرات کا سال خریداری رجب میں ختم ہوتا ہے انکی خدمت میں ماہ شعبان کا القاسم بذریعہ وی پی ارسال ہوگا جو حضرات بذریعہ منی آڈر قیمت روانہ فرماویں وہ براہ مہربانی پہلے اطلاع فرمادیں کہ انکی خدمت میں وی پی روانہ نکیا جاوے ورنہ کارخانہ کو زیرباری ہوگی۔

اطلاع } القاسم کی چاروں سال کی مکمل جلدیں موجود ہیں دفتر القاسم سے دو روپیہ ۹ آنہ فی جلد کے حساب سے ملسکتی ہیں۔

خواہ مخواہ طویل ہیں یا اُن سست پذیری کے اظہار میں جو سنہ گاہارے ذمہ لازم کہ کبھی
دربار کار اسرار اُن الفاظ سے کام لیکر عبارت کے انار رنگینی اور دل آوری پیدا کرنیکی فضو
[illegible] کریں تاکہ ہمارے خیال میں یہی بہتر ہے کہ ہمارے قال سے زیادہ ہمارا حال اور ہما
زبان [illegible] ہمارا دل اور ہمارے قلم سے زیادہ ہمارے دست و پا اُس سچی شکرگزاری کی ط
رہیں [illegible] سے لمبی عبارتوں میں بھی صحیح اور کافی طور پیدا نہیں ہو سکتی۔

ابھی حال [illegible] جبکہ ہمارا دیوبند سے ڈھاکہ کا سفر تقریباً اُسی نیت پر مبنی ہے جو امام عمر الو
رضی اللہ عنہ [illegible] سے مراکش کا سفر کرنے میں مضمر تھی جبکہ اُنھوں نے یہ سُنا تھا کہ مصر
بادشاہ متبع سنت مروج شعائر دین اور علم و اہل علم کا قدر دان ہے تو ہم باد [illegible] اجازت چاہتے
کہ دارالعلوم کی بنا و قیام کی نہایت مختصر کیفیت اور اُس کے مقاصد کے متعلق چند ضروری
جناب والا کی [illegible] عرض کر دئے جائیں تاکہ ہماری اس نیت کی پوری تکمیل ہو سکے

جناب والا [illegible] کو معلوم ہے کہ جس وقت تمام عالم میں جہالت اور مخلوق پرستی کی
گھٹا ٹوپ اندھیری چھا رہی تھی اور اوہام کی تاریکیوں میں سچے یقین کا راستہ ملنا محال ہو رہا
[illegible] نبی عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس شان سے دنیا میں ظہور ہوا کہ آپ
دائیں پہلو میں خدا کی روشن کتاب اور بائیں پہلو میں ایک نہایت پاکیزہ اور نورانی دل
ہوئے تھے۔ گویا آپ کی ایک ہتھیلی پر ایسا چاند اور دوسری پر ایسا سورج رکھا ہوا تھا کہ نہ چا
اپنی نور افشانی اور جلوہ افروزی میں سورج کے غروب ہونیکا انتظار کرنا پڑتا تھا اور نہ سورج
[illegible] شعاعیں چاند کی روشنی کو مضمحل بنا دیتی تھیں۔ اس چاند کی دھیمی اور ٹھنڈی چاندنی
سورج کی تیز اور گرم شعاعوں نے ملکر کچھ اس قسم کا معتدل نور پیدا کیا کہ جس سے ایک طرف
تمام عالم کے ظلمتکدے جگمگا اُٹھے۔ اور دوسری طرف سے شپرہ چشموں کی آنکھوں کو اُس کی
چمک چوندھ نے خیرہ بنا دیا۔

جیسا کہ قاعدہ ہے کہ آفتاب جوں جوں افق سے بلند ہوتا ہے ووں ووں اُسکے پرتو [illegible]
سے دنیا کی چیزیں بیش از بیش وسعت کے ساتھ منور ہوتی جاتی ہیں۔ اسی طرح اسلام کو جیسے
عروج حاصل ہونا شروع ہوا۔ تو اُسکی شعاعیں بھی جزیرہ نمائے عرب سے نکلکر دنیا کے ہر ایک تیرہ و تار

اسلام کے متعلق جسقدر اعتراضات عقل کی رو سے ہو سکتے ہیں وہ سب ہم حل کرینگے اور بتلا دینگے
کہ دنیا کا کوئی مذہب عقل کے پیمانے پر صحیح اُتر سکتا ہے تو وہ ایک مذہب اسلام ہے۔

یہ علم کلام تدریج نشو و نما پاتا رہا اور ہر ایک زمانہ میں اسلام پر سے ہر قسم کے شکوک و شبہات
کے دور کرنے کی اُسنے ضمانت کی۔ اور آخر کار امام غزالی۔ امام رازی اور شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ جیسے
بزرگوں کے مقدس ہاتوں نے زمانہ کی سخت سے سخت صعوبتیں برداشت کر کے اپنے اپنے زمانہ
کے طرز استدلال کے موافق اُسکو معراج کمال پر پہونچا دیا۔

جناب والا۔ اسکے بعد ہماری اس وقت سے تقریباً نصف صدی پہلے ایک اور دورسے رجوع
ہوا جسمیں وہ حاملین مذہب جو اسلام کیواسطے سپر بنتے تھے ایک ایک دو دو کر کے اٹھنے لگے اور
اُن کی جگہ جاہلوں نے دنیا شروع کردی۔ ادہر نفسانی خواہشات میں پڑکر دینی بھی لوگوں کے
دلوں میں اسلامی علوم کا کامل احترام نہ رہا۔ روحانیت اور تزکیہ نفس کے طریقے فراموش ہونے لگے
قوم کے دلوں میں سے اہل فضل و کمال کی قدردانی کا مضمون کم ہو گیا۔ اور سلاطین اسلام کی حوصلہ
افزائیاں جنسے علماء کی مصائب و تکالیف کی فی الجملہ مکافات ہو جاتی تھی بالکل باقی نہیں بلکہ
وہ خود سلاطین ہی باقی نہ رہے۔

آخر ایسے خطرناک اور نازک وقت میں پھر ہمارے مہربان خدا نے اپنے بندوں کی دستگیری کیواسطے
ہندوستان میں ایک انسان قدسی صفات کو بھیجدیا۔ اور اُس خضر خصلت نے اگر اول اسی نظر
دوربیں اور فراست ایمانی سے آنے والے زمانہ کے نشیب و فراز کو بہت دور تک سمجھا۔ اور قومی چندہ
کی ایک بالکل انوکھی تدبیر نکال کر ۱۲۸۳ھ میں (جبکہ عربی یا انگریزی کا کوئی جمہوری مدرسہ موجود نہ تھا)
ایک بہت بڑی عظیم الشان اور خالص مذہبی دارالعلوم کی بنیاد متوکلاً علی اللہ دیوبند جیسی گمنام
بستی میں قایم کردی اور آپ حیرت سے سنیں گے کہ اسکے سب سے پہلے استاد حضرت ملا محمود
صاحب مرحوم (بمشاہرہ ۱۵ روپیہ ماہوار) تھے اور سب سے پہلے تلمیذ اس زمانہ کے استاذ الکل
حضرت مولانا محمود حسن صاحب سلمہ ہیں جو آج دارالعلوم کے صدر مدرس ہیں۔ ادہر تو اسلام
کی حفاظت کے واسطے یہ حصار قائم کیا اور دوسری طرف اسی طبیب نے اپنی متعدد تصانیف
ایسی چھوڑیں جنھوں نے اسلام کے اکثر اصول و فروع پر مخالفانہ حملوں کی مدافعت بحمد اللہ اس

ان حاملین مذہب کو اسے رنج کرنا پڑی تو لازمی طور پر باہم اختلافات پیدا ہونے شروع ہو گئے
اسلام کی رفتار ترقی میں طرح طرح کی اندرونی و بیرونی رکاوٹیں پیش آنے لگیں۔ اور ان حاملین مذہب
اسدار زمان کی طرف سے نوع بنوع کے ظلم و ستم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا کسی کو قید میں ڈالا گیا۔ کسی کے درے
ائے گئے۔ اور کوئی جلاوطن ہوا۔

امام ابو حنیفہ کی نسبت لوگوں نے وہ باتیں کہیں کہ جنکا نقل کرنا بھی گستاخی ہے۔
امام مالک رح کی داستان یہ ہے کہ پچیس برس تک جمعہ و جماعت کیلئے باہر نکل سکے اور حق پرستی
کے بدلے میں اُن کو ایسی سزائیں دی گئیں جنکے سُننے سے جسم پر لرزہ طاری ہوتا ہے۔ اس بے دردی
سے مشکیں باندھی گئیں کہ ہاتھ بازو سے اکھڑ گیا۔ پھر اونٹ پر سوار کرائے گئے اور کہا گیا کہ اُس مسئلہ
کی صحت کا اقرار کریں جسے وہ دل سے غلط جانتے تھے

آخر امام نے اونٹ پر چڑھکر فرمایا کہ جو مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے۔ جو نہیں جانتا ہے وہ اب
جان لے کہ میں مالک انس کا بیٹا ہوں اور صاف کہتا ہوں کہ طلاق المکرہ لیس بشیٔ
اسپر بہت سے درّے لگائے گئے اور جا کے جوڑ کو بھاڑ دیا گیا امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہ قریبا
تین برس تک سخت قید میں رہے اور بھاری بھاری زنجیریں اُن کے پاؤں میں ڈالی گئیں اور
یہ تکلیف اُن کو دی گئی کہ مجلسوں میں بلائے جاتے اور بادشاہ کے حاشیہ نشین اُن کو برا بھلا
کہتے۔ اور ہر شام کو قید خانہ سے نکالے جاتے اور کوڑوں کی مار سہتے۔ کیا تھا صرف یہ قصور
تھا کہ وہ ایک باطل عقیدے میں موافقت اُس زمانہ کے اہل اہوا کی نہ کرتے تھے

حساب والا۔ ایسی سخت چوٹوں سے بھی اُن حاملین مذہب کا گو دل ٹوٹا مگر ہمت نہ ٹوٹی اور
وجود ایسے صدمات سہنے کے بھی اسلام کی حفاظت میں انھوں نے ایسی کوئی ممکن کوشش اُٹھا
رکھی یہانتک کہ عباسیوں کے عہد میں اسلام کو ایک اور سخت خطرہ کا سامنا ہوا یعنی جب
یونان کے علوم و فنون عربی زبان میں ترجمہ ہو کر آئے اور اُن سے متاثر ہو کر بہت سے لوگوں کے
خیالوں میں طرح طرح کی تشویش و اضطراب اور اُن کے نتیجہ اعتقادات میں خاص قسم کی تبدیلی
ظاہر ہونے لگی۔ اور وہ مذہب کے ہر ایک مسئلہ کو اپنی عقل نارسا کی کسوٹی پر پرکھنے لگے۔ اُس وقت
انہی حاملین مذہب نے ایک اور دقیق المأخذ علم ایجاد کیا جس میں اسکے تردید کی گئی کہ مسائل

پیدا کر سکنے کے نہیں گے لیکن دار العلوم کی ضروریات کا انحصار فقط دار الحدیث کی تعمیر ہی پر نہیں کیا جا سکتا جس کا تخمینہ اسّی ہزار روپیہ کیا گیا ہے کیونکہ جس دار العلوم کی موجودہ ترقی یہ ہو کہ جس میں ۲۵ مدرسین اور ساڑھے سات سو طلبا کا عنصر تعلیمی شامل ہو تو اسکی عام تعمیرات [illegible] کو جہاں کہا جا طلبا کی بود و باش کے مکانات، مطبخ یا دار الضیافہ، بیمار طلبا کے واسطے دار الشفا، اور طلبا کے جذبات تعلیمی کو ابھارنے کے واسطے ترغیبی وظائف وغیرہ وغیرہ یہ سب ایسی ضروریات ہیں کہ ان کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور ان سب سے زیادہ قیمتی اور وسیع وہ اہم تجویز ہے جس کو دار العلوم نے درجہ تکمیل سے موسوم کیا ہے یعنی تعلیم کا وہ درجہ جس میں دار العلوم کے عام نصاب تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد (ہر چیز میں سے کچھ کچھ لو اور ایک چیز میں سے بہت کچھ کے اصول پر) بعض خاص خاص ذہین طلبا کو معقول وظائف دیکر ان کے مناسب طبع ایک ایک علم و فن کی [illegible] کا انتظام کیا گیا ہے تاکہ ان کے ذریعے سے ملک میں تدریس، مناظرہ، دعوت الی الاسلام، وعظ و تذکیر اور تصنیف و تالیف کے مختلف شعبوں کا عمدہ سامان مہیا ہو سکے ہماری دلی آرزو ہے کہ درجہ تکمیل کے قیام و استحکام کا مبارک کام جسکا تخمینہ [illegible] جناب والا ہی کے نام نامی سے موسوم ہو۔ اور دار الحدیث کی طرح درجہ تکمیل [illegible] بھی جناب ہی کی ہمت بلند کے کفالت سپرد کیا جائے۔

جناب والا۔ اب ہم اس تمام سادہ خراشی کی معافی چاہتے ہوئے پھر دوبارہ جناب والا کی کمال مہربانی اور عزت افزائی کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور یہ دعا پڑھ کر سامعین سے آمین کہنے کے مستدعی ہیں۔

سورت فسیح ایست نام تو باد | دہر احسن الحسن ایام تو باد
رایت حق در ید بیضا ر تو | فضل الٰہی بہ نظام تو باد
اے مدد تفسیر و حدیث نبی | فیض تو دائم بدوام تو باد
باد صبا ابر سخا آمدی | آب بقا گردش جام تو باد

فقط

[illegible] کہ کوئی فاسقانہ رنگ اُن کے آگے نہیں جم سکتا اور خدا تعالیٰ نے اُس مرحوم کی یادگاروں (دارالعلوم اور تصنیفات) کے زندہ رکھنے اور ترقی دینے کے واسطے اُنکی اولاد اور بزرگ شاگردوں کو اس طرح مامور فرما دیا کہ گویا اُنھوں نے اپنی زندگی اور اپنی عزت اور آبرو اسی کام کیلئے وقف کردی۔

جناب والا۔ یہ ملک سیرت بزرگ جنکے ذکر میں ابھی تک ہمنے محض کنایات سے کام لیا شمس العلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ ہیں اور وہ دارالعلوم جسکا ذکر اوپر ہوا دارالعلوم دیوبند ہے جسکی برکت سے آج ہندوستان کے ہر چپہ پر اپنا روح پرور سایہ ڈال رکھا ہے جسکی نسبت بلا مبالغہ اس عہد کی بڑی بڑی عظمت مآب اور مشاہیر علماء اپنے لئے باعث افتخار سمجھتے ہیں جسکے فیض کی نہریں ہندوستان، پنجاب، بنگال سے گذر کر بلخ، بخارا، سمرقند، مسقط، روس، ایران، افریقہ، چین، یمن، عرب اور حجاز وغیرہ تک پہونچ چکی ہیں اور جسکی مسلم الثبوت شہرت و عظمت کو دیکھکر عام طور پر اُسکے زبردست اسلامی مرکز ہونیکا اعتراف کرلیا ہے یہاں تک کہ مصر و قسطنطنیہ کے فضلاء کی زبانیں بھی اُسکا اقرار کرنے میں قاصر نہیں رہیں اور کلکتہ کا مدرسہ عالیہ اور علی گڈھ لاہور حیدرآباد وغیرہ کے کالج بھی اُسکے تلامذہ سے بے نیاز نہ ہوسکے۔

جناب والا۔ اس دارالعلوم کے اخراجات کا انصرام آج تک مسلمانوں کے عام چندوں سے ہوا اور بعض والیان ریاست کی گرامی قدر رقمیں بھی اُسمیں شامل رہیں اور جو ضروریات وقتاً فوقتاً دارالعلوم کو لاحق ہوتی رہیں اُن کا سامان بھی اُس مسبب الاسباب نے ہمیشہ اپنے خزانہ قدرت سے بہم پہونچایا لیکن جس مبارک ضرورت (دارالحدیث) کے انصرام کا جناب والا نے اپنی ہمت مردانہ و شاہانہ سے بیڑہ اٹھایا ہے ہم بلا مبالغہ کہہ سکتے ہیں کہ اُسکی نظیر دارالعلوم کی پنجاہ سالہ تاریخ میں ہرگز موجود نہیں ہے۔ بلاشبہ اگر دمشق کا سب سے پہلا دارالحدیث نورالدین زنگی کی یاد کو ہمیشہ تازہ رکھیگا اگر بغداد کا مستنصریہ دارالعلوم عہد عباسیہ کے تمدن کو سربلند ثابت کرتا رہیگا۔ اگر تاج آگرہ کی پرفضا عمارت اُسکے بنانے والے کی یادگار کو کبھی دل سے مٹنے نہ دیگی تو انشاء اللہ دارالعلوم کا یہ بے مثال دارالحدیث بھی نواب سلیم اللہ کے نام نامی کو تا قیامت ان علماء و صلحاء کے دلوں پر کندہ کرتا رہیگا جو اس دارالعلوم میں کسی حیثیت سے داخل ہو کر بارگاہ نبوۃ میں زانوئے ادب

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(سلسلہ کے لئے دیکھو القاسم ماہ جمادی الثانی)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے سے مدینہ منورہ کی اُس جانب جدہر سے حملہ کا اندیشہ تھا رات دن محنت کرکے گہری خندق کھودی گئی۔ حیی بن اخطب نے اپنا وعدہ لورا کیا۔ بنی قریظہ کا معاہدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوچکا تھا۔ تحریر اس مضمون کی موجود تھی کہ بنی قریظہ آپ کے کسی مخالف کا ساتھ نہ دینگے۔ انصار کے قبیلہ اوس کے ساتھ بنی قریظہ کے تعلقات پہلے زمانہ جاہلیت سے اُن میں اور قبیلہ اوس میں یاری ومددگاری باہمی حلف وعہد موجود تھے جس طرح بنی نضیر کا معاہدہ انصار کے دوسرے بڑے قبیلہ خزرج کے ساتھ تھا۔ ہر ایک فریق دوسرے کا ساتھ دیتا تھا اور اُسکے مخالف سے وقت ضرورۃ برسر پیکار ہوجاتا۔ اسی طرح انصار کے بھی دونوں قبیلے اپنے اپنے حلیفوں کا ساتھ دیتے تھے۔ زمانہ اسلام میں بھی اس عہد وپیماں کی رعایت ہر فریق میں موجود تھی۔ بنی نضیر کے بارہ میں اس معاہدہ کی وجہ سے عبد اللہ ابن ابی خزرجی نے سفارش کی تھی اور باوجود اُسکے منافق شدید النفاق ہونیکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکی سفارش منظور کی تھی۔ قریش نے ابن اخطب کو اُسکے وعدہ یاد دلائے۔ وہ بنی قریظہ میں پہنچا اور کعب بن اسد (یہ شخص بنی قریظہ کا سردار تھا اور اس کے پاس عہدنامہ صلح موجود تھا) کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ کعب نے دروازہ کھولنے سے انکار کیا۔ اور کہا تو ایک منحوس بیر قدم آدمی ہے۔ میرا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معاہدہ ہوچکا ہے۔ اُن کی طرف سے سوا روفا عہد سچائی وراستبازی کی کوئی بات ظاہر نہیں ہوئی۔ میں ہرگز عہدنامہ کو نہ توڑونگا۔

حیی بن اخطب نے کہا تو صرف اس خوف سے دروازہ نہیں کھولتا کہ کہیں میں تیری جشیش (موٹا آٹا) میں شریک نہو جاؤں۔ کعب نے مجبور ہوکر دروازہ کھولدیا۔ کعب نے کہا ظالم میں تو ایسی عزۃ کا سامان لایا ہوں کہ زمانہ میں ترا نام ہوجائیگا۔ قریش وغطفان کو جمع کثیر کے ساتھ لایا ہوں وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا استیصال کردینگے۔ اور جب تک اس مدعا میں کامیاب ہوں یہاں سے

زمانہ قیام ڈھاکہ میں آنریبل مولوی شمس الہدیٰ صاحب ممبر کونسل گورنمنٹ بنگال کا تار عالیجناب نواب صاحب کی خدمت میں پہونچا۔ کہ واپسی کے وقت کلکتہ میں وفد کا قیام میرے یہاں ہو مہتمم صاحب دارالعلوم نے ایک وقت کی دعوت قبول فرمائی۔ ۷ اپریل کو وفد کلکتہ پہونچا مولوی صاحب کی جانب سے چند مقتدر حضرات اسٹیشن کلکتہ پر موجود تھے۔ آپ نے نہایت احترام کے ساتھ علمار سے مصافحہ فرمایا۔ بجائے ایک وقت کے دو وقت وفد آپکے مہماں رہا۔ آپنے فرمایا کہ مدرسہ عالیہ کلکتہ کا جدید نصاب تیار ہوا ہے میں چاہتا ہوں کہ ۱۸ اپریل کو ایک جلسہ کرکے اسمیں غور کیا جائے مہتمم صاحب نے اسکو قبول فرمایا۔ ۱۸ کو آپ کے کوٹھی پر جلسہ ہوا۔ اس جلسہ میں علاوہ نواب صاحب موصوف پرنسپل صاحب مدرسہ عالیہ اسسٹنٹ ڈائرکٹر تعلیم بنگال۔ مدرسہ عالیہ کے صدر مدرس اور دیگر مدرسین کے علاوہ علمار کلکتہ کی ایک جماعت شریک تھی مہتمم صاحب کی معیت میں مولانا عزیز الرحمن صاحب مفتی مدرسہ عالیہ دیوبند۔ مولانا محمد انور شاہ صاحب مولوی شبیر احمد صاحب مولوی فضل حق صاحب تھے جلسہ میں اولاً جناب موصوف نے اپنی جانب سے اور نیز گورنمنٹ بنگال کی جانب سے مہتمم صاحب اور علمار دیوبند کا شکریہ ادا فرمایا مہتمم صاحب کی جانب سے مولوی شبیر احمد صاحب مدرس دارالعلوم نے مبسوط تقریر فرمائی۔ اور نصاب کے متعلق اپنی رائے کا اظہار فرمایا جسکو سنکر نواب صاحب اور صدر مدرس صاحب و پرنسپل صاحب نے پسند فرمایا۔ بالآخر یہ رائے قرار پائی کہ نصاب زیر بحث کو دیوبند بھیجدیا جائے اور وہاں اسپر ایک منقح رائے لکھی جائے چنانچہ پرنسپل صاحب نے یہ نصاب دیوبند بھیجدیا ہے جسپر عنقریب رائے لکھکر بھیجدی جائیگی۔

ہم عالیجناب نواب مولوی شمس الہدیٰ صاحب کی اس خاص مہربانی اور علمار دین کے ساتھ اس معاملہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

ارکان وفد کی واپسی کلکتہ سے متفرق طور پر ہوئی۔ مہتمم صاحب کو بضرورۃ چند روز کلکتہ قیام کرنا ہوا اور وہاں سے بلیا بنارس غازیپور جونپور۔ بریلی قیام فرماتے ہوئے۔ ۴ مئی کو بخیریت تمام دیوبند پہونچگئے۔ والحمد للہ علیٰ ذلک حمداً کثیراً۔

فیصلہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح صلح کا منجانب اللہ حکم تھا اور نہ خود سبب مدد و محبوب تھی۔ بلکہ یہ جملہ
تدابیر ایک تدبیر تھی اور اسمیں صحابہ کی دلجوئی اور راحت کا خیال تھا مگر جس طرح آپ کی جانب سے شخص
شفقت و رافت کا ظہور تھا۔ درحقیقت مسلمانوں کیلئے امتحان و آزمائش کی گھڑی تھی۔ اگر انصار اس رائے
کو مان لیتے تو کسی طرح قابل ملامت و طعن ہوتے۔ مگر وہ اس تہ کو پہونچگئے۔ لیبلی المؤمنین منہ بلاءً
حسنا کا مضمون پیش نظر ہوگیا۔ اور انہوں نے ثابت قدمی سے صلح کو نامنظور کیا جس سے صلح کی کوئی
صورت باقی نہ رہی۔ تو مشرکین کے تمام گروہوں نے پوری جد و جہد شروع کر دی۔

خندق کے درمیان ہونے سے پیادہ لشکر کو تو موقع حملہ کا تھا ہی نہیں۔ البتہ سواروں کے دستے
متفرق مقامات پر رات دن گشت لگاتے تھے اور چاہتے تھے کہ کہیں موقع ملجائے تو خندق کو طے
کر کے مسلمانوں پر جا پڑیں۔ یہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ فوج رسالہ کی کمان ہمیشہ خالد بن الولید کے ہاتھ
میں ہوتی تھی اس موقع پر بھی انہیں کی کمان میں تھے خالد رضی اللہ عنہ خود بالطبع ایسے دلیر و حوصلہ
مند تھے کہ کسی موقع کو ہاتھ سے دیتا تو کیا خود متلاشی رہتے تھے۔ مگر خندق کا محاصرہ لمبا ہوگیا تھا۔
ایک شخص سے ناممکن تھا کہ رات دن ہر موقع پر دستہ سواروں کو لیجائے اور مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں
کو ایک آن کیلئے چین و اطمینان حاصل ہو انھوں نے رسالہ کو کئی دستوں میں تقسیم کر کے ہر ایک دستہ
کی کمان جدا جدا ابوسفیان۔ عمرو بن العاص۔ عکرمۃ ابن ابی جہل۔ ہبیرۃ ابن ابی وہب۔ ضرار بن الخطاب
کے سپرد کی اور ایک دستہ کی کمان خود اپنے ہاتھ میں رکھی اسطرح متواتر کوشش کرتے رہتے تھے کبھی
سوار گھوڑوں کو خندق میں لیجانیکا ارادہ کیا مگر کامیاب ہوئے ایک مرتبہ نوفل عبداللہ بن مغیرہ نے
گھوڑے کو خندق پر کدانا چاہا مگر وہ خندق میں گر گیا اور ٹانگ ٹوٹ گئی۔ یہ حالات تو ابتدا ہی سے
تھے مگر آخر میں جد و جہد کو اور بھی بڑھایا۔ ایک مرتبہ عکرمۃ ابن ابی جہل ہبیرۃ ابن ابی وہب ضرار
ابن الخطاب عمرو ابن ود نے گھوڑوں کو خندق کے تنگ راستہ میں جبراً گھسا ہی دیا۔ مگر یہ حملہ
بھی عمرو بن ود کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابل آنے اور عمرو بن ود کے (جو نوے برس کا
بڈھا تھا مگر دلیری و شجاعت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے بہادر اسکے نام سے ڈر جاتے تھے) مقتول
ہو جانے پر ختم ہوگیا۔ ایک مرتبہ خالد رضی اللہ عنہ دستہ سواران لیکے نکلے کہ مسلمانوں کو غفلت
میں جالیں۔ کنارہ خندق پر اسید بن حضیر دو سو کی جمعیت سے موجود تھے۔ تھوڑی دیر تک مقابلہ رہا

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شفقت و رحمت رافت و عطوفت کا اقتضا یہ ہوا کہ
مسلمان جو تقریباً ایک ماہ سے گھر سے بے گھر نہایت خوف و ہراس میں مبتلا ہر قسم کی تکالیف برداشت
کر رہے ہیں۔ ان کو اس بلا سے نجات دیجائے۔ مشرکین کو بلطائف الحیل سے اس وقت ٹالدیا جائے
وقت کا ٹالدینا اور کسی دوسرے وقت دشمن سے انتقام لینا بھی تدابیر حرب میں اعلیٰ درجہ کی تدبیر ہوتی
ہے آپ نے عیینہ ابن حصن فزاری اور حارث ابن عوف مُرّی کو طلب فرمایا۔ دونوں
ابوسفیان سے پوشیدہ حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نے ان دونوں سے فرمایا۔ اگر تم اپنی جماعت کو
واپس لیجاؤ۔ تو مدینہ کے سال بھر کے پھلوں میں سے ایک تہائی تمکو دیئے جائینگے انھوں نے نصف کا
مطالبہ کیا مگر بالآخر ایک تہائی پر راضی ہوگئے جب یہ دونوں راضی ہوگئے تو انصار کے ہر دو سردار سعد ابن
معاذ اوسی سعد بن عبادہ خزرجی کو بلاکر اس بارہ میں مشورہ فرمایا۔ دونوں نے بالاتفاق عرض کیا۔ اگر
اس طرح صلح کرنیکا آپ کو منجانب اللہ حکم ہے تب تو سوائے امتثال امر چارہ ہی نہیں ہے۔ اور یہ امر خود آپکو
پسندیدہ و مرغوب ہے تب بھی ہم اطاعت کرینگے اور اگر محض ہماری راحت رسانی اور رفع کلفت
و پریشانی کیلئے کیا جاتا ہے تو ہمارے نزدیک یہ صلح ٹھیک نہیں ہے ہمارے پاس تو ان مشرکین کیلئے
سوائے تلوار کے کچھ نہیں آپ نے ارشاد فرمایا۔ اگر مجھے خدا تعالیٰ کے یہاں سے حکم ہوتا تو میں مشورہ ہی
کیوں کرتا۔ میں تو صرف اسی وجہ سے صلح کرتا ہوں کہ تمام عرب نے ایکا کرکے تمکو ہدف سیف و سنان بنایا
اور ہر طرف سے تم پر حملہ ہو رہا ہے اسوقت اس تدبیر سے انکے جتھے کو توڑ دیا جائے پھر جو کچھ ہوگا دیکھ لیا
جائیگا۔ دونوں سرداران انصار نے یہ سنکر عرض کیا۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) زمانہ شرک
میں ان قبائل غطفان کی یہ مجال نہ تھی کہ مدینہ کی ایک کھجور بھی ہم سے بزور لے سکیں۔ یا خرید کر لیتے تھے
یا ہمارے مہمان بنکر کھا لیتے تھے۔ اور اب جبکہ ہمکو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت و عزت عطا فرمائی آپکی
بدولت ہدایت نصیب ہوئی تو ہم اسقدر پست ہمت بزدل بنجائیں کہ ان کو ثمار مدینہ کا ایک ثلث محض
حفاظت جان کیلئے دیدیں۔ حالت شرک میں تو ہم اسقدر قوی غیور بہادر دلیر ہوں۔ اور اس کرامت
و عزت کے بعد جو ہمکو حاصل ہوئی ہے ایسے بے حمیت کمزور بنجائیں نہیں ہرگز ایسی صلح کی ضرورت
نہیں ہے۔ تلوار ہی سے فیصلہ ہوگا۔ آپ نے سنکر فرمایا تمہاری یہ رائے ہے تو بہتر ہے۔ ہر دو سرداروں
نے باآواز بلند عیینہ اور حارث سے کہدیا جسقدر ممکن ہے ہمارے مقابلہ میں کوشش کرو تلوار ہی سے

تو تمہاری ہمدردی کی وجہ سے اس وقت آیا ہوں۔ اگر تم راز میں رکھو تو کہوں۔ انہوں نے
کہا بیشک ہم راز رکھیں گے۔ [illegible] انہوں نے کہا قریش کا اور
تمہارا حال یکساں نہیں ہے۔ قریش بودو باش کے گھر چھوڑ کر آئے ہیں۔ کامیاب ہو گئے تو بہتر
ورنہ صحیح و سالم اپنے مکانات کو لوٹ جائیں گے جہاں ان کو کسی کا اندیشہ نہیں ہے۔ برخلاف
تمہارے کہ تمہارا وطن یہی ہے۔ تمہارے اہل و عیال مال و متاع سب یہیں ہیں۔ تم نے قریش کا ساتھ
کس بھروسہ پر دیا ہے۔ اگر وہ بے نیل و مرام واپس چلے گئے اور تم کو یہاں چھوڑ گئے تو تمہارا کیا حشر
ہوگا۔ تم اپنے ہم مذہب دو قبیلوں بنی نضیر اور بنی قینقاع کا حال دیکھ چکے ہو وہ بھی تمہاری
طرح مدینہ ہی میں رہتے تھے لیکن مسلمانوں نے ان کو جلاوطن کیا تو عرب کا کوئی قبیلہ ان کی مدد
کو آیا تھا۔ قریش چلے گئے تو تمہارا انتقام مسلمانوں سے ہوگا وہ جو چاہیں گے تمہارے ساتھ کریں گے
دریافت کیا تو کیا کیا جائے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم قریش سے پورا اطمینان لے لو۔ اور ان میں
سے اشراف کو بطور رہن رکھ لو۔ قریظہ نے کہا ہم آپ کے بہت مشکور ہیں آپ نے بالکل ٹھیک اور بجا
مشورہ دیا ہے ہم ایسا ہی کریں گے۔ یہاں سے رخصت ہو کر نعیم قریش کے پاس پہونچے
اور کہا تم جانتے ہو میرے تعلقات تمہارے ساتھ کیسے ہیں۔ اور مجھکو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے
کیسا بغض ہے۔ مجھے ایک خبر پہونچی ہے اگر تم اس کا افشا نہ کرو تو میں بیان کروں۔ میری محبت نے
گوارا نہ کیا کہ میں اسکے پہونچانے میں ذرا بھی دیر کروں۔ قریش نے کہا ہرگز کسی کو خبر بھی نہ ہوگی۔ نعیم
کہنے لگے تم نے سنا بنی قریظہ نے تمہارا ساتھ دیا۔ مسلمانوں کے ساتھ جو معاہدہ تھا اس کو توڑ ڈالا
مگر اب وہ نادم و پشیمان ہیں۔ اور اس فکر میں کہ اسکی تلافی کریں۔ انہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
کے پاس پیام بھیجا کہ اگر اپنے قصور کی مکافات کیلئے قریش و غطفان کے سربرآوردہ کو قید کر کے آپکے
پاس بھیجدیں اور پھر آپ کے ساتھ منکرین سے لڑتے رہیں تو آپ ہمارا قصور معاف کر دینگے اور
ہمارے سابق عہدنامہ کو برقرار رکھیں گے وہاں سے جواب آیا اگر ایسا کرو گے تو تمہارے سب
جرائم معاف ہو جائیں گے۔ نعیم نے کہا اگر یہود قریظہ تم سے رہن رکھنے کیلئے تمہارے اشراف کو طلب
کریں تو ہرگز ایک شخص کو بھی نہ دینا۔
یہاں سے اٹھکر غطفان کے پاس پہونچے اور کہا تم میرا کنبہ اور برادری۔ دنیا بھر سے زیادہ

اور بہر بہت گئے ان ہی مصائب اور سختیوں میں ایک اور امر پیش آگیا۔ اتفاق سے رات میں مسلمانوں کی دو جماعتیں نکلیں ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی مڈبھیڑ ہوگئی تو ہر ایک نے دوسرے کو مشرکین کی جماعت سمجھ کر حملہ کر دیا۔ اور فریقین میں سے کچھ مقتول و مجروح ہوئے مگر جب ہر جماعت نے اپنے شعار کو ظاہر کیا تو لڑائی ٹھہر گئی۔

یہ تمام مصائب گذر رہے تھے۔ دن رات دشمن کا مقابلہ علیحدہ بال بچوں کو باہر کی طرف سے اطمینانی و پریشانی جدا۔ بھوک پیاس کی تکلیف ان سب کے سوا راتوں کی سردی کی سخت تکلیف اسکے علاوہ آپ نے یہ حالت دیکھکر احزاب یعنی جماعت ہائے مشرکین کیلئے بددعا شروع کی تین روز تک متواتر دعا بصورت پڑھتے رہے اور مسلمانوں کو بھی دعا کی تلقین فرمائی اور دعا و تضرع الی اللہ کی مسلمانوں کا سب سے بہتر سے بہتر زاد و کا سامان ہوتے ہتھیار رہے۔ مگر مسلمان نہایت استقامت و استقلال سے جمع رہے کسی قسم کا گھبراہٹ و اضطراب ظاہر نہیں کیا۔ رحمت خداوندی متوجہ ہوئی۔ آخر تین روز کے بعد دعا مقبول ہوئی اور وقت آگیا کہ مسلمانوں کا خوف امن سے مبدل ہو جائے۔ دشمن جو محاصرہ کئے ہوئے تھے خائب و خاسر لوٹ جائیں اور یہ نصرت غیبی عجیب پیرایہ میں ظاہر ہوئی ادہر تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے قبولیت دعا کی بشارت دی کہ مشرکین پر اور ان کے مددگاروں پر سخت ہوا بھیجی جائیگی۔ ادہر نعیم ابن مسعود اشجعی جو قبائل مشرکین کا بڑا سرگروہ اور ممتاز و سربلند شخص تھا۔ رات کو چھپکر آپ کی خدمت حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ میرے دل میں اسلام کی عظمت و محبت گھر کر چکی ہے میں مسلمان ہو چکا ہوں میری قوم ابھی تک بے خبر ہے۔ آپ نے فرمایا یہ بات ہے تو جس تدبیر سے ممکن ہو مشرکین میں باہم پھوٹ ڈلوا کر آپس میں اختلاف و بدمزگی پیدا کر دو نعیم نے عرض کیا اگر اس تدبیر میں مجکو کوئی امر خلاف واقع بھی زبان سے نکالنا پڑے تو جائز ہوگا۔ آپ نے فرمایا کچھ حرج نہیں ہے۔ (الحرب خدعۃ) لڑائی حیلہ و تدبیر کا نام ہے۔

یہاں سے رخصت ہو کر نعیم سیدھا بنی قریظہ کے پاس پہونچا۔ ان سے گہرے تعلقات تھے انس و محبت ہمنشینی وغیرہ خصوصیات حاصل تہیں۔ وہاں گیا تو سب خوش ہو گئے۔ مرحبا مرحبا کہتے ہوئے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ کھانے لائے نعیم نے کہا بھائی ان باتوں کا وقت نہیں ہے۔

تربیۃ السالک و تنجیۃ الہالک

(سوال) بعد سلام مسنون الاسلام آنکہ ملتمس ہوں کہ چند حالات بطور سوال عرض کئے جاتے ہیں امید کہ جواب باصواب سے مشرف فرمایا جاوے۔

سوال۔ زید ذاکر شاغل ہے اور بشیطابت کرتا ہے روزی مشکوک سے اپنے امکان میں بچتا ہے اور یہی آرزو رکھتا ہے کہ روزی مشتبہ سے خداوند کریم بچاوے لیکن بوجہ قلیل آمدنی و کثیر خرچ کہ جو معمولی ہے روزی مشکوک بلکہ قریب بحرام ہو جاتی ہے اور جو کچھ دلچسپی وفائدہ اذکار سے ہوتا ہے وہ سب مفقود ہو جاتا ہے اور بید تباہی ہوتی ہے خیال کرتا ہے کہ جب میری روزی ہی حلال نہیں تو ذکر واذکار کیا فائدہ دیگا چنانچہ دادا پیر جناب حاجی صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ مرقدہ غذا کے رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اگر ایک دانہ مشتبہ مال کو حضرت آدم علیہ السلام کعبہ کے حرم میں بوویں اور ساتھ گائے چرخ کے اور آب زمزم سے سینچا جاوے اور حضرت خیر النساء حجر اسود سے آسیا بنا کر پیسیں غرضکہ طرح طرح کے عمل کئے جاویں جب بھی وہ ضرر رسان قابل ہو کر لگے اور ظلمت پیدا کرے ایسی حالت میں زید سخت متوحش ہے۔

الجواب۔ ذکر وغیرہ نہ چھوڑے انشاء اللہ ذکر کی برکت سے ایک دن سامان حلال روزی کا بھی پیدا ہو جاویگا۔

سوال۔ پیشہ طبابت کے واسطے ظاہری لباس وغیرہ عمدہ ہونا چاہئے زید ظاہری سامان سے متنفر ہے اور سمجھتا ہے کہ اس سے ایک گونہ فخر وتکبر پیدا ہوگا بتکلف چاہتا ہے کہ ایسا ظاہری سامان درست کروں لیکن وہ کچھ ایسی سیدھی سادی روش کا عادی ہوا ہے کہ کسی صورت تکلف کی طرف طبیعت کا میلان نہیں ہوتا۔

الجواب۔ یہ تو زید کی خوبی ہے البتہ میلا نہ رہنا چاہئے کہ صفائی سنت بھی ہے۔

سوال۔ آجکل زید کا کچھ ایسا تعلق ہو رہا ہے کہ سود خواروں کے گھر کا کھانا ضروری کھانا

مجھے محسوب ہو، مجھے امید نہیں ہے کہ تم میری رائے کو برا سمجھو گے رسولؐ نے کہا بیشک ایسا ہی ہے کہ اس
تو یہ بات راز کی ہے کسی کو خبر نہ ہو اور پھر وہی گفتگو جو قریش سے کی تھی یہاں بھی کی اور نصیحت کی کہ
کسی دھوکہ میں نہ آجائیں۔

اسکے بعد ہفتہ کی شب میں ابوسفیان اور سرداران غطفان نے عکرمہ (رضی اللہ عنہ) کو معہ چند
لوگوں کے بنی قریظہ کے پاس بھیجکر یہ پیام دیا تمھیں معلوم ہے کہ ہم اپنے ملک و وطن میں نہیں ہیں
سفر میں پڑے ہوئے ہر قسم کی تکالیف برداشت کر رہے ہیں۔ اونٹ گھوڑے وغیرہ سب تباہ ہوگئے
اب ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے۔ ایک قطعی اور فیصلہ کن حملہ کا وقت ہے تم بھی تیار ہو جاؤ اور کل تم
اندرونی جانب سے اور ہم بیرونی حصہ سے حملہ کرکے قصہ کو ختم کردیں۔ یہود نے جواب دیا کل تو سبت کا
دن ہے اسمیں تو ہم لڑ نہیں سکتے الا کسی اور دن کا تعین ہونا چاہئے لیکن جب تک تم ہمارے
اطمینان کیلئے اپنے پچاس ستر معززین و شرفا کو بطور رہن نہ رکھدو ہم ہرگز تمھارے ساتھ ہوکر
نہ لڑیں گے۔ قریش و غطفان نے سنکر کہا۔ بیشک نعیم درست کہتے تھے۔ یہود کا یہ پیام قریش کو
پہونچ گیا تو نعیم پھر بنی قریظہ کے پاس پہونچے اور کہا کہ جب تمھارا پیام طلب رہن کیلئے پہونچا تھا
تو میں ابوسفیان کے پاس تھا۔ ابوسفیان نے یہ پیام سنکر کہا کہ اگر بکری کا بچہ بھی
وہ ہمسے طلب کرینگے تو ہم نہ دینگے فریقین کو نعیم کی گفتگو کی تصدیق ہوگئی اور آپس میں اختلاف
ہوگیا۔ ایک دوسرے سے بدظن ہوگیا۔ حیی ابن اخطب جو سارے قصہ کا بانی مبانی تھا۔
جو قریش و غطفان کو چڑھا کر لایا تھا جس نے بنی قریظہ سے عہد شکنی کرائی تھی اسکو پتہ لگا تو قریظہ
پہونچا۔ وہاں جاکر دیکھا تو وہ لوگ بالکل ڈھیلے تھے۔ یہ کہتے تھے کہ قریش ہمارے پاس رہن رکھینگے
تو ہم بھی ساتھ دینگے۔ یہ بدبخت بھی اب کچھ نہ بول سکا اپنا سا مونہہ لیکر چلا آیا۔ ادھر تو یہ ناچاقی اور
باہمی اختلاف و بددلی شروع ہوئی۔ ادھر نہایت تیز و تند سرد اور نہایت سرد ہوا چل پڑی جسنے
ڈیرے خیمے اکھاڑ کر پھینکدیئے۔ چولھوں پر سے ہنڈیاں اوندھی ہوگئیں۔ ایسی سخت پریشانی
اور بددلی میں مجبوراً قریش و غطفان کو بجز پابستی و دوگوش بھاگنے کے چارہ ہی کچھ نہ تھا ابوسفیان اس
گھبراہٹ اور عجلت میں گھوڑی پر سوار ہوا کہ اسکے پیر کی رسی بھی سوار ہوکر کھولی مگر عکرمہ کی ہمت دلانے پر اترا اور مہم
کی تکمیل بکر کر سکے ساتھ مکہ کو روانہ ہوگیا اور اسطرح احزاب کے سخت ہولناک اور شدید ترین حملہ کا خاتمہ ہوا۔

حال۔ میرا حال یہ ہے کہ ذکر خفی کرتا ہوں کبھی جلی بھی۔ الحمد للہ دل بہت مسرور رہتا ہر حال اچھا معلوم ہوتا ہے۔

تحقیق۔ مبارک ہو۔

حال۔ وقت ذکر نیند کا غلبہ معلوم ہوتا ہے۔

تحقیق۔ غالبًا یکسوئی کا اثر ہے۔

حال۔ دردِ سر بالکل موقوف ہے

تحقیق۔ الحمد للہ۔

سوال۔ وعظ گوئی کیلئے بہت جی چاہتا ہے باوجودیکہ ہر جمعہ کو کچھ بیان کیا کرتا ہوں مگر تسکین نہیں ہوتی جی یہی چاہتا ہے کہ کہیں باہر جاکر شوق سے بیان کروں اور درس بھی دوں مگر یہ دونوں باتیں مکان پر رہکر ممکن نہیں۔

الجواب۔ کیوں ممکن نہیں۔

سوال۔ اور حال جناب بھائی صاحب کا یہ ہے کہ وقت ذکر سفید نور نظر پڑتا ہے عرصہ ایکماہ میں لوقفہ ہفتہ عشرہ تین روز اثنا ذکر میں آواز سنائی دی کہ تم ہمکو تلاش کرتے ہو تو مکان و محل چھوڑدو جنگل اختیار کرو اُس کے جواب میں کہا ہمکو معلوم نہیں ہوتا کہ ہم اندھے ہیں کہاں جائیں جواب ملا کہ کیوں جی گوشت مچھلی کو نہیں چاہتا تھا اب خواہش نہیں ہے کیا تمکو روزی نہ ملیگی۔ سکوت اور ذکر میں جی لگتا ہے بدن بھی فربہ ہوتا جاتا ہے کچھ تکان نہیں معلوم ہوتا ہے اور علاوہ اسم ذات حسب ارشاد والا بارہ تسبیح کا بھی ذکر کرتے ہیں ایسی حالت میں کیا ارشاد والا ہے۔

جواب۔ سب آثار محمود ہیں مگر وہ نور اور اُس کا کلام تصرف خیال کا ہے ہرگز اُس طرف التفات نہ کریں نہ اُس کا جواب دیں۔

حال۔ دل کچھ عرصہ سے خود بخود باتیں کرتا ہے نماز میں اور شب کے ذکر شغل میں دل حاضر نہیں رہتا بہت قصد کے ساتھ حاضر کرتا ہوں مگر بہ جاتا ہے بہت ہی تکلف سے حاضر بھی ہوتا ہے تو ایسا گم معلوم ہوتا ہے کہ جسم میں دل ہے ہی نہیں بڑی حیرت ہوتی ہے۔

تحقیق۔ بہت تکلف کرنا دل حاضر کرنے میں یہی تو غلطی ہے سرسری توجہ ذکر کی طرف

ڈرتا ہے اور جب ایسے کھانیکا اتفاق ہوتا ہے تو طرح طرح کے عذاب خواب میں مسلط ہوتے ہیں
منجملہ دیگر عذابوں کے دو عذاب ذکر کئے جاتے ہیں (۱) بارہا خواب میں اپنے جسم پر زنبور کلاں
سرخ در دیش رس ہوتے دیکھنا (۲) یا رچپاسے آنتی کا شکم سیر ہوکر کھانا اور اسکا حالت
بیداری میں ستام تک اثر یاد اور طبیعت کا خراب رہنا۔

الجواب۔ حتی الامکان احتیاط کرے اور استغفار کی کثرت کرے۔

سوال۔ بعض مرتبہ زید کا ان مصائبات کی وجہ سے پیشہ طبابت کو ترک کرنیکا ارادہ ہوجاتا ہے

الجواب۔ جب تک کوئی دوسرا پیشہ حلال چلتا ہوا معلوم نہو اسکو نہ چھوڑے۔

سوال۔ زید امام ہے اگر قرأت غمگین صورت و لحن سے پڑھتا ہے تو خشوع و رونا آتا ہے
اور اگر معمولی طریقہ سے پڑھتا ہے تو خشوع و خضوع نہیں ہوتا۔

الجواب۔ تو اسکو غمگین صورت و صوت ہی سے پڑھنا چاہئے تباکوا کے یہی معنی ہیں۔

سوال۔ زید بیمار ہے اور حضور اعلیٰ چونکہ طبیب حاذق ہیں امید کہ ہر سوال کا جواب بطور
نسخہ تجویز فرمایا جاوے۔

الجواب۔ سب سوالوں کا جواب لکھدیا ہے اللہ تعالیٰ شافی ہے اگر اور کوئی حال
یا سوال پیش آوے ظاہر کیا جاوے۔

سوال۔ عرض خدمت ہے کہ معمول معروضہ سابق یعنی اسم ذات چوبیس ہزار مرتبہ برابر
جاری ہے مگر اسقدر فرق ضرور ہوا کہ پہلے بالجہر ہی بارہ ہزار یا چھ کرلیتا تھا مگر اب اسوقت بوجہ
ضعف و درد سر بالجہر نہیں کرسکتا۔

الجواب۔ مضائقہ نہیں جہر مقصود نہیں خود ذکر مقصود ہے۔

سوال۔ طاعون کے زمانہ میں معلوم نہیں کیوں رات کو اٹھنے میں وحشت اور خوف معلوم ہوتا ہے

الجواب۔ ضعف قلب سبب ہے۔

سوال۔ اسوجہ سے بعض بعض روز تہجد و بارہ تسبیح ناغہ ہوتا ہے اب جسطرح ارشاد ہو عمل کیا جاوے

الجواب۔ یا تو کسی دوسرے ہم مسلک کو اسوقت جگا لیا جاوے دونوں شریک ہوکر کام
کریں انس ہوگا ورنہ بعد عشا تہجد اور سب معمولات کرلیا کیجئے۔

مالک تعالیٰ شانہ کے فضل عمیم کا اثر پا رہا ہے جس کا بندہ کو کسی طرح یہ منہ نہیں سمارے لائق ہر ایک روزانہ شب میں چند بار سو سو کر نوافل نصیب ہو جاتی ہیں۔

تحقیق۔ مبارک ہو آپ کو اس کی قدر کیجئے ہمت کی توفیق نعمت عظمیٰ ہے۔

حال۔ اور سونے کا زمانہ بیداری سے بھی لذیذ ہوتا ہے طرح طرح کی عنایتوں کا معاملہ تو میں دیکھتا ہوں اور عجیب بالذات ذکر سونے میں نصیب ہوتا ہے لیکن صبح ہی سے وہ کیفیات جاتی رہتی ہیں باقی نہیں رہتیں ہاں البتہ اُن کیفیات کے آثار ضرور رہتے ہیں ورنہ فرحت و مسرت مالک تعالیٰ کی یاد کے ساتھ بیدار ہونے پر پاتا ہوں۔

تحقیق۔ یہ اُس لذت خواب سے زیادہ نافع ہے کہ اسکو قرب میں دخل ہے اور کیفیات خواب گو لذیذ ہوں مگر وہ بیداری کی فرع ہے اور یہ اصل۔ (ماہی آسودہ)

بعض جزئیات انقلاب اصلاح

(اصلاح معاملہ متعلق بہ نکاح)

(گذشتہ سے پیوستہ)

ایک کوتاہی یہ ہے کہ اکثر بلکہ قریب قریب کل ہی مواقع میں منکوحین کی مرضی حاصل نہیں کی جاتی تعجب ہے نکاح جو کہ عمر بھر کیلئے دو شخصوں کا تعلق ہے جسکے ساتھ ہزاروں معاملات وابستہ ہیں وہ تو کسی کا اور رائے ہو صرف دوسرے کی گو اُن دو شخصوں کے مصالح کے یقیناً خلاف ہی ہو اور گو وہ اپنی ناخوشی بھی ظاہر کرتے ہوں مگر اُنکو ذرا نہ پوچھا جاوے اور زبردستی نکاح کر دیا جاوے بعض دفعہ عین وقت تک منکوحین یا اُن میں سے ایک سراسر انکار کرتا ہے مگر اُسکو گھونٹ کر اور جبر کر کے خاموش اور لب بند کر دیا جاتا ہے اور عمر بھر کی مصیبت میں اُسکو جوت دیا جاتا ہے کیا یہ عقل و نقل کے خلاف نہیں ہے اور کیا اس میں ہزاروں خرابیوں کا مشاہدہ نہیں کیا جاتا اور پھر کیا اُن خرابیوں کا کوئی انتظام یا انسداد کیا جاتا ہے اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر جگہ لڑکا لڑکی سے کہلوانا ضرور ہے یا صغیر و صغیرہ پر ولایت جبریہ کوئی چیز نہیں یا بالغہ پر ولایت استیذانیہ سکوتیہ کا انکار ہے یا اولیاء کو مصالح متحقق کرنے کا کوئی حق نہیں سو یہ مطلب نہیں

یا مذکور کی طرف رکھنا کافی اور مفید ہے اس سے حدیث النفس قطع ہو جاویگی اور جب تک قطع نہو کچھ پروانہ کیجاوے کہ آنکھیں نہ تر ہونا ملامت ہے۔ اور یہ اُسکو استمرار ہوگا۔

حال۔ ذکر میں بالکل خواب کی سی حالت رہتی ہے حالانکہ نیند بالکل نہیں ہوتی۔

تحقیق۔ یا تو دن کے تعب سے یا غلبہ رطوبت سے کسل ہے ورنہ محویت ذکر کی ہے جو کہ محمود ہے گو مقصود نہیں۔

حال۔ چونکہ میں عامی مشغول تاجر ہوں مشاغل دوکانداری کی وجہ سے رات کا ذکر کبھی کبھی ناغہ بھی ہوجاتا ہے گو ناغہ کا رنج بھی ہوتا ہے جب کبھی متواتر آٹھ دس دن ذکر شغل کر لوں اس کے دوسرے دن ایسی حالت خراب ہوتی ہے۔ چاہتا ہوں کسی سے بات نہ کروں غیر اختیاری طور پر غصہ ہوجاتا ہے اس حالت سے بہت سے احباب و خریداروں کی دل تنگی ہوتی ہے اگر دو دن کر لیا اور دو دن نہیں کیا تو طبیعت بحال رہتی ہے۔

تحقیق۔ ناغہ میں طبیعت کا درست رہنا اور دوام میں وحشت ہونا یا تو یہ القاء من الشیطان ہے کہ وہ اس طرح دوام سے روکنا چاہتا ہے اور یا یہ کہ ذکر سے تجرد پیدا ہوتا ہے اور چونکہ طبیعت صحبت ہے اسلئے ناگوار بات پر صبر نہیں ہوتو ضروری بات ضبط اور صبر کرنا ہے اور یہ حال اسکی کرکنا سے دوسرے قرائن سے ہوسکتی ہے یعنی میلان الی المعاصی و نفرت عن المعاصی سے

حال۔ عرصہ دو مہینہ سے طبیعت گری گری مرجھائی ہوئی کوئی بات کوئی کہتا ہے طبیعت غوطہ میں ہوتی ہے عرصہ کے بعد سُنتا ہوں اور کہتا ہوں کہاں گیا تھا حالانکہ مستند ماہر حکیم کو دکھلا لیا صحت بالکل درست ہے الحمدللہ۔

تحقیق۔ مثل حال سابق دو احتمال ہیں اگر اطبا طبیعت درست بتلاتے ہیں تو اثر ذکر کا ہی ہے مبارک ہو۔

حال۔ خواب بہت اچھے اچھے نظر آتے ہیں صبح کو سب بھول جاتا ہوں بھولنے سے بہت رنج و طبیعت پریشان ہوتی ہے۔

تحقیق۔ خواب صالح محمود ہے مقصود نہیں اسلئے حصول پر شکر چاہئے اور زوال و نسیان پر غم نہ چاہئے۔

حال۔ جب سے بندہ حضور سے رخصت ہو کر یہاں آیا ہے حضور کی دعا کی برکت سے

اس پر بھی یہ عذر کیا جاتا ہے لڑکیاں اسکے وہی ذمہ دار ہیں - اسے ظالمانہ اس بیہودہ رسم کا کیا
علاج ان بوسیدہ عقل بزرگوں کی تو مصلحت ہوئی اور ایک عرصہ مظلوم کا تمام عمر کیلئے
فریب عجیب بربادی میں گرفتار ہوئی کہاں ہیں یہ فرسودہ عقل اب آئیں اور اس مظلومہ کی کچھ مدد
کریں مگر مدد کیا کرینگے اول تو اسوقت تک مرکھپ بھی گئے اور اگر زندہ بھی رہگئے تو دیکھ ہی دیکھنے
یہ کہکر صاف الگ ہوگئے کہ صاحب کوئی کسی کی قسمت میں تو گھس نہیں بیٹھا ہم کیا کریں اسکی
قسمت ہائے غضب کیا غضب کا جواب ہے جس سے وہ مظلومہ تو درکنار غیر آدمی کے تن بدن
میں بشرطیکہ تھوڑا انصاف ہو آگ لگ جاتی ہے پہلے اس قسمت کی توجہ نہیں تھی اگر توجہ
تھی کہ جو صاحب معاملہ کانوں پر ہاتھ دھر رہا ہے جو ظاہراً و عادۃً اسی کی سلامت ہی کر تقدیر
میں بھی یوں ہی ہوگا کہ انجام اسکا پریشانی ہوگی اور اگر ایسا ہی ہے تو کیا تقدیر سے تم کل
کسی کو قتل کر دیجو اور جب سزا سے موت کے لیے پکڑے جاؤ تو کہدینا کہ ہم سے تو صرف ایک گولی
ماری تھی تقدیر کی کیا خبر تھی کہ ایک گولی سے مر ہی جاویگا دیکھیں تو سہی اس عذر سے تمکو
کون چھوڑ دیگا یا خدا ناکردہ اگر وہ مقتول تمہارا ہی کوئی لگتا ہو تو دیکھیں گے کہ تم قاتل کا یہ
عذر قبول کرلوگے یہ سب بیہودہ باتیں ہیں کاش اگر بجاے اسکے اسوقت اپنی غلطی کا
اعتراف ہی کرلیتے تو مظلوم کی کچھ تو تسلی ہو جاتی - ان بیہودہ جوابوں سے تو دونا اسکے
زخم پر نمک چھڑکا جاتا ہے کہ ایک تو مجکو پھنسایا پھر کیسی صفائی سے بری ہوتے ہیں۔
البتہ اگر ناکح و منکوحہ نابالغ ہوں اور اچھا موقع فوت ہوتا ہو تو دوسری بات ہے اور اگر
ایسی کوئی ضروری مصلحت نہیں ہے محض رسم ہی کا اتباع ہے جیسا ہندوستان کی بعض قوموں
میں ہے تو خود یہ رسم ہی مٹانے کے قابل ہے گو نکاح صحیح ہو جانے سے انکار نہیں ہے حق تعالےٰ کا
ارشاد وابتلوا الیتامیٰ حتی اذا بلغوا النکاح صاف مشیر ہے کہ پسندیدہ زمانہ نکاح کا بعد بلوغ
کے ہے اور اس کوتاہی کے مقابل ایک غلو ہے جو اس وقت اکثر نو تعلیم یافتوں میں بڑھتا جاتا ہے
وہ یہ کہ خلاف مرضی نکاح کے بعض واقعات مضرہ دیکھکر انہوں نے احکام شرعیہ پر طعن اور ان احکام
کے مقابلہ میں یوروپ کی رسم و رواج کو ترجیح دینا شروع کیا مجکو ان صاحبوں سے تعجب ہے کہ یہ
حضرات اسراع فطرت و تحقیق واقعات کے ارجمند مدعی ہیں اور پھر انکی نظر سے یہ واقعہ کیسے مخفی رہا

کیونکہ یقیناً بعض جگہہ تو لڑکا اور لڑکی اکثر جگہہ ذی راے نہیں ہوتی اُن نادانوں کی راے
کیا اور اُس راے پر اعتماد ہی کیا یا نابالغ ہونے کی حالت میں اگر شاذ و نادر ذی راے بھی
ہوں تو شاذ و نادر کا کیا اعتبار یا بالغ اور ذی راے ہونے کے حیا جو خاصہ فطریہ ہی انوثت
و بکارت کا وہ طبعاً مانع ہوتی ہی تکلم و اظہار راے سے بعض جگہہ بلوغ و عقل کے اعتبار کیا
موقع مصالح ہاتھ سے نکل جاتا ہے جو ظاہراً عادۃً کی سعی سے عمر بھر کی مصیبت ہوگا سر اکثر جگہہ
اولیاء اپنے تجربہ و شفقت سے جو تجویز کرینگے وہ مصلحت ہی ہوگی اسی واسطے شریعت مقدسہ نے
اپنے احکام و قواعد میں ان سب واقعات کا لحاظ کرکے مکمل قانون بنا دیا ہے اسلئے میرا یہ مطلب
ہرگز نہیں اور نہ کوئی عاقل یہ بات تجویز کرسکتا ہے کہ بالکل متناکحین کی راے پر رکھدو بلکہ مطلب
یہ ہے کہ اولیاء اپنے تجربہ و شفقت سے مصالح پر پوری نظر کرکے اُسکے بعد بھی احتیاطاً و تفصلاً مراً
الی الموافقہ اگر لڑکا لڑکی مانع ہوں جو (بوجہ اسکے کہ اکثر بلوغ سبب ہوتا ہے ذی راے
ہونے کا) شرعاً ذی راے قرار دیا گیا ہے اس صورت میں قبل اسکے کہ باضابطہ اُنکی رضا و
اذن حاصل کیجاوے یعنی باکرہ بالغہ کو سنا کر اُسکے سکوت کو معیار رضا قرار دیا جاوے اور
نابالغ بالغ سے مجلس میں قاضی کہلوا دے کہ میں نے قبول کی سو اسکے قبل بھی خاص طور پر
اُنکی راے دریافت کرلی جاوے جسکا اچھا طریقہ یہ ہے کہ جن سے وہ بے تکلف ہیں جیسے
ہم عمر دوست اور سہیلیاں اُنکے ذریعہ سے اسطور پر کہ اُنکو یہ نہ معلوم ہو کہ ہمارے بزرگ
ہمسے دریافت کرتے ہیں اُنکا مافی الضمیر معلوم کرلیا جاوے اور تجربہ کی بات ہے کہ اس طریقہ
سے ضرور اُنکے خیالات معلوم ہوجاتے ہیں اور بعض دفعہ تو بے دریافت کئے وہ خود ہی ایسے
بے تکلف دوستوں سے اپنی پسندیدگی یا ناپسندیدگی ظاہر کردیتے ہیں اور اولیاء تک وہ خبریں
پہونچ جاتی ہیں مگر ظلم و ستم ہے کہ پھر بھی بعض محض موہوم مصلحتوں کو پیش نظر رکھکر اُن کے
اس خیال کی کچھ پروا نہیں کیجاتی اور اُنکو گھونٹ داب کر اس بلا میں پھنسا دیا جاتا ہے خصوص
اس زمانہ میں کہ بیحد ہوشیاری کا وقت ہے اسکی بہت ضرورت ہے بہت مقامات ایسے
ہوئے ہیں کہ ناپسندیدگی کی حالت میں نکاح کردیا گیا ہے پھر بلکہ صاحب نے عمر بھر اُس منکوحہ کی
خبر نہیں لی اور فہمایش پر صاف جواب دیدیا کہ میں نے تو اپنی راے ظاہر کردی تھی جسکو

کہ ہر قسم کے مواقع پیش آتے ہیں جن کے لئے کوئی ایک کاربہ کافی نہیں ہو سکتا اسکے لیے پورے قانون کی
ضرورت ہے جو قانون شرعی سے زیادہ جامع اور جملہ مصالح کوئی نہیں ہو سکتا چنانچہ خود جن کے
یہ لوگ تقلید کر رہے ہیں یعنی اہل یورپ وہ خود روزانہ اس قانون شرعی کے استحسان کا اعتراف
کرتے جاتے ہیں پھر انکی نظر سے یہ فطرت کیسے مخفی رہی جسکو اللہ تعالیٰ نے سلیم المزاج طبقۂ اناث
میں ودیعت رکھا ہے کہ حیا اُنکے لب پر مہر سکوت لگائے ہوئے ہے افسوس ان صاحبوں سے
اس امر فطری کی ذرا رعایت نہیں کی اور اگر انکی نظر میں کوئی ایسی جماعت ہو جنمیں یہ امر فطری نہیں
پایا جاتا اور اس وجہ سے اُسکے فطری ہونے میں شبہ ہو جاوے تو جواب یہ ہے کہ علامت فطری
ہونے کی یہ ہوتی ہے کہ جہاں عوارض مرتفع ہوں وہاں اُسکا ظہور ہو سو اس معیار پر اگر تحقیق کیا
جاویگا تو اناث میں اس سکوت ہی کا فطری ہونا ثابت ہوگا اور جہاں یہ نہیں ہے سبب اس کا
خاص طرز ہے تعلیم کا جو کہ خود وہی اناث کے لئے نامناسب ہے ورنہ ادنیٰ درجہ کے لوگوں تک میں
کہ جنمیں نہ علم ہے نہ پردہ ہے ایک شان حیا کی پائی جاتی ہے۔ قربان جائیے شریعت مقدسہ کے کہ
تمام روئے زمین کے اصلی جذبات تک کی رعایت احکام میں فرمائی ہے ان اہل غلو میں سے بعض
کی میں نے حکایت سنی ہو کہ اُنہوں نے اپنی ناکتخدا لڑکی کے نکاح کیوقت علی رؤس الاشہاد اُس
سے پوچھا کہ فلاں شخص سے تمہارا نکاح کیا جاتا ہے تمہاری کیا رائے ہے وہ خاموش رہی پھر
جبر کیا کہ مار ڈالونگا ورنہ رائے ظاہر کرو مجبور بیچاری کو کہنا پڑا کہ ہاں میری مرضی ہے سبحان اللہ کیا
حیلہ جبری سے رائے لی ہے اُن سے کوئی پوچھے کہ کیوں صاحب کیا سچ مچ تمہارے نزدیک
اس طریقہ سے اسکا اصلی مافی الضمیر معلوم ہوگیا بس اسی عقل و دانش پر شریعت پر اعتراض کئے
جاتے ہیں اگر شریعت آپ سے قانون بنواوے تو بس ایسا ہی بناؤ۔

(باقی آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ)

کتبہ اشرف علی سلخ جمادی الآخرہ ۱۳۳۲ھ

کیا گیا ہے اسلئے میں بھی اذکار کو دعا سے علیحدہ لکھونگا
دعا کے متعلق عام تحقیق میں تو اذکار بھی شامل ہے لیکن جہاں ہم ادعیہ ماثورہ کو بیان کرینگے وہاں اذکار کو علیحدہ لکھیں گے۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد اب میں اصل مدعا کو شروع کرتا ہوں وھو حسبی اللہ ونعم الوکیل۔

حصہ اول دعا

دعا کی حقیقت لغۃ کے اعتبار سے

لفظ دعا اور اسکے مشتقات کی لغوی تحقیق اور اسکے استعمالات حقیقی ومجازی کی تفصیل اسقدر زیادہ ہے کہ یہ رسالہ اسکے لئے کسی طرح موزوں نہیں ہے اسلئے میں اس تفصیل کو چھوڑکر چند امور بیان کر دینا کافی سمجھتا ہوں جو میرے مدعا کی توضیح واثبات کے لئے کافی ہوں۔

دعاء۔ دعوۃ۔ دعویٰ یہ تینوں الفاظ مصدر ہیں۔ ان کا ماضی مضارع دعا۔ یدعو آتے ہیں اصل لغت کے اعتبار سے دعا اور دعوۃ کے معنی کسیکو بلانے کے ہیں۔ الدعاء والدعوۃ۔ جو اردو لیکن محض بلانا۔ یا پکارنا۔ یا یاد کرنا ہی نہیں بلکہ دعا اور دعوۃ میں جسکو بلاتے یا پکارتے ہیں اس سے کسی مقصود کی تحصیل کا تعلق ہوتا ہے۔ عرب کے استعمالات پر وسیع نظر ڈالنے سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے

یہ معنی عام ہیں کسی کو بلایا جائے کسی غرض کیلئے بلایا جائے سبکو عام ہیں کسی کی تخصیص نہیں لیکن لفظ دعا کا استعمال بطور عرف لغۃ یا وضع خاص کے اس معنی عام کی ایک خاص فرد میں ہے (۱) اور اب جب لفظ دعا بولا جاتا ہے تو یہی معنی خاص مراد ہوتے ہیں۔

یعنی خدا تعالیٰ کی درگاہ بے نیاز کی طرف راغب ومتوجہ ہوکر نہایت عجز وزاری کے ساتھ اپنے مقاصد قلبی کو پیش کرنا۔ دست طلب دراز کرنا۔

قاموس نے لفظ دعا کی لغوی تشریح اسی معنی کی اشارت سے کی ہے۔

الدعاء الرغبۃ الی اللہ | دعا کے معنی خدا تعالیٰ کی طرف رغبت کرنے کے ہیں۔

صاحب تاج العروس اسکی شرح میں لکھتے ہیں۔

کے باوجود خداوند عالم کے وعدہائے مستحکم کو لحاظ رکھا جائے۔ اور پھر یہ دیکھا جائے کہ باوجود
بار بار کی دعا کے مدعاء دلی پورا نہیں ہوتا۔ بلکہ حاجتمند اُس درگاہ قادر علی الاطلاق سے ذلیل محروم
واپس آتا ہے تو دوسری مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ اس حالت کو دیکھکر جو روزمرہ مشاہدہ ہوتی
رہتی ہے۔ یہ سہل معلوم ہوتا ہے کہ دعا کو محض ایک تعبدی امر مان لیا جائے جو محض تعمیل حکم خداوندی
کیلئے مخلوق پر واجب ہے اُس سے کسی نتیجہ پر پہونچنے کی ہرگز توقع نہ رکھی جائے۔ اور تاثیر دعا کے
لاینحل مسئلہ کو مان کر ہمت ہی جواب دے ایسے سپرد کی جائے

مسئلہ دعا کی اس اہمیت کو دیکھکر میرا خیال ہوا کہ تعلیمات اسلام ہر طرح مکمل ہیں ممکن نہیں کہ شریعت کے
جس امر کی ایسے اہتمام سے تعلیم دی ہو اسکا کوئی پہلو ناقص و ناتمام باقی رکھا ہو۔ اور میں نے ارادہ
کرلیا کہ سلسلہ تعلیمات اسلام میں مسئلہ دعا کو پوری طرح بیان کر دیا جائے

دعا و اذکار کے متعلق مستقل اور مبسوط کتابیں تصنیف ہو چکی ہیں۔ اور اس اعتبار سے بظاہر
ایک کسی ہی تصنیف کی حاجت نہ تھی لیکن جو باتیں مجھکو پیش نظر ہیں اُن کے اعتبار سے ضرورت
محسوس ہوئی کہ اس مسئلہ پر کچھ لکھوں جو امور میں اس تحریر میں ملحوظ رکھنا چاہتا ہوں انکا کسی ایک جگہ
ملنا دشوار ہے

میرا خیال ہے کہ اس رسالہ کے ذریعہ سے مسلمانوں پر دعا کی حقیقت۔ اور اسکی تاثیرات اللہ
و آداب کا انکشاف بخوبی ہو جائے۔ اور اوقات مخصوصہ یا حالات خاصہ یا مقامات متبرکہ کی متعلق
جو ادعیہ منقول ہیں اُن کو بھی بقدر ضرورت بیان کر دوں اور ساتھ ہی اگر ہو سکا تو اسکی بھی کوشش
کرونگا کہ ان دعاؤں کو ان حالات یا اوقات سے کیا مناسبت ہے۔ یہ بحث اگرچہ طویل اور مشکل ہے
مگر میں خدا تعالیٰ کے فضل و امداد پر بھروسہ کرکے انکی کوشش ضرور کرونگا مجھے امید ہے کہ یہ رسالہ
اپنے موضوع میں بہتر اور مفید رسالہ ہوگا۔ اور دعا کے متعلق سب خلجان رفع ہو جائیں گے ہر موقع
کے مناسب صحیح دعائیں سہولت سے دستیاب ہو جائیں گی اسکے شرائط و آداب صاف صاف
ذہن نشین ہو جائیں گے

استغفار اگرچہ دعا سے علیحدہ نہیں ہے کیونکہ طلب حصول مقاصد دینی یا دنیوی یا طلب عفو
جرائم سب مفہوم دعا میں داخل ہیں مگر چونکہ طلب عفو جرائم کو اصطلاح شرع میں استغفار سے تعبیر

انه كل شيء قدير واسماء الحسنى والتمجيد والتحميد دعاء لانه معرض له واستيجاب ثواب الله وجزائه كالحديث الاخبار اشغل عبدي ثناءه على عن مسئلتي اعطيته افضل ما اعطي السائلين۔

اسلئے اللہ کی حمد کو بھی دعا کہتے ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو میرا بندہ ثنا کرنے میں اس قدر مشغول ہو کہ سوال کی فرصت نہ پائے تو میں اسکو سائلین سے بھی زیادہ اور اچھا دیتا ہوں۔

ابو اسحاق کے اس بیان سے ہمارے دو مدعا ٹھیک طور ثابت ہو گئے
اول یہ کہ دعا فقط بلانے یا پکارنے کا نام نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو ان کو یہ کہنے کی حاجت نہ تھی کہ چونکہ تہلیل و تمجید طلب مقصود و سوال حاجت کے برابر ہے اسلئے ان پر دعا کا اطلاق کیا گیا اور یہ وہی بات ہے جسکو ہم (دعا کی حقیقت کے) بیان کے ذیل میں امام رازی کی تفسیر میں سے لکھ چکے ہیں

وحقيقة الدعاء استدعاء العبد ربه جل جلاله العناية واستمداده اياه المعونة جلد ثاني صفحہ ۱۲۹

حقیقت دعا یہ ہے کہ بندہ اپنے رب سے عنایت اور مدد و اعانت کا طالب ہو

دوم یہ کہ عبادت و ذکر و تسبیح میں مشغول ہونا بھی دعا میں داخل ہے۔ گو زبان سے دعا کرے یا نہ کرے اور اس سے بطریق اولیٰ یہ بھی ثابت ہو جائیگا کہ زبان سے گو سوال نہ کرے مگر دل سے سوال کرے تو وہ بھی دعا میں داخل ہوگا

اور یہی وہ مضمون ہے جسکو اس بیان میں ہم ثابت کرنا چاہتے تھے۔
خلاصہ یہ ہے کہ شریعت میں دعا اسکو کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سامنے تذلل و تضرع کے ساتھ اپنے مطالب کو خواہ دینی ہوں یا دنیوی بطلب عفو جرائم ہو۔ یا بطلب منافع۔ خواہ زبان سے یا دل سے۔ قال سے ہو یا حال سے پیش کرے۔

فضیلت و مرتبہ دعا

خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو آلائش کدورات سے طاہر و مطہر بنانے اُنکو اپنی ذات پاک کے سوا تمام تعلقات سے یکسوئی اور انقطاع پیدا کرنے ان کو اپنی درگاہ عالی میں درجہ قرب و اختصاص عطا کرنیکے لئے اُن پر ہر قسم کی عبادت مالی و بدنی۔ روحی و قلبی

مطلب پیش نہ کرے اسکو بھی شرع میں دعا کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا تسبیح ورد و عبادت خدا و بندگی
نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰة۔ تلاوت قرآن۔ ذکر و فکر میں مشغول رہے اور ایک دفعہ بھی اپنی حاجت
کو پیش نہ کرے یہ بھی دعا ہے۔

وقال ابو اسحٰق فی قولہ اجیب دعوة
الداع اذا دعان ان معنی الدعاء
للّٰہ علی ثلثة اوجہ فضرب منہا توحیدہ
والثناء علیہ کقولک یا اللّٰہ لا الہ
الا انت وکقولک ربنا لک
الحمد اذا قلتہ فقد دعوتہ بقولک
ربنا ثم اتیت بالثناء والتوحید ومثلہ
قولہ وقال ربکم ادعونی استجب لکم
ان الذین یستکبرون عن عبادتی
فہذا ضرب من الدعاء والضرب
الثانی مسئلة اللّٰہ العفو والرحمة وما
یقرب منہ کقولک اللّٰہم اغفر لنا والضرب
الثالث مسئلة الحظ من الدنیا کقولک
اللّٰہم ارزقنی مالا وولدا وانما سمی
ہذا جمیعہ دعاء لان الانسان یصدر
فی ہذہ الاشیاء بقولہ یا اللّٰہ یا رب
یا رحمٰن فلذلک سمی دعاء وفی حدیث
عرفة اکثر دعائی ودعاء الانبیاء
قبلی بعرفات لا الہ الا اللّٰہ وحدہ
لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وہو

ابو اسحاق اللہ تعالیٰ کے ارشاد اجیب دعوة
الداع کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے دعا
کرنا تین طرح ہے ایک قسم تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی
توحید اور اسکی ثنا و صفت کرے مثلاً کہے یا اللہ
لا الہ الا انت یا کہے ربنا لک الحمد اور اسی کی
مثل ہے قول باری تعالیٰ کا وقال ربکم
ادعونی استجب لکم دوسری قسم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ
سے عفو و رحمت اور اُن باتوں کا سوال کرے جس سے
اُسکا قرب حاصل ہو مثلاً اللہم اغفر لنا کہنا۔
تیسری قسم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے دنیا کی کسی چیز
کو طلب کرے مثلاً کہے الٰہی مجھکو مال و دولت دیدے
ان تینوں قسموں کو دعا اسلئے کہتے ہیں کہ ان الفاظ
میں ابتداءً یا اللہ یا رب یا رحمٰن کا استعمال
ہوتا ہے عرفہ کی حدیث میں آیا ہے میری اور
مجھسے پہلے جو انبیاء گذرے ہیں اُن کی اکثر دعا
عرفات میں یہ ہوتی تھی لا الہ الا اللہ وحدہ
لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وہو
علی کل شیء قدیر۔
تہلیل و تحمید اگرچہ سوال نہیں مگر چونکہ استحقاق
ثواب و جزا و اجر ہیں اسلئے انکو بھی دعا کہتے ہیں

اشتہار

۱۔ چونکہ ممکن ہے کہ عام طور پر یہ معلوم نہ ہو کہ اعلیٰ حضرت ملک معظم کے صاحب سیکریٹری آف اسٹیٹ بہادر کے احکام کے بموجب اُن ہندوستانی طالب علموں کی مدد کیلئے جو ملک انگلستان کو جاتے ہیں کیا تدبیریں اختیار کی گئی ہیں مختصر حالات مندرجہ ذیل عام اطلاع کے لئے مشتہر کئے جاتے ہیں۔

۲۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں ایک بورڈ (حالات بتانے کا دفتر) لندن میں حالات سے مطلع کرنے کیلئے اور ایک مستقل کمیٹی بھی عام مشورہ دینے کی غرض سے قائم کی گئی۔ بورڈ کے فرائض یہ ہیں کہ اُمور تعلیمی کی بابت سہولت کی غرض سے جو باتیں دریافت کی جائیں اُن کا جواب دے اور ایک فہرست ایسی قیام گاہوں اور بورڈنگ ہوسوں کی جو ہندوستانی طلبہ کے لئے مناسب ہوں اور ایسے خاندانوں کی جو ہندوستانی طلبہ کو ایسے شرائط پر جو طے ہو جائیں اپنے گھر پر رکھنے پر آمادہ ہوں تیار رکھے اور عام طور پر ہر قسم کی مدد جو ممکن ہو دے طلبہ کو اور اُن کے والدین کو جو ملک ہند میں مقیم ہوں دے۔

۳۔ کمیٹی مشورہ کا یہ فرض ہے کہ طلبا اور اُن کے والدین کو حالات سے مطلع کیا کرے اور مناسب مشورہ دیا کرے اور ایسے طلبہ کی بابت جن کے والدین خود نگرانی اُن کی تعلیم کی نہ کر سکتے ہوں جہاں تک ممکن ہو فرائض والدین ادا کرے۔ اس کمیٹی کے ممبر خاص طور پر راہ و رسم ملاقات و آمد و رفت وغیرہ کے متعلق طلبہ کو مدد دینے کیلئے طیار ہیں۔

۴۔ انگلستان کے سینٹرل بورڈ اور کمیٹی مشورہ کی کارروائیوں میں مدد دینے کیلئے ملک ہند کے ہر صوبہ میں سوائے صوبہ برہما اور صوبہ سرحد شمال و مغرب کے مقامی کمیٹیاں قائم ہوئی ہیں۔ ہندوستانی طلبہ کیلئے ایک پروونشیل کمیٹی مشورہ اس صوبہ میں بھی قائم ہے جس کا دفتر بمقام الہ آباد ہے۔ اس کمیٹی کے فرائض یہ ہیں۔

(۱) ایسے ہندوستانی طلبہ کو حالات سے مطلع [illegible]

کہ فرض کیا ہے نماز، روزہ اگر بدنی عبادت ہیں۔ تو زکوٰۃ مالی۔ حج و جہاد دونوں کو شامل ہے اور ان سب کیلئے عبادت قلبی شرط ہے یعنی نیت عبادت و اخلاص۔ نیت نہ ہو تو کوئی عبادت عبادت ہی نہیں ہے انما الاعمال بالنیات (عمل کا مدار نیت پر ہے) اخلاص نہ ہو تو گو ادا فرض سے ظاہراً سبکدوش ہو جاتا ہے۔ مگر وہ عبادت نہ مقبول ہے۔ نہ اُس سے جو مقصود ہے وہ حاصل ہوتا ہے نہ اجر و ثواب اُس پر مرتب ہوتے ہیں لیکن دعا کو جو فضیلت و وقعت عطا فرمائی گئی ہے۔ اور جن آثار کے ترتب کا اُس پر وعدہ کیا گیا ہے وہ کسی کو حاصل نہیں جناب باری عز اسمہٗ ارشاد فرماتے ہیں۔

وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین۔	تمہارے رب نے کہا مجھ سے دعا کرو میں قبول کرونگا۔ جو لوگ تکبر کرتے ہیں میری عبادت سے قریب ہے داخل ہونگے جہنم میں ذلیل ہو کر۔

اس ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ جو لوگ دعا سے اعراض کرتے ہیں وہ حقیقتاً عبادت سے اعراض کرتے ہیں کیونکہ عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنے افعال و اعمال سے اس امر کو ظاہر کردے کہ میں بندہ ہوں اور وہ رب۔ میں مخلوق ہوں، وہ خالق میں محتاج ہوں وہ غنی میں عاجز ہوں وہ قادر۔ غرض ہر ادا سے اپنی عبدیت و افتقار کو اور اُسکی معبودیت اور مالکیت کو ظاہر کرے۔ جو شخص عبادت کی حقیقت کو سمجھتا ہے وہ ان افعال کو محض عادۃً و رسم کے طور پر ادا نہیں کرتا۔ اسپر بالکل منکشف اور واضح ہوتا ہے کہ میں اپنے اختیار سے اپنی ذات کو نفع و نقصان کچھ نہیں پہونچا سکتا۔ مالک نفع و ضرر اور منعم و معطی حقیقی وہی ہے۔ اسلئے جو شخص حقیقتاً عبادت کرتا ہے وہ اپنے تمام ارادوں، خیالات۔ اور اسباب ظاہرہ سے کامل انقطاع کرکے خداوند عالم کے سامنے مع اپنے تمام حوائج کے پیش ہوتا ہے۔ دل سے سب تخیلات کو مٹا کر اور لوح سادہ بنکر حاضر ہوتا ہے۔

اور دعا کی حقیقت بھی یہی ہے کہ سوا خداوند عالم کے کسی کو معطی و مانع نہ سمجھے۔ اور پوری تذلل و انقیاد سے خود مع اپنے تمام حوائج کے اُسکے سامنے پیش ہو کر زبان سے یا دل سے سوال کرے۔ پس جو شخص کہ دعا سے اعراض کرتا ہے۔ دعا کو مؤثر نہیں سمجھتا اُسکے یہی معنی ہیں کہ

کوئنس کالج بنارس۔

(۱۶) پرنسپل میور سنٹرل کالج۔ الہ آباد۔

(۱۷) ایم ٹی کیمرن صاحب ایم اے پرنسپل کیننگ کالج۔ لکھنؤ۔

(۱۸) رائٹ ریورنڈ لارڈ بشپ آف لکھنؤ۔

(۱۹) جے ایچ ٹول صاحب پرنسپل محمڈن اینگلو اورینٹل کالج۔ علیگڈھ

(۲) ٹی سی جونس صاحب پرنسپل آگرہ کالج۔ آگرہ

(۲۱) ڈاکٹر سی وسٹر صاحب پرنسپل یونیورسٹی لا کالج الہ آباد

(۲۲) لفٹنٹ کرنل ڈاباسیلی صاحب۔ آئی ایم ایس۔ پرنسپل کنگ جارج میڈیکل کالج۔ لکھنؤ۔

(۲۲) اے یوسف علی صاحب۔ آئی سی ایس شاہجہانپور۔

(۲۴) اے چیٹرجی صاحب۔ آئی سی ایس۔ لکھنؤ۔

(۲۵) سالال صاحب آئی سی ایس۔ مرادآباد۔

(۲۶) رائے گیندرا ناتھ چکرورتی بہادر انسپکٹر مدارس۔ الہ آباد

(۲۷) پنڈت سیتلا پرساد باجپئی۔ جج ماتحت۔ لکھنؤ۔

(۲۸) آنریبل نواب عبدالمجید۔ سی آئی اے۔ بیرسٹرایٹ لا الہ آباد

(۲۹) کنور شمبھوناتھ رکھ بیرسٹرایٹ لا۔ شاہجہانپور۔

(۳۰) مسٹر حامد علی خاں بیرسٹرایٹ لا۔ لکھنؤ۔

(۳۱) آنریبل مسٹر جسٹس محمد رفیق۔ الہ آباد۔

(۳۲) مسٹر آفتاب احمد خان۔ بیرسٹرایٹ لا۔ علیگڈھ۔

(۳۳) آنریبل شیخ شاہد حسین بیرسٹرایٹ لا۔ لکھنؤ۔

(۳۴) آنریبل مسٹر ایس این سنہا بیرسٹرایٹ لا۔ الہ آباد

(۳۵) آنریبل پنڈت موتی لال نہرو ایڈووکیٹ الہ آباد

(۳۶) رائے مہندر ناتھ عہدہ دار بہادر۔ لکھنؤ۔

ایک ضروری گذارش

حامداً و مصلیاً

امّا بعد جس قدر محبت اور حسن عقیدت سے الرشید کی طرف مسلمان التفات فرما کر ہماری ہمت افزائی فرما رہے ہیں ہم تہہ دل سے اُنکے شکرگذار ہیں گو ہمارا رسالہ ابھی زیادہ تعداد میں شائع نہیں ہوا ہے مگر بحمدہ تعالیٰ روزانہ جو درخواستہائے خریداری کی موصول ہو رہی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ القاسم کی طرح الرشید بھی جلد اچھی ترقی کریگا

درخواست خریداری کے ساتھ بعض حضرات الرشید کی نسبت اپنی رائے بھی تحریر فرما دیتے ہیں ہمارا خیال ہے کہ جب یہ آرا جمع ہو جاویگی تو ہم اُن کو الرشید میں شائع کر دینگے۔

بعض دوستوں کا خیال ہے کہ القاسم کے ہوتے ہوئے الرشید کے اجرا کی کیا ضرورت تھی اور اندیشہ ہے کہ اس سے القاسم کی اشاعت میں کمی ہو۔ اس خیال کے متعلق ہم صرف اسقدر عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جن خیرخواہان اسلام اور دردمندان دین کے بیحد اصرار اور ان گنت تقاضوں پر الرشید کا اجرا ہوا ہے اور اُن کو کئی سال تک انتظار کی زحمت بھی برداشت کرنیکے بعد الرشید کا دیدار نصیب ہوا ہے اُنکے دلوں سے کوئی پوچھے کہ الرشید کے اجرا کی کیا ضرورت تھی اور چونکہ الرشید میں بعض سلسلے مضامین کے خاص ہونگے اور اس وجہ سے اسکی نوعیت دوسری ہوگی تو ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا بیجا ہوگا۔

القاسم کو پندرہ روزہ کرنے میں یہ ضرور تھا کہ اکثر خریدار دُگنی قیمت کو برداشت نہ کر سکتے تھے اور اُن کو بادل ناخواستہ ایک مرغوب طبع رسالہ کو بند کرنا پڑتا اور یا بہ تکلف اسکی خریداری پر آمادہ ہوتے ہمنے خریداروں کی اس وقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہی مناسب سمجھا کہ بجائے القاسم کو پندرہ روزہ کرنیکے الرشید کو جاری کر دیں کہ خریداران القاسم میں سے جو حضرات بطیب خاطر الرشید کو خرید فرمائیں وہ ان دونوں رسالوں سے متمتع ہوں اور جو حضرات کسی وجہ سے نہ فرماویں تو اُنکا سلسلہ مضامین ناقص نہ رہے۔ الرشید اور القاسم کو دل چاہے دو رسالے مستقل خیال کر لئے جائیں اور دل چاہے ایک رسالہ پندرہ روزہ سمجھ لیا جائے دونوں حیثیتیں ان میں موجود ہیں۔ ہاں خیال یہ ہے کہ الرشید میں عوام کی زیادہ رعایت مدنظر ہو۔ شعبان کا القاسم و الرشید شعبان میں شائع ہو جائیگا۔ اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ ہر مہینہ کے پہلے ہفتہ میں القاسم اور آخر ہفتہ میں الرشید شائع ہوتا رہیگا۔

مسلمان باوجود اپنے غربت و افلاس کے جب اپنی خواہشات کے پورا کرنے میں بخل کو سدراہ نہیں بناتے ہیں تو ہم اُنکو ضرور یہ مشورہ دینگے کہ وہ ان دونوں رسالوں کی خریداری میں کوتاہی نہ کریں اور اُن کو چند روز کے تجربہ سے ہمارے مشورہ کی صحت کا اندازہ ہو جائیگا اور ہمکو اس نیک مشورہ میں اسلئے کوئی مانع نہیں ہے کہ یہ دونوں رسالے ہمارے کمائی کا ذریعہ اور ہماری بھیک کا ٹھیکرا نہیں بلکہ دارالعلوم دیوبند کی طرف سے اشاعت اسلام کیلئے دو گرامی قدر داعی ہیں جو اپنی خدمت دینی کیلئے مامور ہیں۔ پھر ہمارا یہ کہنا کہ یا قومنا اجیبوا داعی اللہ کچھ بیجا نہیں ہے اسیلئے ہم یہ آواز لگا کر مسلمانوں سے اسکی اجابت کے منتظر ہیں۔

خاکسار سراج احمد رشیدی کان اللہ لہ معتمد المدیر القاسم و الرشید

(۳۷) آنریبل رائے گوکل پرشاد بہادر۔ الہ آباد

(۳۸) شیخ حبیب اللہ (ڈپٹی کلکٹر) سحر ریاست محمود آباد

(۳۹) سی جی ریس صاحب پرنسپل کالون اسکول تعلقہ داراں۔ لکھنؤ۔

(۴۰) ڈبلو جیس صاحب پرنسپل میرٹھ کالج۔ میرٹھ۔

(۴۱) ریورینڈ کلاڈ ہیلی صاحب وارڈن آکسفورڈ کیمبرج ہوسٹل۔ الہ آباد۔

(۴۲) ریزیڈنٹ اندور۔

(۴۳) پولیٹکل ایجنٹ بھوپاور سودارپور۔

(۴۴) پولٹکل ایجنٹ مالوا نیمچ

(۴۵) پولیٹکل ایجنٹ بھوپال سیہور۔

(۴۶) پولیٹکل ایجنٹ بگھیلکھنڈ ستنا۔

(۴۷) پولیٹکل ایجنٹ بندیلکھنڈ۔ نوگاؤں۔

(۴۸) ہنری مارٹن ٹل صاحب انسپکٹر جنرل تعلیم۔ گوالیار۔

(۴۹) ولیڈرای جارڈین صاحب سی آئی ای۔ آئی سی ایس۔ ریزیڈنٹ گوالیار۔

(۵۰) مسٹر جے پی سرلواسٹو۔ ٹکنولاجیکل انسٹیٹیوٹ۔ کانپور۔

(۵۱) آنریبل مسٹر جسٹس سیمسر۔ پیونی جج ہائی کورٹ آف جوڈیکیچر۔ الہ آباد

(۵۲) جی ار میسے صاحب رجسٹرار ہائی کورٹ ممالک مغربی وشمالی۔

(۵۳) مسٹر آر کے سوراب جی بیرسٹرایٹ لا۔ سکریٹری۔

۶۔ ایسے والدین اور ولیوں سے جو اپنے لڑکوں یا وارڈوں کو ملک انگلستان کو بھیجنا چاہتے ہیں یہ استدعا کیجاتی ہے کہ ممالک غیر کی تعلیمی اور راہ ورسم ملاقات و آمدورفت وغیرہ کے معاملات کی نسبت ضروری حالات دریافت کرنے کی غرض سے سیکرٹری مسٹر آر کے سوراب جی بیرسٹرایٹ لا الہ آباد یا ممبران کمیٹی میں سے کسی ممبر سے درخواست کریں۔

ایچ ایم اسمتھ۔

سیکرٹری۔

(رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۳۲)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی۔ مذہبی۔ اخلاقی۔ تمدنی۔ تاریخی۔ ماہوار رسالہ

نمبر ۱۲ بابت ماہ رجب المرجب ۱۳۳۱ھ جلد ۳

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مطبع قاسمی واقع دیوبند میں اپنے اہتمام سے طبع کرایا

اور

مدرسہ اسلامیہ دیوبند سے شائع کیا

قواعد و ضوابط رسالہ القاسم

۱۔ یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا بلکہ بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھ جاتا ہے۔

۲۔ یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوتا ہے اور عام قیمت سالانہ مع محصول دو روپیہ آٹھ آنہ ۲/۸ پیشگی لیجاتی ہے۔ ممالک غیر سے صرف اسی قدر زیادہ لیا جائیگا جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

۳۔ جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچ روپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائیں گے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہونگے۔ اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہے گی۔

۴۔ سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے جملہ حضرات کی خدمت میں شروع کا (یا خریدار کا جب سال شروع ہوا اسکا) پہلا پرچہ ویلو بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کرکے ۲/۹ کا ویلو روانہ ہوگا۔

۵۔ یہ رسالہ ہرگز کبھی کسی صاحب کی خدمت میں بلا طلب و تحریک ویلو نہیں روانہ کیا جاتا بعض حضرات خود طلب فرماتے ہیں اور بعض حضرات اپنے اعتماد پر دوسروں کی خدمت میں ویلو بھیجنے کی فرمائش کرتے ہیں۔

۶۔ ۱۵ شعبان ۳۲ھ مطابق جولائی ۱۴ء سے اس رسالہ کا چوتھا سال شروع ہوا ہے پہلے تین سالوں کی مکمل جلدیں موجود ہیں۔ قیمت ہر جلد کی ۲/۹ مع محصولڈاک ہے۔

۷۔ نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں ان کے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کئے جائیں گے جو اصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہ ہوں۔

۸۔ القاسم کے متعلق جملہ تحریرات و ترسیل زر بنام حضرت مدیر یا بنام خاکسار ہونی چاہیئے۔

محمد حبیب الرحمٰن مہتمم رسالہ القاسم دفتر القاسم مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معارف القرآن

ولنعم ما قیل

جمیع العلم فی القرآن لکن تقاصر عنہ افہام الرجال

(سورۃ الجمعۃ)

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ

اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو کوئی چیز آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے جو بادشاہ پاک ذات زبردست حکمت والا ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ

وہ ہی ہے جس نے بھیجا ان پڑھے لوگوں میں ایک پیغمبر اُن ہی میں سے وہ اُن پر پڑھتا ہے اُسکی آیتیں

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ

اور اُنکو پاک صاف کرتا ہے اور اُنکو سکھلاتا ہے کتاب اور حکمت اور اس سے پہلے وہ لوگ صریح

لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

گمراہی میں پڑے ہوئے تھے اور اُن ہی میں سے دوسرے لوگوں کی طرف بھی (اُسکو پیغمبر بنا کر بھیجا) جو ابھی تک اُن سے نہیں ملے اور وہ ہی زبردست حکمت والا

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

یہ اللہ کا فضل ہی دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ

ان لوگوں کی مثال جن پر توراۃ لادی گئی پھر اُنہوں نے اُسکو نہ اٹھایا اُن گدھے کی سی ہے جس کی پیٹھ پر لدی ہیں

أَسْفَارًا ۚ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

لدی ہوں بری مثال ہے اُن لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو اور اللہ نہیں ہدایت دیتا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابتہ ماہ رجب المرجب ۱۳۳۱ھ

(مطابق ماہ جولائی ۱۹۱۳ء)

جو حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

(اور)

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

شائع ہوتا ہے۔

مختصر قواعد رسالہ القاسم

(۱) یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا گو بعض مرتبہ بضرورت کثرت مسائل اس مقدار سے بہت بڑھ جاتا ہے۔

(۲) رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر عمدہ طبع ہوتا ہے اور سالانہ قیمت عہ ہے بطور خود بہ نظر اعانت جو حضرات پانچ روپیہ سالانہ یا اس سے زیادہ دیتے ہیں وہ معاونین خاص شمار ہوتے ہیں۔

(۳) رجب ۱۳۳۱ھ پر اسکی تین جلدیں کامل ہو گئی اور بعض پرچے جو ختم ہو گئے انکو دوبارہ طبع کرا کر تین سال کی کامل جلدیں مہیا و مرتب کی گئی ہیں۔ جلد اول۔ جلد دوم۔ جلد سوم کو مل سکتی ہے۔

(۴) خط و کتابت و ترسیل زر مولانا حبیب الرحمن صاحب مدیر یا خاکسار راقم کے نام ہونی چاہیے۔

الراقم

فقیر اصغر حسین عفی عنہ۔ دفتر القاسم مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

کے واسطے (جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں) اُس ملک کا دارالاسلام ہونا اور اُسمیں مسلمان والی یا امیر کا پایا جانا شرط نہیں ہے اور یہ کہ جمعہ کا خطبہ خواہ کسی ملک میں پڑھا جائے اور اُسکے مخاطبین کی زبان خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن ہر حالت میں اُسکا عربی زبان میں ہونا اسلام کی تمدنی حالت کا لحاظ رکھنے والوں کے نزدیک نہایت ضروری ہے۔

یہ وہی دو دو مسئلے ہیں جنکو زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ ہندوستان کے مختلف گروہوں کے مسلسل (مگر اکثر بے معنی) خامہ فرسائیوں نے دقیق سے ادق اور دشوار سے لاینحل بنا کر اُن معرکۃ الآراء مسائل کی فہرست میں لپیٹ کر رکھ چھوڑا تھا جو بسبب مشکل اور ناقابل حل ہونے کے ہمارے اعوان حرمت اور مدعیان تحقیق کے نزدیک ہندوستان کے کم پایہ مولویوں کے احاطۂ فہم سے خارج ہیں۔

اگرچہ اس قسم کے مسائل پر (جسکی شورا شوری بہت دن تک رہکر خاموش ہو چکی ہے) آجکل از سر نو پھر بحث اُٹھانا (خواہ وہ بحث کتنی ہی دلچسپ اور مفید کیوں نہ ہو) بالکل بے ہنگام سے زیادہ وقیع نہیں سمجھی جائیگی لیکن اگر تعمق نظر اور انصاف سے دیکھا جائے تو ایک ایسے مسئلہ کی نسبت (جسپر روئے زمین کے مسلمانوں کا ہر حصہ میں ایک دفعہ عمل پیرا ہونا شرعًا ضروری قرار دیا گیا ہو اور جو اُخروی فوائد سے قطع نظر کرکے اُسکے تمدنی امور میں بھی کامل طور پر مؤثر ہو) کسی وقت اور کسی حالت میں بھی بحث کرنا یا اُسکے تمام پہلوؤں کو امکانی شبہات سے محفوظ بنانا ہرگز بالکل بے ہنگام کہلانے کے قابل نہیں ہے۔

بالخصوص جبکہ ہمارا مقصود بھی فی الحال اس مسئلہ کا بیان کرنا نہ ہو بلکہ شیخ عبدالعزیز شاویش کی تحریر پر (ریویو) تنقید لکھکر صرف یہ دکھلانا ہو کہ باوجود مدعا میں شریک ہونے کے بھی مصر۔ اور قسطنطنیہ وغیرہ کے آزاد فضلاء اور ہندوستان کے دل گرفتہ مولویوں کے طریق استدلال اور طرق احتجاج و مدافعت میں کس قسم کا بیّن اور نتیجہ خیز فرق ہے۔ اور یہ کہ روایات حدیث کا احترام۔ اقوال سلف (صحابہ اور تابعین وغیرہم) کا ادب درایت و فہم کے اصول کی ابدی شریعت کے اسرار میں تدبر اور ائمہ مجتہدین یا فقہاء کرام کے نقل یا رد و قبول میں احتیاط - ان تمام امور کے لحاظ سے مدینہ یونیورسٹی کے (تجویز شدہ) پرنسپل اور دارالعلوم دیوبند کے ایک ادنیٰ طالبعلم

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ

اُن لوگوں کو جو حد سے تجاوز کریں۔ کہدے کہ اے یہود اگر تم دعوے کرتے ہو کہ تم اللہ کے دوست ہو

لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ

تمام لوگوں کے سوا تو آرزو کرو مرنے کی اگر تم سچے ہو اور یہ لوگ کبھی موت کی تمنا کرینگے

اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ

اُن کرتوتوں کی وجہ سے جو انکے ہاتھ پیش کر چکے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔ کہدے کہ موت جس سے تم

تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ

بھاگتے ہو وہ ضرور تم سے ملکر رہیگی۔ پھر تم لوٹائے جاؤگے غائب و حاضر جاننے والے کی طرف تو وہ تمکو جتائے گا

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ

جو تم کرتے تھے۔ مسلمانو۔ جب اذان دیجائے نماز کے لئے جمعہ کے دن

الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

تو لپکو اللہ کے ذکر کی طرف اور چھوڑ دو خرید فروخت یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھ

تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ

رکھتے ہو۔ پھر جب نماز تمام ہو چکے تو پھیل پڑو زمین میں اور طلب کرو اللہ کا فضل

اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ

اور یاد کرو اللہ کو کثرت سے تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور جب یہ دیکھیں سودا بکتا یا

لَهْوَا انْفَضُّوْۤا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ

تماشہ ہوتا (تو) چل دوڑیں اسکی جانب اور تجھکو کھڑا چھوڑ جائیں کہدے کہ جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے تماشہ

وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝

اور سودے سے۔ اور اللہ سب سے بہتر روزی پہنچانے والا ہے۔

کچھ دن ہوئے کہ شیخ عبد العزیز شاویش نے اپنے رسالہ الہدایت میں جو قسطنطنیہ سے ماہوار شائع ہوتا ہے کسی سوال کے جواب میں ایک مضمون چھاپا تھا جسکا حاصل یہ کہا کہ اقامت جمعہ

بھی دارین میں نفع پہنچے۔

سورۃ الجمعہ کے متعلق تفسیری اقتباسات

(۱) مفسرین کی عام عادت کے موافق سب سے پہلے اس سلسلے کی ضرورت ہے کہ سورہ جمعہ کو پہلی سورۃ (صف) سے کیا تعلق ہے جو اس کو مصحف عثمانی میں اس کے بعد رکھا گیا۔

(۲) سورہ صف کی ابتدا اس آیت سے کی گئی تھی سبح للہ ما فی السموات وما فی الارض وھو العزیز الحکیم۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ گذشتہ زمانہ میں تمام زمین و آسمان کی چیزیں اس خدا کی تسبیح و تقدیس میں مصروف رہیں جو بڑے غلبہ و حکمت والا ہے۔

اس سے یہ فیصلہ نہیں ہوتا تھا کہ ان چیزوں کی یہ مصروفیت گذشتہ کی طرح آئندہ بھی جاری رہیگی یا نہیں۔ تو سورہ جمعہ کی شروع کی آیت (یسبح للہ ما فی السموات وما فی الارض الملک القدوس العزیز الحکیم) سے اس مضمون کو مکمل کر دیا۔ اور صیغہ ماضی (سبح) کے بجائے صیغہ مضارع (یسبح) لاکر یہ جتلا دیا گیا کہ جس طرح عالم کا ہر ایک ذرہ خدا تعالیٰ کی تنزیہ اور الوہیت کا اقرار (زبان حال سے یا مقال سے) پہلے کرتا رہا ہے اسی طرح آئندہ بھی برابر کرتا رہیگا۔ اور اس میں یہ بتانا ہے کہ جس ذات پاک کے حق میں سمندر کا ہر قطرہ اور ریگستان کا ہر ذرہ اور درختوں کا ہر پوست اور ورق وسبیت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو۔ تو اسی کا اقتدار تمام عالم پر حاوی اور اسی کی سلطنت تمام ظاہری سلطنتوں میں قوی تر اور وسیع تر سمجھی جائیگی جس کی وجہ سے اس ذات جامع الکمالات کے سوا کوئی دوسرا شخص ہرگز ملک علی الاطلاق یا قدوس عزیز حکیم وغیرہ القاب سے موسوم کئے جانے کے قابل نہ ہوگا۔ فسبحان من قال جل جلالہ وعم نوالہ۔

یسبح للہ ما فی السموات وما فی الارض الملک القدوس العزیز الحکیم۔

یہ خلاصہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے حواشی کا ہے لیکن سید محمود آلوسی بغدادی نے سورہ جمعہ اور سورہ صف کے باہمی تعلق کی اور بھی چند توجیہات کی ہیں جنکو اختصاراً درج کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔

اللہ تعالیٰ نے یاد کرائی ما قبل حال موسیٰ	اللہ تعالیٰ نے پہلی (سورہ صف) میں حضرت موسیٰ

کے حالات وخیالات کس درجہ متفاوت ہیں۔ یہ ایک اتفاقی بات ہے کہ جب میں نے شیخ صاحب موصوف کے مضمون میں غور کرنا شروع کیا اور میرا ذہن قرآن شریف کی آیت جمعہ (یاایھا الذین امنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ الخ) کی طرف منتقل ہوا تو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ کے بعض مختصر اصول اور سنن ابوداؤد کی ایک روایت اور بعض دوسرے قرائن عقلیہ صادقہ کے اختلاط سے پوری سورۃ الجمعہ کا ایک ایسا عجیب تسلسل (بتوفیق ایزدی) سمجھ میں آیا کہ جو بہت چھوٹا سا مضمون میں لکھنا چاہتا تھا وہ اپنے اندازہ سے نکلکر تل کا پہاڑ بنگیا۔ اور اب اُس مضمون نے اچھی خاصی معارف القرآن کی حیثیت اختیار کرلی۔

چنانچہ میں نے اس موقعہ کو غنیمت پاکر یہ ہی عنوان قائم کرکے اُسکے نیچے ساری سورۃ الجمعہ مع ترجمہ کے (تتمیمًا للفائدۃ) درج کردی اور اب میں چاہتا ہوں کہ سورۂ مذکورہ کی تفسیر کا جو پیرایہ بندۂ عاجز کے خیال میں نسبتًا زیادہ موزوں واقع ہوا ہے اُس سے جملہ ناظرین کو مطلع کردوں جس سے گو عام لوگوں کے متمتع ہونے کی مجھکو زیادہ اُمید نہیں لیکن اہل علم اور سمجھدار طبقہ سے (جو کتب تفاسیر کی ورق گردانی کئے ہوئے ہوں) تصویبًا یا اصلاحًا ملاحظہ میں لانے کی توقع ہے۔ اور میرے نزدیک بعض عوام کے مذاق کی رعایت کرکے اگر القاسم کو اس قسم کے علمی مضامین سے خالی رکھا جائے تو اُسکی عظمت شان پر یہ ایک ایسا صریح ظلم ہوگا جسکی تلافی ہندوستان کا کوئی دوسرا رسالہ یا اخبار نہیں کرسکتا۔

لیکن مناسب ہوگا کہ ہم اپنے مافی الضمیر کے اظہار سے پہلے چند کارآمد اقتباسات کتب تفسیر جو سورۂ مذکورہ یا اُسکے کسی جزء سے تعلق رکھتے ہوں اس جگہ نقل کردیں تاکہ اکابر سلف کی تحقیقات سے مستفید ہونے کے ساتھ جو مضمون میں آئندہ عرض کرنا چاہتا ہوں اُس میں بھی ناظرین کو ایک گونہ دلچسپی اور مناسبت پیدا ہو۔

لیکن چونکہ عامۂ تشتت و تفرق کی وجہ سے اُن اقتباسات کا کسی منتظم اور مرتب طرز بیان میں ادا کرنا [illegible] دشوار ہے اسلئے سہولت اسی میں رہیگی کہ اُنکو تو سوال وجواب کی صورت میں دو سہ نمبر میں درج کردیا جائے۔ اور بعد میں تمام سورہ جمعہ کی مسلسل تقریر جس طرح ہمارے خیال میں آئی ہے حوالۂ قلم کریں۔ [illegible] ہمکو بھی اور ہمارے اخوان مذہب کو

(ان پڑھ) ہونے کی طرف اشارہ نکالنے کی ضرورت باقی۔

(ج) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امی لقب ہونا ایسا کچھ حق میں کوئی عیب نہیں جو اس سے بچانے کے واسطے اسلوب کلام بدلنا پڑے بلکہ یہ تو آپ کا ممتاز لقب ہے جس سے آپ کا اور زیادہ صادق اور مؤید من اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں۔

وقوله تعالى رسولاً منهم يعني محمداً صلى الله عليه وسلم نسبه من نسبهم وهو من جنسهم كما قال تعالى لقد جاءكم رسول من انفسكم قال اهل العلم وكان هو صلى الله عليه وسلم ايضاً امياً مثل الامة التي بعث فيهم وكانت البشارة به في الكتب قد تقدمت بانه النبي الامي وكونه بهذه الصفة ابعد من توهم الاستعانة على ما اتى به من الحكمة بالكتابة وكانت حاله مشاكلة لحال الامة الذين بعث فيهم وذلك اقرب الى صدقه۔

دیکھو تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۱۴۳ مطبوعہ مصر

(اللہ تعالیٰ نے جو رسولاً منہم فرمایا اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور منہم کے یہ معنی ہیں کہ آپکا نسب انکے نسب میں ملتا ہے اور آپ انہی کی جنس میں سے ہیں جیسا کہ قرآن میں دوسری جگہ ارشاد ہے لقد جاءکم رسول من انفسکم اہل علم نے فرمایا کہ آنحضرت صلعم بھی اس قوم کی طرح جس میں آپ مبعوث ہوئے تھے امی تھے۔ اور پہلی کتابوں میں بھی آپ کی بشارت نبی امی کے لقب سے دی گئی تھی۔ اور یہ صفت (بجائے اسکے کہ آپکی شان کو گھٹائے) آپکی ذات مبارک سے اس توہم کو دور کرتی ہے کہ جو علم وحکمت کی باتیں آپکی زبان سے ظاہر ہوئیں ان میں آپنے کسی کتاب (یا استاد) سے مدد لی ہو۔ (یا آپ اپنی قوم کے برخلاف کسی کالج میں تعلیم پاکر آئے ہوں۔) (اس آیت نے بتلا دیا کہ باوجودیکہ آپ یہ کچھ اسرار وحکم بیان فرماتے تھے لیکن آپ کا حال امی ہونے میں ہرگز اپنی قوم سے مختلف نہ تھا) قرآن مجید نے آپ کی صداقت اور من اللہ ہونے کو اور زیادہ قریب الی التسلیم بنادیا۔

(س ۳) آیت مذکورہ میں رسول کی چار صفات بالترتیب بیان کی گئیں۔ یتلو علیہم آیاتہ[۱] (وہ رسول ان امیوں پر اللہ کی آیات پڑھتا ہے) ویزکیہم[۲] (انکو برائیوں سے پاک صاف بناتا ہے) ویعلمہم الکتاب[۳] (انکو کتاب سکھلاتا ہے) والحکمۃ[۴] (اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔)

ان میں سے تین صفات (تلاوۃ آیات۔ تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت) انسان کی قوۃ علمیہ سے تعلق رکھتی ہیں اور ایک (تزکیہ) کا تعلق قوۃ عملیہ سے ہے۔ تو کیا اچھا ہوتا اگر اللہ تعالیٰ ایک طرف سے صفات علمیہ کو بیان کردینے کے بعد صفت عملیہ (تزکیہ) کا ذکر فرماتا اور آیت کی ترتیب یوں ہوتی۔

عليه السلام مع قومه واذاهم له
اعيا عليهم ذلك ذكر في هذه السورة
حال الرسول صلى الله عليه وسلم و
حال من بشر به السلف وحال ما فيهم
لامتين ولما تعرض فيها لذكر اليهود
ايضا لما حكى هناك قول عيسى عليه
السلام ومبشرا برسول ياتي من بعدي
اسمه احمد قال سبحانه هنا هو الذي
بعث في الاميين رسولا منهم اشارة
الى انه الذي بشر به عيسى وايضا
لما ختم بالامر بالجهاد وسماه تجارة
ختم هذه بالامر بالجمعة واخبر ان
ذلك خير من التجارة الدنيوية و
ايضا في كلتا السورتين اشارة الى
الاصطفاف في عبادة اما في الاولى
فظاهر واما في هذه فلان فيها
الامر بالجمعة وهي يشترط فيها
الجماعة التي تستلزم الاصطفاف
في غير ذلك -

دیکھو روح المعانی جلد تاسع صفحہ ٦٦ طبع مصر

اور انکی قوم کی ایذا رسانیوں کا حال بطور مذمت کے
ذکر فرما چکا تو اب اس سورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اور آپکی امت کے شرف وفضل کا حال اس غرض سے
بیان فرمایا ہے کہ اس تقابل سے دونوں امتوں کی نسبت تفاوت
کا صحیح طور پر اندازہ کر لیا جائے اسلئے سورہ جمعہ میں یہود
کے حال سے تعرض کیا گیا - پھر پہلی سورة میں خبر دیگئی تھی
کہ حضرت عیسیٰ نے دنیا میں تشریف لاکر ایک ایسے رسول
کی بشارت دی جسکا نام پاک احمد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) - سو اس سورة میں
بتلا دیا کہ جس نبی کی بشارت ہوئی تھی وہ یہی ہیں جو
ان پڑھ لوگوں میں پیدا ہوئے (اور انکو ایسا کردیا)
اور سورۂ صف کے آخر میں جہاد کو تجارة (اخروی) قرار
دیکر مسلمانوں کو اس میں حصہ لینے کی رغبت دلائی گئی تھی -
سورۂ جمعہ کے خاتمہ پر بھی جمعة کا حکم کرکے فرما دیا کہ
یہ تمھارے واسطے دنیا کی تجارہ سے زیادہ سود مند
ہے - پھر دونوں سورتوں میں جو ایک قسم کی (اجتماع)
اور صف بندی کی طرف ایما ہے - یہ تناسب الگ رہا -
کیونکہ اول سورہ میں تو صاف ہی فرمایا گیا - (ان
اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ
صفا) اور دوسری میں خود جمعہ کا حکم صف بندی
کے حکم پر مشتمل ہے کیونکہ جمعہ کے واسطے جماعت شرط
ہے -

(س ۲) ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم الخ - لفظ امیین کا اشتقاق خواہ کسی
سے ہو - لیکن بلاشبہ اس سے عرب ہی مراد ہیں - پس اگر بجائے فی الامیین کے
العرب کہہ دیا جاتا تو رسولا منھم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امی

بعض جزئیات انقلاب امت مع اصلاح

اصلاح متعلقہ بیہوشی

(بقیہ نمبرا جلد ۳)

حالت وقت الموت - اسوقت کی گڑبڑ میں عورتیں زیادہ مبتلا ہیں مثلاً اسوقت
بجائے اسکے کہ کچھ کار کلام شہادتین یا ذکر حق تعالیٰ پڑھیں یا مریض کی ہموار مع خاتمہ بالخیر کی دعا کریں روتی پیٹتی
چلاتی ہیں کلمات شرع و فزع بکتی ہیں کہ اگر مریض کو کچھ ہوش ہوا تو وہ پریشان ہوتا ہے اور
اس پریشانی سے دو خرابیاں ہیں کبھی تو ناامیدی عـه پر اس سے دل شکستہ ہوتا ہے اگر اسوقت
تک ناامیدی نہ ہوئی ہو اور مریض کی دل شکنی اور احباط جو مذموم ہے حدیث میں اس ہے کہ مریض
کو امید دلایا کرو اس سے وقت تو نہیں ٹلتا لیکن اسکا دل خوش ہو جاتا ہے تو یہ حرکت اس حکم کے صریح
خلاف ہے اور کبھی اس سے وہ خلق کی طرف مشغول ہو جاتا ہے حالانکہ وہ وقت خاص لو لگانی اللہ
کا ہے چاہئے تو یہ تھا کہ اگر وہ خود بھی اس عالم کی طرف بلا ضرورت شرعیہ (مثل وصیت وغیرہ)
متوجہ ہوتا تو اسکی توجہ کو حق تعالیٰ کی طرف منعطف و منصرف کیا جاتا نہ کہ خود ہی اس طرف متوجہ ہو کر
اسکو متوجہ کرنیکا سبب بناویں اور اگر ان کلمات میں کچھ الفاظ اس میت کے علو فی المدح عـه کے ہوئے
تو اسکو ایسا تھا اور ایسا تھا تو ایک مصیبت کا (جیسا کہ حدیث میں ہے) یہ ہے کہ فرشتے اسکو
دھکیلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا ایسا ہی تھا غرض ان نامعقول حرکتوں سے بیمار کی رسوائی
ہی ہے اور مثلاً بعض عورتیں اسوقت اسکی بیوی کو سامنے لا کر کھڑا کرتی ہیں یا کبھی بیوی صاحبہ خود
ہی تشریف لا کر کھڑی ہوتی ہیں اور پوچھا جاتا ہے کہ اسکو یا مجھکو کس پر چھوڑے جاتے ہو اور اس غریب
کو جواب پر مجبور کرتی ہیں اسی طرح بعض اوقات اسکے بچوں کو سامنے لاتی ہیں کہ انکا کون ہوگا یا یہ
انکو پیار تو کر لے اسکے سر پر ہاتھ تو رکھ دے جس سے وہ غریب تو پریشان ہوتا ہی ہے اور توجہ الی المخلوق
کا ضرر الگ پہونچتا ہے لیکن بچے کسقدر دل شکستہ اور ناامید ہو جاتے ہیں یہ حماقت ہمارا سا نہیں
سمجھتیں کہ اسوقت کا تو مقتضا یہ تھا کہ اگر وہ خود بھی بچوں کو یاد کرتا تو اسکو کہا جاتا کہ تم حق تعالیٰ کے سپرد

عـه ناامید کرنا ۱۲ منہ عـه تعریف میں مبالغہ ۱۲ منہ مدظلہ

یہ معلوم کرکے کہ بعض مرض متعدی مہلک ہیں گو بیمار ہون مایوس بھی ہو جاویگا تو کتنی کلفت اسپر بیج
ہوئین اور ان محتاط صاحب کی ایک وہمی احتیاط ہوئی تو ایسی احتیاط احاطہ کے ڈالنے کے قابل ہے
اور افسوس تو یہ ہے کہ جو طبقہ ادعا ہمدردی کے بعرے لگاتا ہے وہی اس لغو احتیاط مین زیادہ حصہ لیتا ہے
یہ تو انکی شکایت تھی جو کہ مریض کیلئے خواہ پاس رہکر یا اسکو تنہا چھوڑ کر اسکے متوجہ الی اللہ کرنیکا اہتمام
نہین کرتے بعض لوگ ان کے مقابلہ مین دوسری طرف غلو کرتے ہین یعنی بزعم خود اسکو متوجہ الی اللہ
کرنیکیلیے اسقدر متشددانہ برتاؤ کرتے ہین کہ اسکے پیچھے ہی پڑ جاتے ہین کہ وہ ذرا غافل ہوا اور ان پر
تقاضا شروع ہوا کہ کلمہ پڑھنا استغفار پڑھنا اور اگر اسکو ہوش نہوا تو برابر اسکے سر رہتے ہین جب تک
کہ وہ انکا حکم نہ مانے اور اگر ہوش آگیا اور اسنے پڑھ بھی لیا تو اسپر کفایت نہین کرتے پھر پڑ ہوا تے
ہین چاہتے ہین کہ آموختہ کی طرح پڑھتا ہی رہے دم نہ لے اللہ بچاوے اس جاہلانہ رہزنی سے
اس بات مین علما رکا یہ ارشاد ہے کہ اگر وہ ہوش مین ہو تو اسکو بسہولت کلمہ و استغفار کی طرف متوجہ
کرین اور جب وہ ایک بار پڑھ لے یا توبہ کرلے پھر چھوڑ دین پھر جب تک وہ کوئی دنیا کا کلام نکرے
دوبارہ پڑھنے کو نہ کہیں وہ مرض مین اور نزع مین پریشان ہوتا ہے اگر اسکے قلب مین تنگی پیدا ہو کر
کلمہ و استغفار سے (نعوذ باللہ) کراہت و ناگواری ہوئی یا خدانخواستہ مونہہ سے انکار نکل گیا تو کسقدر
امر سنگین ہے گو اسوقت کا ایسا فعل بھی قواعد شرع سے قابل اعتراض نہین کیونکہ وہ وقت پورے شعور
اور پورے اختیار کا نہین ہے لیکن تاہم عام دیکھنے سننے والون کی نظر مین اس میت کی کتنی رسوائی
ہے جسکا سبب یہ راہزن تنگ بناہے۔ اور اگر وہ بالکل بیہوش ہے تو اسکو کچھ پڑھنے وڑھنے کیلئے نہین
اسکے قریب پکار پکار کر سورۂ یٰسین شریف اور کلمہ کلام وغیرہ پڑھتے رہین تاکہ اگر قدرے ادراک ہو یا
ہو جاوے تو قلب ہی تو ادہر متوجہ رہے اور اسی توجہ مین خاتمہ ہو بعضے آدمی اس سے بڑھکر یہ کرتے
ہین کہ اخیر وقت تک اس سے باتین کرانا چاہتے ہین اور بڑھکر اسلئے کہا کہ ان راہزنان تنگ نے
تو اس سے کلمہ ہی پڑھوانا چاہا تھا جو کہ دین کا کام ہے انھون نے دنیا کی باتین کرانا چاہا یعنی جہان
وہ ذرا بیہوش ہوا اسکو پکارتے ہین کہ میاں فلانے ذرا آنکھ تو کھولو مجکو تو دیکھو مین کون ہون
تم کیسے ہو کچھ کہو گے کسی بات کو دل چاہتا ہے اور اسی طرح کی خرافات لغویات مین اسکو دق

ف نامعقول امر ہے ۱۲ منہ مطلقاً

خیال رکھو البتہ اگر بہت ہی یاد کرے تو سرسری طور پر بیان کر دیں تاکہ اُسکا دل انھیں اُن کا نہ رہے
لیکن اگر خود یاد نہ کرے تو ہرگز اُسکو یاد نہ دلاوے اور یہ بھی مقتضا تھا کہ بچوں کو وہاں سے ہٹا دیا جاتا
کہ وہ پریشان نہوں اور اگر وہ گھبراتے تو اپنے آنسو پونچھکر اُنکو دلاسا دیا جاتا کہ تم کیوں گھبراتے ہو اُس سے
زیادہ ہم تمہارے شفیق اور خدمت کرنیوالے موجود ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ تطییب[ع] قلب مسلم اور تسلیۂ محزون
عبادت عظمیٰ ہے اسی طرح بیوی کی تسلی کرنے کہ بھائی لا علاج بات کا علاج تو ہمارے قبضہ سے باہر ہے
اور اُسکا علاج تمہاری پریشانی سے بھی نہیں ہو سکتا باقی تمہاری راحت رسانی اور دلجوئی کیلئے ہم
حاضر ہیں تم اسقدر پریشان نہو غرض اسمیں ایک تو یہ پریشانی ہے دوسرے وہی مخلوق کی طرف
اُسکو متوجہ کرنا جسکا اوپر ذکر ہوا ہے اسی طرح بعضے مرد بھی جو زنانہ مزاج کے ہیں وہ بھی یہی ناشایستہ
حرکت کرتے ہیں اسی واسطے سخت ضرورت اس امر کی ہے کہ قرب موت کے وقت میت کے پاس
عاقل دیندار لوگ ہوں اگر گھر کی عورتیں اتفاق سے ایسی ہوں تو اُن کے رہنے کا مضائقہ نہیں ورنہ
مردوں میں جو ایسے لوگ ہوں اُنکا پاس رہنا چاہئے اور وہ ان سب امور کی احتیاط اور انتظام
رکھیں۔ بعضے لوگ یہ کرتے ہیں کہ بدفالی کے خیال سے یا قلت[ع] مبالاۃ بالدین کی وجہ سے نہ اُسوقت
یٰسین پڑھیں اور نہ پڑھنا گوارا کریں یا اسطرف التفات نکریں اور نہ کلمہ کلام کا اہتمام کریں نہ اُسکو متوجہ
کریں جبکہ اُسکو ہوش ہو اور نہ خود اسمیں مشغول ہوں جبکہ اُسکو ہوش نہو بلکہ دنیا کے فضول قصوں میں
خصوص اُن بکھیڑوں میں جنکی ضرورت بعد میں ہوگی مگر ابھی سے مشغول ہو جاتے ہیں بعض جگہ تو
کوئی اُسکے پاس بھی نہیں رہتا اور وہ تنہا ہی ختم ہو جاتا ہے سب ادھر اُدھر مال و متاع پر قبضہ کرنیکی
فکر میں بھاگے پھرتے ہیں اور بعض جگہ اسلئے اُسکے پاس نہیں پھٹکتے کہ اُسکی بیماری لگ جانیکا
خوف ہوتا ہے اول تو بعض محققین کے نزدیک نفس تعدیہ[ع] ہی غلط ہے دوسرے اگر بعض کے قول پر
کہیں ہو بھی تو بلا اذن خالق نہیں ہوتا اور نہ اذن دائم ہوتا ہے چنانچہ مشاہدہ ہے کہ اکثر جگہ
کچھ بھی نہیں ہوتا پھر کیسی سنگ دلی کی بات ہے کہ اپنے کو تو ضرر محتمل سے بھی بچایا اور اپنے ایک بھائی
مسلمان کو یعنی اُس مریض کو ضرر متیقن میں مبتلا کیا کیونکہ اسطرح تنہا رہجانے سے اُسکی بعض ضروریات
میں فروگذاشت ہونے سے اُسکو تکلیف بھی ہوگی اور اُسکی دل شکنی بھی ہوگی اور ان کے طرز عمل سے

ع مسلمان کا دل خوش کرنا ۱۲ ع دین کی پروا کم ہونا ۱۲ ع بیماری لگنا ۱۲ منہ مدظلہ

کہ اسوقت تو کسی مفسدہ کا احتمال نہین ہے سو جواب یہ ہے کہ اوّل تو حکم عام ہے مفسدہ کی قید نہین ہے دوسرے ہمنے مفسدہ بھی دیکھا ہے بعض عورتین اسوقت دیکھکر عاشق ہو گئی ہین اور عمر بھر حسرات میں مبتلا رہی ہین گو اُن کے ابطاع کی گنجایش نہیں رہی تو الحیطان سربان اور الفلک بربی تو صادق آگیا۔ ایک کوتاہی جو نہایت عام ہے کہ جب کوئی عورت مرنے لگی ہے کہتے ہین کہ شوہر کو مہر معاف کر دے اور وہ معاف کر دیتی ہے اور شوہر اس معافی کو کافی سمجھکر اپنے کو دین مہر سے سبکدوش سمجھا ہوا اور اگر کوئی وارث مانگے بھی تو نہین دیتا اور نہ اُسکا دینا ضروری سمجھتا ہے سو خوب سمجھ لیا جاوے کہ اسوقت کی معافی وصیت ہے اور وصیت وارث کی حق میں نافذ نہین ہوتی جب تک کہ سب ورثہ بشرط بلوغ اُسکو منظور نکرین اور اگر بعض جائز رکھیں بعض نرکھین تو صرف جائز رکھنے والون کے حصہ کے قدر نافذ ہوگی باقی باطل ہوگی اور نابالغ تو اگر جائز بھی رکھیں تو صحیح نہیں پس اس صورت مین جو وارث نابالغ ہین اُن کے حصہ کا مہر اور اسی طرح جو بالغ وارث جائز نرکھین اُن کے حصہ کا مہر بھی واجب الادا ہوگا اور وہ معافی اُن کے حق مین محض باطل ہے مثلاً اس عورت کے وارث علاوہ شوہر کے تین بھائی ہیں ایک نابالغ اور دو بالغ جنمین سے ایکنے اس معافی کو منظور کیا اور دوسرے نے نامنظور کیا اور مہر چھ سو روپیہ تھا تو اس صورت میں یہ حکم ہوگا کہ تین سو تو حصہ شوہری مین اگر معاف ہوگئے اور سو روپیہ بالغ منظور کرنے والے کے حصہ مین اگر معاف ہوگئے آگے دو سو روپیہ رہے سو نامنظور کرنیوالے کا حق اس شوہر کے ذمہ ہے اور سو اُس نابالغ کا حق اُسکے ذمہ ہے یہ دو سو روپیہ ادا کرنا ہونگے۔ یہ مختصر تذکرہ ہوا حالت موت کے وقت کی بعض کوتاہیون کا اب حالت بعد الموت کے متعلق لکہا جاتا ہے۔

حالت بعد الموت - اسمین اسقدر امور غیر مشروعہ شائع ہیں جنکا احصا مشکل ہے انمین سے اکثر کو مین نے اصلاح الرسوم باب سوم فصل چہارم مین مفصل و مدلل لکہا ہے یہان صرف اُن کی فہرست لکھنے پر اکتفا کرتا ہون۔

دفن میں اعزہ وغیرہ کے انتظار میں دیر کرنا۔ قبر پر اناج لیجانا۔ جانماز اور اوپر کا چادرہ مرکے مین سے

عہ دونون آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور دل بھی زنا کرتا ہے ۱۲ عہ یہ سے رسالہ المسلم میں غلطی سے یہ لکھا گیا تھا کہ ملت میں نافذ ہوگی۔ دوبارہ طبع ہونے کے وقت اصلاح کر دی ہے اور مطبعہ حالت کی غلطی کا اظہار ۱۲ فقیر اشرف علی

ہیں۔ ان عقل کے پتلوں سے کوئی پوچھے کہ یہ ان باتوں کا وقت ہے اگر اسکا مرض مرض موت
نہیں ہے اور اچھا ہو جاویگا تو اچھا ہونیکے بعد جتنی چاہے باتیں کر لیجیو اسوقت اسکو کیوں تکلیف
دیتے ہو مرض میں ایسا تعب ہوتا ہے کہ بات کرنا تو بڑی بات ہے، بات سننا بلکہ کسی طرف دیکھنا بھی
گراں گذرتا ہے اور یہ بزرگ اس سے مجلس آرائی کی توقع رکھتے ہیں اور اگر اسکا مرض مرض موت ہے
تو ایسی باتیں کرنا اور بھی برا ہے کیونکہ قطع نظر تکلیف کے یہ سمجھنا چاہیئے کہ اب اسکو دنیا میں بہت
تھوڑا وقت ملیگا سو اسکو تو اچھے مصرف میں صرف کرنا چاہیئے البتہ اگر کوئی ایسی بات ہو جو شرعًا
ضروری ہے مثلاً کسی امانت کو پوچھا جاوے کہ تم نے کہاں رکھدی ہے یا قرضہ اور لین دین کے بارہ
میں پوچھا جاوے جسکا حال بدون اسکے دوسرے ذریعہ سے معلوم نہیں ہو سکتا یا کافی نہیں ہو سکتا
یا اور اسی قسم کا کوئی حق واجب ہو اسکے متعلق پوچھ پاچھ کرنیکا مضائقہ نہیں بلکہ ضروری ہے بشرطیکہ
اسکو زیادہ تنگی اور تکلیف نہ ہو جو تحمل سے زائد ہو سو ایسی بات درحقیقت دنیا کی بات نہیں ادائے حقوق واجب
ہے جو طاعت کی فرد اعظم ہے اور چونکہ صورۃً دنیا ہی کی بات ہے اسلئے بہتر ہے کہ ایسی بات کا جواب
لینے کے بعد پھر تہلیل و استغفار وغیرہ پڑھوا دیں بشرائط مذکورہ سابقا بعض لوگ قریب مرگ کو رو
بقبلہ کرنیکا مسئلہ سنکر یہ کرتے ہیں کہ اسکا تمام بدن اور منہ پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں اور اگر وہ بوجہ روح
میں بدن یا گردن کو حرکت دے جو حرکت اضطراریہ ہوتی ہے تو پھر مروڑ تروڑ کر رخ بدل دیتے ہیں
سو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اس مسئلہ کا یہ مطلب نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب اسپر شاق نہ ہو یا وہ
بالکل بے حس و حرکت ہو جاوے اسوقت رو بقبلہ کر دیں نہ یہ کہ اس سے کشتا کشتی کر کے اسکو تکلیف
پہونچاویں۔ (درمختار)۔ ایک بے احتیاطی یہ ہوتی ہے کہ اسوقت اکثر نامحرم عورتیں بھی اسکے سامنے
آکھڑی ہوتی ہیں گو پردہ ضروری نہیں رہتا سو اگر اسکو اتنا ہوش ہے کہ وہ دیکھتا سمجھتا ہے تب تو
اسکے سامنے آنا ایسا ہے جیسا تندرست کے سامنے آنا مرض سے احکام معاف نہیں ہوگئے۔ اور اگر
اسکو اتنا ہوش نہیں ہے تو بہت سے بہت اس نے نہ دیکھا مگر ان عورتوں نے تو اس نامحرم مرد کو بلا ضرورت
دیکھا جسکی ممانعت حدیث افعمیاوان انتما الستما تبصرانه عہ میں مصرح ہے اور اگر کہا جاوے

عہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم نابینا صحابی تشریف لائے تو آپ نے حضرت ام سلمہؓ اور میمونہؓ سے فرمایا کہ پردہ میں ہو جاؤ انہوں نے عرض کیا کہ یا حضرت وہ تو نابینا ہیں دیکھ نہیں سکتے آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم دونوں بھی نابینا ہو اُن کو نہیں دیکھتی ہو ۱۲ منہ مطلقہ +

نہین دیتے سو کتب فقہ مین مصرح ہے کہ تمام بدن کو اچھی طرح کروٹ دیدینا چاہیئے۔ ایک کوتاہی
یہ کرتے ہین کہ قبر مین رکھنے کے بعد اُسکا منہ کھولکر قبر کو دکھلانا ضروری سمجھتے ہین سو شریعت مین
اسکی کچھ اصل نہین۔ ایک کوتاہی یہ ہے کہ قبر مین عہدنامہ یا شجرہ وغیرہ رکھتے ہین اور میت کے
گلنے سڑنے سے اسکی بے ادبی ہوتی ہے سو اسکو بھی ترک کرنا چاہیئے البتہ جس چیز کا ادب شرعاً
مین اس درجہ کا نہین اُسکا قبر مین رکھدینا درست ہے جیسے کسی بزرگ کا کپڑا وغیرہ۔ ایک کوتاہی یہ ہے
کہ بعضے قبر پختہ بناتے ہین جسکی نسبت حدیث مین ممانعت آئی ہے۔ ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ
لڑکیون کو میراث نہین دیتے جو بنص قرآن حرام اور ظلم ہے۔ ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضی بیوہ عورتین
اپنے کو تمام منقولات کا مالک سمجھتی ہین یہ بھی ظلم ہے جو چیز شوہر نے اسکو ہبہ کردی ہو وہ تو بیشک
اسکی ہے ورنہ اور سب ترکہ مشترکہ ہے حسب فرائض سبکو دینا چاہیئے۔ ایک کوتاہی یہ ہے کہ جو چیز جس
وارث کے قبضہ مین آجاتی ہے وہ اُسکو چھپا ڈالتا ہے مگر یاد رہے کہ قیامت کو سب اُگلنا پڑیگا ایک
کوتاہی اسی کا شعبہ یہ ہے کہ اگر دلہن اپنے سسرال مین مرجاوے تو اُسکے تمام سامان پر وہ لوگ قبضہ کرلیتے
ہین اور اگر سسرال مین مرجاوے تو وہ قابض ہوجاتے ہین کہین تقسیم شرعی ہوتے سنا ہی نہین
اسمین بھی اُوپر کی وعید کو یاد کرلینا چاہیئے ایک کوتاہی یہ ہے کہ اگر قرضہ ایسا ہے کہ منکر اُن قرض
جو میت کے ذمہ ہو اور دلیل شرعی سے ثابت ہو اُسکو کوئی سادہ دل ترکہ سے ادا کرتا ہے صاف انکار کردیتے
ہین جیساکہ میت کا جو ایسا ہی قرضہ اوروں کے ذمہ ہو اور لوگ اُسکو بھی مکرجاتے ہین دونون امر صریح ظلم
ہین خصوص میت پر اگر قرضہ ہو تو ورثہ کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ بروئے حدیث اُسکی روح جنت مین جانے سے
معلق رہیگی جب تک قرض نہ ادا ہو تو کیا اپنے عزیز کیلئے اتنا بڑا حرمان گوارا ہوگا۔ ایک کوتاہی یہ ہے
کہ کبھی میت کے وارثون مین وہ بچہ بھی ہوتا ہے جو ابھی بطن مادر مین ہے ہمکو یاد نہین کہ کبھی کسی مستفتی نے
سوال مین کبھی اسکو ظاہر کیا ہو اور ہم جواب دینے والے لوگون کی بھی کوتاہی ہے کہ اسکا احتمال ہی نہین
ہوتا اور سائل سے اسکی تحقیق ہی نہین کرتے۔ مذہب کا ضروری مسئلہ ہے بہت زیادہ قابل اعتنا کے ہے
بدون اُسکے تولد کے تقسیم ترکہ کی صورت معلق رہیگی بعد تولد کے صحیح سوال قائم ہوگا۔ ایک کوتاہی یہ ہے
کہ بعض جگہ کفن مین میت کے لنگی باندھی جاتی ہے جو بالکل بدعت ہے بعض اُردو خوانون کو ازار یا
اسکا ترجمہ لنگی دیکھکر دھوکہ ہوا ہے سو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ بھی پورا چادرہ ہی ہونا ہے چونکہ لنگی کے

خریدنا سنت کے کپڑے بلا تقسیم ورثہ کے مساکین کو دیدینا۔ تیجہ، ساتوان وغیرہ کرنا۔ برادری کو یا مساکین
کو تمام کھانا دینا۔ کئی بار عورتون کا جمع ہونا جسمین ایک اجتماع انقضاء عدت کے دن ہوتا ہے
بلا ضرورت دُور دُور سے مدتون تک مہمانون کا آنا اور میت والون پر بار ڈالنا۔ خاص قواعد کے
ساتھ میت کے گھر اول روز کسی عزیز کے یہان سے کھانا آنا حفاظ وغیرہ کو کچھ دیکر قرآن مجید پڑھوانا
مدتون تک سوگ کرنا۔ یہ تو عام اموات کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے اور بعض معاملے خاص بزرگون کے
ساتھ ہوتے ہین جسکو رسالہ مذکورہ کے باب مذکور کی فصل دوم و سوم مین ذکر کیا گیا ہی جیسے
عرس و فاتحہ مروجہ کے منکرات۔ اور شب برات کا حلوا۔ اور عاشورا کا کھچڑا و شربت کہ انکی بحث
بھی بہت بسوط لکھدی ہے اگر شوق ہو انمین ملاحظہ فرمالیا جاوے۔ اب بعض وہ معاملات
اس تیسری حالت کے متعلق مختصراً لکھتا ہون جو انمین نہین لکھے گئے ہیں انمین سے ایک کوتاہی
یہ ہے کہ بعضے تقوے کی جوش مین اگر ترکہ مشترکہ مین بلا وصیت میت نماز و روزہ کا فدیہ دلواتے
ہین سو انمین حکم یہ ہے کہ اگر وہ وصیت کرے تو ثلث مین سے دینا حق ورثہ پر مقدم ہے اور اگر
وہ وصیت نہ کرے جسکو دینا ہو خاص اپنے حصہ ترکہ یا اپنے پہلے مال سے دے۔ ایک کوتاہی
یہ ہے کہ بعض لوگون نے بجائے فدیہ کے ایک حیلہ اختراع کیا ہے کہ ایک قرآن مجید لاتے ہین
اور تمام عمر کی نماز و روزہ بلکہ کہین کہین معاصی کا بھی حساب لگا کر اُس قرآن کی اتنی بڑی قیمت
تجویز کر کے کسی مسکین کو دیدیتے ہین اور اسکا نام اسقاط رکھا ہے چونکہ وہ رسم کسی قاعدہ فقہیہ
پر منطبق نہین اسلیے محض باطل ہے ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ مردہ کو دفن کر کے قبر پر
اذان کہتے ہین چونکہ شریعت مین کہین وارد نہین اسلئے واجب الترک ہی۔ ایک کوتاہی یہ ہے
کہ بعض دیہات پر جہان کوئی نماز پڑھانیوالا میسر نہیں میت کو بدون نماز جنازہ کے دفن کر دیتے
ہین مین نے ایکبار جلسہ مین جبکہ بہت دیہاتی جمع تھے اسکی تدبیر بتلادی تھی کہ اگر ایک آدمی
بھی وضو کر کے جنازہ سامنے رکھکر کھڑا ہو کر صرف چار بار اللہ اکبر کہدے تو نماز فرض جنازہ کی
ادا ہو جاوے گی۔ وجہ یہ کہ اس نماز کا یہی چار تکبیرین ہین باقی دعائین وغیرہ سنت ہین سو جہان
ایسا موقع ہو اتنا ہی کرلین ترک فرض کی معصیت سے تو محفوظ رہینگے۔ ایک کوتاہی یہ کرتے ہین
کہ مردہ کو قبر مین رکھکر صرف منہ تو قبلہ کی طرف متوجہ کر دیتے ہین باقی سارے بدن کو کروٹ

حصہ کا وہ جادہ شروع ہوا ہے اسلئے اُسکا نام ہی ہوگیا۔ ایک کوتاہی یہ ہی کہ بعضے لوگ شوہر کو اُسکی مردہ بیوی کا مونہہ نہین دیکھنے دیتے نہ اُسکے جنازہ کا پایہ پکڑنے دیتے ہین یہ محض لغو ہی میّت کو ہاتھ لگانا تو بلا ضرورت جائز نہین لیکن مونہہ دیکھنا درست ہے اور پایہ پکڑنا مستحب ہے بلکہ اگر کوئی محرم قبر مین اُتارنیوالا نہو تو اور اجنبیوں سے شوہر احق ہی اور عورت کیلئے تو مردہ شوہر کو دیکھنا اور ہاتھ لگانا بھی درست ہے۔ ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض جگہ نماز جمعہ کے انتظار مین جنازہ کو رکھے رہتے ہین کہ زیادہ نمازی نماز پڑھینگے سو یہ بالکل جائز نہین جسقدر جلد ممکن ہو نماز اور دفن سے فراغت کرنا واجب ہے۔ ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے اموات کسی خاص شخص سے نماز پڑھوانے یا کسی خاص مقام پر دفن ہونیکی وصیت کرجاتے ہین تو احباء اُسکا اسقدر اہتمام کرتے ہین کہ بعض اوقات بعضے واجبات شرعیہ بھی ضائع ہوجاتے ہین سو جان لینا چاہیے کہ ایسی وصیتین شرعاً لازم نہین ہوتین اگر کوئی امر خلاف شرع لازم آوے تو اُسپر عمل جائز بھی نہین۔

الحمد للہ قسم سوم سے بھی فراغت ہوئی اسوقت ذہن مین یہی امور حاضر ہوئے جو انشاء اللہ تعالیٰ قریب قریب کافی ہین باقی اگر کوئی اور بات قابل تحقیق خیال مین آوے تو علماء سے رجوع کرلیا جاوے جیسا حالت قبل الموت کے بیان کے ختم پر بھی عرض کیا ہی۔ اب بدستور سابق تسہیل کی سُرخی کے تحت مین بھی اسکے سارے مضمون لکھتا ہون۔

تسہیل مضمون مذکور برعایت تفہیم جمہور

اتفاق سے یہ مضمون اسقدر سہل عبارت مین لکھا گیا ہی کہ تسہیل کا محتاج نہین رہا البتہ کہین کہین کوئی لغت یا کوئی مختصر جملہ عربی عبارت مین یا غیر عام فہم ترکیب مین قلم سے نکلگیا ہی صرف اُسکو حل کئے دیتا ہون ایسے مواقع پر اصل مضمون مین بھی نمبر لگا دیئے ہین اور وہی نمبر یہان حل مین بھی رکھے جاتے ہین[۱]۔

(کتبہ اشرف علی التھانوی غفرلہ)

[۱] اسکے بعد حضرت مولانا مدظلہم نے حسب ارشاد وعدہ تمام لغات وغیرہ کا حل ہمراہ تحریر فرمایا تھا لیکن احقر نے سہولت ناظرین کیلئے عبارت حضرت موصوف ہر مقام کا حل عبارت کے ساتھ ساتھ اُسی کے حاشیہ پر نقل کردیا ہے جیسا کہ ملاحظہ سے معلوم ہوگا ۱۲ محمد عیسیٰ عفی عنہ۔

شیخ صاحب کا ایک شاگرد لکھتا ہے کہ ہم آیت کریمہ -

یوم تبدل الارض غیر الارض -	(جس روز یہ زمین دوسری زمین بدلی جاوےگی -)

کے معنی پر کچھ ذکر و مذکور رہے تھے کہ اتفاق سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہماری نظر سے گزری - ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال

تکون الارض یوم القیامۃ خبزۃ واحدۃ -	(قیامت کے دن زمین ایک روٹی ہو جاویگی -)

اور اسکے ساتھ حضرت ابوہریرہ اور سعید بن جبیر کی یہ روایت بھی ملی -

تبدل الارض خبزۃ بیضاء یاکل المومن من تحت قدمیہ -	(قیامت کو زمین سفید روٹی ہو جائیگی مومن اپنے قدم کے نیچے سے کھائیگا -)

ہم نہیں سمجھے کہ یہ کیونکر مان لیا جائے باوجودیکہ آخرت کی حالت دنیا کے مغائر ہے وہاں کھانے پینے سے کیا علاقہ -

شیخ صاحب جواب میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں جسقدر احادیث وارد ہوئی ہیں یا ضعیف الاسناد ہیں یا انکی سند میں انقطاع ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل نہیں - مقصود آیت سے یہ بیان کرنا ہے کہ آخرت کی حالت دنیا کے مغائر ہے - وہاں خطاؤں اور گناہوں کا نام نہ ہوگا اور جو تکالیف انسان دنیا میں برداشت کرتا ہے وہ وہاں نہ ہونگی کیونکہ مفسرین اس آیت کی تفسیر میں یوں کہتے ہیں کہ قیامت کو زمین سفید صاف شفاف ہوگی نہ اسپر خونریزی ہوئی ہوگی نہ خطائیں کیجائینگی - ایسے میدان میں ہونگے کہ اس کنارے سے اس کنارہ تک نگاہ کام کر سکیگی - اور داعی کی آواز سب کو سنائی دیگی سبکے پاؤں اور سبکے بدن ننگے ہونگے جیسا کہ پیدا کئے گئے تھے -

سفید اور صاف ہونے سے غالباً یہی مراد ہے کہ نہ وہاں تکالیف دنیا ہونگی نہ خطائیں نہ خونریزی -

شیخ صاحب نے اس مختصر جواب میں دعوی کیا ہے کہ اس مضمون کی تمام حدیثیں ضعیف یا منقطع ہیں مگر آپکے اثبات سے وہ کتناں چلے ہیں انشاء اللہ تعالی ہماری آئندہ تحقیق میں اس دعوے کی حقیقت پر اچھی روشنی پڑیگی اور ہم عنقریب ناظرین کو دکھائینگے کہ اس مضمون کی حدیثیں ابن جریر کی تصحیح کی ہیں اور صحیح بخاری وغیرہ معتمد اور مستند کتب میں موجود ہیں اور بہ سند صحیح مفسرین کی روایات

ان کے مکنونات پر قادر نہیں ہم سب کو زمین سے نکال کر باہر کھڑا کر دینگے اور دور دور تک اسباب لینگے

آیت سے یہ تو صاف طور پر معلوم ہوا کہ قیامت کے روز زمین بدل دیجاویگی یعنی یہ دنیا کی زمین جسپر ہم رہتے ہیں اور چلتے پھرتے ہیں قیامت کو اسمیں تبدیل اور تغیر ہو جائیگی۔ تبدیل کے لغوی معنی تغیر ہے اور اسکا استعمال دو معنی کیواسطے ہوتا ہے۔

(۱) کبھی تبدیل کا لفظ عرب میں بولا جاتا ہے اور مراد یہ ہوتی ہے کہ ذات شے کی موجود رہتی ہے اور اسکی صفات میں تبدیل اور تغیر لاحق ہوتی ہے چنانچہ کہتے ہیں۔

بَدَّلْتُ الحلقة خاتمًا۔	(حلقہ کو انگشتری کی صورت میں بدل دیا۔)

یعنی اسکو پگھلا کر ایک صورت سے دوسری صورت کی طرف منتقل کر دیا ذات بدستور اپنی حالت پر موجود رہی یا یوں کہتے ہیں۔

بَدَّلْتُ قمیصی جُبَّةً۔	(اپنے کرتہ کو جبہ کی صورت میں تبدیل کر دیا۔)

یعنی کرتہ کو کاٹ چھانٹ کر جبہ بنا لیا۔ یا کہتے ہیں بدل زید (زید متغیر ہو گیا) یعنی اسکے احوال میں تغیر آگیا اور تبدیل کے یہ معنی قرآن پاک میں بھی مراد لئے گئے ہیں۔

فاولئك يبدل الله سيئاتهم حسنات	(اُنکے گناہوں کو نیکیاں بنا دیگا۔)

(۲) کبھی لفظ تبدیل کا استعمال عرب میں تغیر ذات کیواسطے ہوتا ہے چنانچہ:۔

بدلت الدراهم دنانير۔	(درہموں کو اشرفیوں سے بدل دیا یعنی سونا کردیا)

اور قرآن پاک میں بھی اس معنی کیواسطے تبدیل کا استعمال موجود ہے۔

بدلناهم جلودا غيرها۔	(ہمنے انکی کھالوں کو بدل دیا۔)
بدلناهم بجنتيهم جنتين۔	(ہمنے اُنکے دو باغوں کے عوض میں دوسرے دو باغ بدل دیئے)

جب یہ معلوم ہو گیا کہ تبدیل کا استعمال دو معنی کیواسطے ہوتا ہے تو آیت شریفہ بھی دونوں معنوں کو محتمل ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذہب ہے کہ زمین کی ذات میں کوئی تغیر نہ ہوگا اُسکی صفات بدل دیجاویگی پہاڑ۔ دریا معدوم کر دیے جاوینگے زمین کا سطح ہموار ہو جائیگا اُسمیں کہیں نشیب و فراز باقی نہ رہیگا اور اسی کے قریب قریب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے کہ ذات زمین میں تغیر ہوگا اور زمین منتقل چاندی

نہ مست لیسپا ہوں گے۔

یہ کہنا کہ جو روایات خلاف درایت وعقل ہیں وہ قابل تسلیم نہیں وہی شخص کر سکتا ہے جسکو علم کے ساتھ انصاف سے بھی کوئی تعلق نہو۔ جو شخص توحید و رسالت کا معترف ہے اور قرآن مجید کو کلام اللہ اور حدیث شریف کو کلام رسول تسلیم کرتا ہے جب کوئی مضمون اوسکو بسند صحیح معتبر ملجائے تو اوسکو بجز تسلیم والقیاد کیا حق ہے کیا خدا اور رسول کی یہ شان ہے کہ وہ کوئی ایسی خبر دیں کہ جو درحقیقت قابل تسلیم نہو اور عقول سلیمہ کو اوسکے قبول سے اباہو جب کوئی بات صحت کے ساتھ ہم تک پہونچ جائے اور ہم معلوم کرلیں کہ خدا اور رسول کا کلام ہے تو پھر عقل سلیم کو اوسکے قبول سے گریز ہو نہیں سکتا حقیقت میں اُس خبر کا نہ ماننا مدعی ایمان کی شان نہیں ہے۔

کسی روایت کے خلاف درایت ہونے کا اگر یہ مطلب ہے کہ زید وعمرو کی درایت کے خلاف ہے کسی چودھوین صدی کے فاضل یا علامہ کی درایت سے مخالف ہے تو پہلے یہ بزرگوار اپنی درایت وعقل کی صحت وسلامت کو ثابت کردین ورنہ جمہور سلف وخلف کے مقابلہ انکا یہ کہنا سخت شوخ چشمی اور جہالت درایت ہے اور اگر تمام اہل اسلام کی درایت کے خلاف ہو تو ان بزرگوارون کا یہی فرض ہے کہ اسکو ثابت کردین الحاصل کسی روایت کے خلاف درایت ہونے کا دعوی محتاج دلیل وثبوت ہے۔

بادشاہ کے کلام کو جب شعرا اور حکما دربار نے اوستاد کے کلام کو لائق شاگردوں نے تسلیم کرلیا تو ان کی درایت کے مقابلہ مین کسی دوسرے کی درایت قابل اعتبار نہوگی۔ خدا تعالی کے کلام کو رسول سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے جب رسول نے کلام خداوندی اپنے صحابہ کو سمجھادیا اور اونکی عقول سلیمہ نے اوسکو قبول کرلیا اور اسی طرح درجہ بدرجہ اُمّت کے ہر طبقہ میں وہ کلام مقبول ہوا تو آج کوئی شخص یہ کیونکر جرأت کرسکتا ہے کہ یہ بات خلاف درایت ہے کیا آج کوئی علامہ اور فاضل صحابہ سے سے درایت رکھتا ہے۔

جب ایک امر کو صحابہ اور علماے سلف کی درایت نے تسلیم کرلیا تو آج کسی کا اوسکو خلاف درایت کہنا قیامت ہے۔

بیشک ایک مستعجل غلط فہمی میں مبتلا ہوکر ایسے دور از کار باتیں کرسکتا ہے مگر جب نظر کو عمیق کیا جاسے تو نہ احادیث میں کوئی تعارض رہتا ہے اور نہ ان تخیلات کی ہستی کا پتہ ملتا ہے۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں اسکے راویوں کو صحیح حدیث کا راوی تسلیم کرتے ہیں۔

(۴) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت انا اول الناس سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن هذه الآیۃ یوم تبدل الارض غیر الارض قلت این الناس یومئذ قال علی الصراط۔ (مسلم و ترمذی وغیرہ) (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آیت یوم تبدل الارض غیر الارض کے متعلق سب سے پہلا آپ سے سوال کیا اور یوں پوچھا کہ اس روز آدمی کہاں ہوں گے تو آپ نے فرمایا کہ صراط پر ہوں گے۔)

(۵) حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں فی الظلمۃ دون الجسر ہے (یعنی [illegible] اور اندھیرے میں پل سے ورے ہوں گے)۔

(۶) حضرت کعب احبار اور ابی بن کعب کی روایت میں ہے یصیر مکان البحر نارا (دریا کی جگہ آگ ہو جائیگی) طبری وغیرہ یہ روایت فتح الباری سے نقل کی گئی ہے حافظ ابن حجر نے اس میں کوئی کلام نہیں کیا چونکہ اسکی سند پیش نظر نہیں اسلئے ہم حتماً تصحیح نہیں کر سکتے۔

ان چند صریح روایات کو نقل کر دینا اثبات مدعا کیلئے کافی سمجھتے ہیں۔

محدثین نے جو اصول تصحیح حدیث کیلئے مقرر کئے ہیں اور جس احتیاط کا لحاظ کیا ہے اسکی بنا پر احادیث مذکورہ کی صحت میں کوئی شخص جسکو علم حدیث میں ادنیٰ ممارست ہے تردد نہیں کر سکتا حدیث کی صحت کا دار و مدار راویوں کی ثقاہت تدین ضبط پر ہے۔

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے جس کا دل چاہے کتب اسماء رجال سے تحقیق کر کے اپنا اطمینان کر لے صحیحین کو جو تلقی بالقبول حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

محدثین نے تحفظ حدیث میں جو عرق ریزیاں کی ہیں اس سے کون ناواقف ہے کیا کوئی آفتاب پر خاک ڈال کر اوسکے نور کو ماند کر سکتا ہے آج وہ دنیا میں کون ہے جو صحیح روایات کا انکار کر سکے۔

فن تاریخ کی آنکھ میچ کر تقلید کرنے والے مسیحی اور مادہ پرست دہری مورخین کی فدائی [illegible] روایات حدیث کو ناقابل اعتبار کہہ سکتے ہیں کیا کسی مورخ کی تحقیق کو کوئی شخص محدثین کی تحقیق کے مقابلہ میں موازنہ کرنیکے لئے آمادگی ظاہر کر سکتا ہے [illegible] میں متفقہ کوشش سے [illegible] اس میدان میں [illegible]

اور ہموار ہوگی اور اجزاے کثیفہ دور کرکے خلاصہ کی روٹی اور اجزاے خسیسہ سے اُسکے چھپنے کے
کے لئے آگ بنادی جاویگی اور بعد اسکے وہ آگ دوزخ کی آگ میں شامل کردی جاویگی یا دریا کی زمین
اگ اور باقی حصہ سے روٹی اور اُسکو بدل کی دوسری چاندی کی زمین بناکر جنت میں داخل کردیجاویگی
موقف کی زمین ملک شام کی محاذات میں ہوگی۔ اسکے آگے دوزخ اور اُسکے آگے جنت ہوگی جنت
کے نشیب پر پل صراط ہوگا موقف سے پل صراط پر سے گذرکر جنت میں دخول ہوگا۔ اور اُس موقف
کی زمین کو حق تعالیٰ اپنے ہاتھ سے روٹی بنائیگا اور بیل و مچھلی کی کلیجی اُسکے ساتھ کھانے کو ملیگی
جیسا کہ حدیث نمبر اول میں جو بخاری شریف سے نقل کی گئی ہے مذکور ہے۔

زمین کی روٹی کیونکر بنے گی

غذا اشتہیہ بالمغتذی اگر ہوتی ہے تو خوب جزو بدن ہوتی ہے اور معلوم ہے کہ انسان کو زمین کے
ساتھ اصل سے مشابہت ہے طبی طور پر زمین کی روٹی ملنے کا یہ راز اگر تسلیم کرلیا جاے تو ایک
بامعنی بات ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ زمین تمام لذتوں اور غذاؤں کا معدن ہے تمام غلے اور میوے اور ترکاریاں
اور پھل زمین سے پیدا ہوتے ہیں گویا زمین ہمارے رزق کی محافظ امین خزانچی ٹھیک اپنے
وقت پر ہمکو ہر شے دیتی ہے اسکی نسبتی حق تعالیٰ کو ایسی محبوب ہے کہ اسمیں ہزاروں لاکھوں طرح کی
نعمتیں ودیعت ہیں۔ گیہوں سے ہم آٹا میدہ سوجی بناکر روٹی اور قسم قسم کی غذائیں بناتے ہیں
گیہوں کا بھس جو بظاہر ہمارے کام کا نہیں حقیقت میں گیہوں کی طرح ہمارے کام کا ہے اُسکو
ہم اپنی گاے بکری بھینس کو کھلاتے ہیں جس سے دودھ۔ گھی۔ گوشت سے مزید نعمتیں ملکر ہمارے
کام میں آتی ہیں کھیتی کے بیل سواری کے گھوڑے۔ اونٹ ہاتھی چرند پرند ہر قسم کی جانوروں کی
غذا گھاس پھوس میں رکھی ہے۔ ہر ہر شے تفصیل بیان کرنیکی ضرورت نہیں ہے اسقدر بیان
سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ اور بعد اسکے علاوہ اکثر اور بہتر ضروریات انسانی
زمین میں موجود ہیں۔

گیہوں اور دوسری عمدہ عمدہ غذائیں مفرد اور مرکب باوجودیکہ وہ نہایت مزیدار اور لطیف
ہیں مگر اُن میں اجزاے کثیفہ و فضلہ کئی موجود ہیں ہم لطف سے لطیف غذا کھاتے ہیں مگر

اسوقت چونکہ بنائے تحریر رسالہ الہدایت کے سوال وجواب یہ ہے اور اسمیں صرف زمین کے روٹی ہونے پر استعجاب کیا گیا ہے قیامت کے وجود پر کوئی خدشہ پیش نہیں کیا گیا ہے۔ لہذا ہم اسوقت اثبات قیامت کے درپے نہیں ہوسکتے ابتدائے مضمون میں جو ایک خفی اشارہ ہوچکا ہے اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

زمین پر چند قسم کے تغیرات واقع ہونیوالے ہیں اگر انکو پیش نظر رکھا جائے تو ان روایات میں کوئی منافات نہیں۔

نمبر۲ پر جو حدیث ہمنے صحیح بخاری سے نقل کی ہے۔ اسکا مفہوم صرف اسقدر ہے کہ قیامت کو روٹی سفید زمین پر اٹھائی جاویگی اس زمین پر کوئی علامت کسی کی نہوگی اور وہ میدے کی روٹی کی طرح ہوگی اسمیں موقف کی زمین کا بیان ہے کہ جب صور پھونکا جائیگا اور مردے قبور سے اٹھکر چلینگے تو وہ ایک میدان مسطح ہموار میں جمع ہونگے بعض روایات میں ہے کہ یہ اسمیں ملک شام کے محاذات میں واقع ہوگی تو یہ حقیقت میں یہی زمین دنیا ہوگی اسمیں فی الجملہ تغیر کیا جائیگا روٹی کی طرح مدور ہوگی اور اسکی کثافت اور غبرت کو دور کرکے اسکو سفید بنا دیا جائیگا میدے کی روٹی کے ساتھ مشابہت تدویر اور رنگ میں ہوگی۔ جن جن روایات میں زمین کا مثل چاندی ہونا مذکور ہے ان سے بھی مراد سفیدی رنگ کی ہے۔ اور جن آیات میں ہے پہاڑ دریا نشیب وفراز کچھ باقی نرہیگا اور زمین کا سطح ہموار ہوگا یہ سب بیان زمین موقف کا ہے۔ پس موقف کی زمین روٹی کی طرح مدور اور میدے اور چاندی کی طرح سفید اور ہموار ہوگی۔

جس طرح طبیب ایک سوداوی مریض کو منضج پلاکر مواد سوداویہ کو اقطار جسم سے مجتمع کرکے بذریعہ مسہل سودا جسم سے خارج کردیتا ہے۔ اور مریض کا رنگ نکھر جاتا ہے ایسے ہی زمین کی غبرت دور کرکے سفید بنادی جاویگی۔

بعض روایات میں ہے کہ طول موقف میں جب آدمی پریشان ہونگے اور بھوک کی خواہش ہوگی تو انکو زمین کی روٹی دیجائیگی بعض روایات میں ہے کہ جب جنت میں دخول ہوگا تو وہاں پہونچتے ہی نزل زمین کی روٹی ملیگی۔ ان روایات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ اگر موقف میں بھی غذا دیجائے اور بعد دخول جنت بھی تو اسمیں کیا منافات ہے۔ اور اوّل موقف کی زمین سفید اور صاف

اوسکو جیسا اور جدھر روٹی کی شکل پر بنادے اور موصوف ہیئت تمام بندوں کو دس سیر کھڑا ہو سکی اجازت دے اور بعد الضرورت اسی زمین میں سے دوسری کثافتیں دور فرماکر غذائے اجزا کی روٹی پکا دے اور اوسی میں سے اجزائے حشیشیہ سے آگ پیدا کرے او سیر زمین ڈبل روٹی بنا رہ جائے اور پھر وہ آگ میں ملا دی جائے اور پھر ایک چاندی کی زمین مرتب فرمادے ضرور قادر ہے اور یہ سب کچھ اوسکی قدرت کے ادنیٰ کرشمے ہیں۔

وہ روٹی جسکو حق سبحانہ اپنی ید قدرت سے پکائے کس مزے کی ہوگی۔ اللہ اکبر تمام لذتوں کا مجموعہ آئیں ہوگا اللہ دے ہمکو ملے۔

جنت میں داخل ہونے والے ایسے بھی ہوں گے کہ جنکو دنیا کی بہت سی نعمتیں چکھنے کا بھی اتفاق نہ ہوا ہوگا باقتضائے رافت دنیا کی تمام نعمتوں کا ذائقہ ایسے اون بندوں کو جنت کی نعمتوں سے پہلے چکھا دینا عین بندہ پروری ہے۔

جو شخص قادر مطلق کے مفہوم سے آگاہ ہے وہ آسانی سے باور کرلیگا کہ روٹی کو مٹی اور مٹی کو روٹی بنا دینا کچھ مشکل نہیں ہے الحاصل زمین چونکہ تمام غذاؤں کی معدن اور اصل ہے اسلئے قیامت کو روٹی پکا کر اپنے جنتی مہمانوں کی دعوت کرنا نہایت عجیب اور بامعنی بات ہے۔

اس آیت کریمہ و احادیث متعلقہ کے معنی بھی معلوم ہوگئے اور سب کا محمل بھی متعین ہوگیا اور کچھ تعارض بھی نہ رہا اللہ تعالیٰ ہم کو تمکو قیامت کے روز یہ زمین کی روٹی اور بیل و مچھلی کی کلیجی اور اوسکا زائد ٹکڑا نصیب کرے وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

خاکسار سراج احمد رشیدی

وہ سب کی سب جزو بدن اور بدل ما یتحلل نہیں ہوتے معدہ اور جگر کے طبخ کے بعد اجزائے لطیفہ کا خون بنکر بدل ما یتحلل اور جزو بدن بنتا رہتا ہے اور جگر سے خون کا ایک نہایت لطیف حصہ دل میں آکر اور دل کی حرارت سے بھاپ کی شکل قبول کرکے ہر رگ و پے میں سرایت کرجاتا ہے اور اجزائے کثیفہ فضلہ بنکر جسم سے خارج ہوجاتے ہیں یہ فضلہ جو انسان کا پاخانہ بنکر خارج ہوتا ہے درحقیقت ابھی اسمیں بھی اجزائے لطیفہ جو خون اور روح کا مادہ ہیں موجود ہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض ایسے حیوان بھی ہیں کہ جو اکثر پاخانہ کھاتے ہیں اور اُس سے اُنکو غذایت نصیب ہوتی ہے اون کے جسم میں خون ۔ روح ۔ ترتیب سے کچھ پیدا ہوتا ہے ۔ اس یہ بات سمجھنی سہل ہو کہ ہر غذا ایسا مقصود بالذات وہ جزو لطیف ہے کہ جو دل میں بھاپ بنکر تمام جسم میں سرایت کرجاتا ہے اسمیں لطافت کے سوا کوئی اثر کثافت کا باقی نہیں رہا اجزائے ناقصہ اس سے بالکل جدا ہوگئے اسمیں فضلہ کا نام و نشان نہیں معدہ کی تنبیں ہیں غذا کی اصلاح ہوتی ہے اجزائے لطیفہ و کثیفہ میں امتیاز اور افتراق حاصل ہوتا ہے اور پھر دل کی مشین میں اجزائے لطیفہ کا بھی کا ایک عطر اور جوہر تیار ہوجاتا ہے غذا کی لذت حلق تک محدود ہے حلق سے اوتر کر غذا مٹی ہے افسوس کہ معدہ اور دل کی مشین میں غذا کے اجزائے ناقصہ دور ہوکر جزو لطیف مایہ الحیات باقی رہا دیکھنا یہ ہے کہ یہ کسقدر خوش ذائقہ ہوگا اگر کوئی اسکو غذا بنائے اور کھائے تو اوسکی روح نہایت لطیف اور قوی اور نہایت قوی ہوگی ۔ بیتیاس آئے گا نہ پاخانہ باوجودیکہ نئی ایجادوں کی گرم بازاری کا زمانہ ہے مگر ابتک کسی ایسی مشین ایجاد نہیں ہوسکی کہ جسمیں غذا کے اجزائے لطیفہ کو اجزائے کثیفہ سے اسطرح جدا کرلیا جائے کہ اومیں فضلہ بالکل باقی نہ رہے ۔ کیسی ہی لطیف غذا یا اوسکا جوہر اور عطر بنا کر ہم کھائیں مگر اوسکے کھانے سے بیتیاس پاخانہ ضرور آئیگا اگر کوئی حکیم آیندہ ایسی مشین ایجاد کرلے کہ جسمیں غذاؤں کا ایسا جوہر اور عطر تیار ہوا کرے کہ اومیں فضلہ بالکل باقی نہ رہے تو بیتیک اوس جوہر کے کھانیوالے نہایت ہی پاک و صاف ہیں گے نہ بیتیاس آئیگا نہ پاخانہ موںہہ سے تھوک آئے گا نہ ناک سے رینٹ نہ بدن سے پسینہ نہ کوئی کسی قسم کا مرض ہوگا ۔

وہ خدا جسنے اپنی قدرت سے اس وسیع زمین کو پیدا کیا اور اسمیں تمام غذاؤں کا مادہ ودیعت رکھا یا جسنے معدہ مین اور دل مین ایسی قوتین رکھدین کہ غذا کے اجزائے لطیفہ سے فضلہ بالکل جدا ہوجائے کیا اس پر قادر نہیں ہے کہ زمین سے اجزائے کثیفہ اور غیرت آلود کو اول دور فرما کر اوس

(جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں انہی فہرست میں شمار کر دیا۔ حالانکہ اس قسم کے واقعات کو داخل
تفسیر کرنیکا الزام تمام مفسرین پر نہیں لگایا جا سکتا۔ یہ بعض مفسرین کی ایسی غلطی ہے جسکو دوسرے
مفسرین و محدثین محققین نے ظاہر فرما دیا ہے۔

(۱۹) جو شخص زرد جوتا پہنے گا اسکا غم کم ہو جائیگا (یا یہ کہ جب تک زرد جوتا پہنے رہیگا خوش رہیگا)
وضع کرنیوالے نے اسکو حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کیا ہے مگر ائمہ حدیث نے اسکے
بطلان کو ظاہر فرما دیا ہے۔

(۲۰) انا من اللہ والمومنون منی (یعنی میں حق تعالی کے نور سے پیدا ہوں اور مومنین میرے نور سے)
اگر اس حدیث کو صحیح مانا جاتا تو وہی معنی تھے جو اس قسم کی دوسری معتبر روایتوں کے لئے گئے ہیں
یعنی میرے نور کو اللہ تعالی نے بلا واسطہ کسی مادہ اور خمیر سابق کے پیدا کیا اور میرے نور سے اہل
ایمان کو پیدا فرمایا۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ حق تعالی کے نور سے کوئی ٹکڑا ٹوٹ کر آپکی ذات اقدس
موجود ہوئی جس سے تجزی اور تبعیض ذات باری کی لازم آوے چنانچہ علامہ زرقانی شرح مواہب
لدنیہ میں بذیل روایت انا من نور اللہ بہت تفصیل سے فرماتے ہیں جسکے آخری الفاظ یہ ہیں
لا بمعنی انها مادة خلق نوره منها بل بمعنی تعلق الارادة به بلا واسطة فی وجوده
ترجمہ حدیث کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خدا تعالی کا نور کوئی مادہ (اور خمیر) تھا جس سے آپکا نور پیدا کیا گیا بلکہ
مقصود یہ ہے کہ آپکے نور مبارک کے ساتھ حق تعالی کے ارادہ نے متعلق ہو کر بلا وسائط و اسباب
ظاہری موجود کر دیا۔ مگر افسوس کہ یہ روایت سند کے لحاظ سے بالکل ساقط الاعتبار ہے
بعض محدثین اسکو کذب مختلق کہتے ہیں بعض موضوع۔

(۲۱) ابراہیم علیہ السلام اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے جنت میں ڈاڑھی ہوگی۔

(۲۲) موسی علیہ السلام کے اتنی ڈاڑھی ہوگی کہ ناف تک پہنچیگی۔

یہ روایات عند المحدثین بالکل پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نسبت
معتبر روایات سے یہ ضرور ثابت ہے کہ وہ جنت میں ان لوگوں کے سردار ہوں گے جنھوں نے
حالت کہولت میں (یعنی ادھیڑ عمر میں) وفات پائی ہے۔ لیکن اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ
ان کے ڈاڑھی ہوگی کیونکہ روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں سبکی عمریں برابر اور زمانہ شباب کا ہوگا۔

ناقابل اعتبار روایات

(بقیہ سلسلہ ۳)

(۱۷) مسور کھایا کرو کیونکہ یہ بڑی مبارک چیز ہے قلب رقیق ہوتا ہے اور رقعت بڑھتی ہے۔ ایجاد کرنے والے نے اس روایت کو حضرت عبداللہ بن مبارک کے واسطے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا تھا۔ لوگون نے عبداللہ بن مبارک رح سے دریافت کیا۔ آپنے فرمایا کہ مسور کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد مروی نہین۔ یہ تو یہودیون کی مطلوب و مرغوب چیز ہے انھون نے من و سلویٰ سے گھبرا کر اسکے ملنے کی دعا کی تھی خدا تعالیٰ نے اسکو ادنیٰ (رذیل چیز) فرمایا ہے اور یہودیون کی مذمت فرمائی ہے کہ ایسی عمدہ نعمت چھوڑ کر اسکو مانگتے ہیں (مسور کو ٹھرکانی ہے ریاح عملیط پیدا کرکے پیٹ مین نفخ کرتی ہے خون واسد پیدا کرتی ہے غالبًا یہ روایت اسی قسم کے لوگون نے تراشی ہے جو من و سلویٰ کو چھوڑ کر اسکی حرص کرتے تھے۔

(۱۸) عوج بن عنق کے حالات و اوصاف جو قصص الانبیا مین اور بعض تفسیرون مین مذکور ہیں اکثر غلط اور باطل و بے اصل ہیں مثلاً یہ کہ اُسکا قد تین ہزار تین سو تینتیس گز تھا۔ نوح علیہ السلام کی کشتی کو دیکھکر ہنستا تھا اور کہتا تھا کہ مجھکو بھی اپنی اس پیالی میں سوار کرلیجیگا۔ طوفان نوح اسکے ٹخنے تک بھی نہ آیا تھا سمندر کے بیچ میں گھسا تو سینہ تک پانی آیا۔ دریا سے مچھلیان پکڑ کر آفتاب سے بھون کر کھا لیتا تھا۔ وغیرہ یہ سب بے سند و بے اصل قصے ہیں۔ اسلئے کہ قرآن مجید سے معلوم ہو رہا ہے کہ اہل کشتی کے سوا طوفان نوح علیہ السلام سے کسی نے نجات نہین پائی اور زندہ باقی نہین رہا۔ اور تین ہزار گز کا قد مچھلی کو آفتاب کی گرمی سے کباب کرنیکے لئے ہرگز کافی نہیں کیونکہ آفتاب نہین چوتھے آسمان پر ہماری زمین سے ہزارون کوس دُور ہے۔ ایسی روایات سے مخالفین اسلام کو تو تکذیب بالدین کا موقع ملتا ہی تھا گذشتہ قریب زمانے مین بعض جدید الخیال مفسرین بالرائے کو کتب تفسیر کے ساتھ استہزا و تمسخر کا سہارا ہاتھ آگیا اور اسی قسم کے واقعات بطور نمونہ دکھلا کر تفاسیر قدیمہ سے مسلمانون کو بدظن کرنے کی کوشش کی۔ اور حقیقی و واقعی معجزات کو بھی

ڈاڑھیاں ہونگی خواہ حالت طفولیت میں پائی ہو یا جوانی میں یا بڑھاپے میں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت جنت میں ایسی حالت میں داخل ہوں گے کہ امرد یعنی سادہ رو اور کم موسرگین چشم ہونگے بیس یا تینتیس سال کی عمر ہوگی۔ حضرت ابوہریرہ رض کی روایت میں ہے کہ انکا شباب کبھی فنا ہوگا (ترمذی شریف)۔

(۲۳) ماہتاب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گریبان میں کو داخل ہو کر آستین سے نکل گیا۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح اور سچے معجزے اسقدر موجود ہیں کہ ایسے غلط روایات سے مدد لینا سراسر نادانی ہے۔ اگر سند صحیح سے ثابت ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ بقدرت اللہ تعالی قمر کا جرم وجسم صغیر ہو کر آستین مبارک میں داخل ہوگیا۔ اب جبکہ ثبوت ہی نہیں تو کیا ضرورت ہے کہ بے اصل واقعہ کو تسلیم کرکے یہ اعتراض سر لیں کہ ہر ایسا طویل و عریض جسم آستین مبارک میں کیسے داخل ہو سکتا ہے۔

(۲۴) بلال رض کا سین اللہ تعالی کے نزدیک شین ہے۔

اول ایک غلط بات مشہور ہوئی کہ حضرت بلال شین کے ادا کرنے پر قادر نہ تھے اسی پر یہ روایت ہوگئی کہ "انکا سین ہی حق تعالی کو محبوب ول پسندیدہ ہے اور شین کا قائمقام ہے۔ حالانکہ یہ کہیں صحیح روایت حدیث یا سیر سے ثابت ہی نہیں کہ بلال رض شین کے ادا کرنے سے قاصر تھے۔ پنجوقتہ آذان و اقامت کا واقعہ ایسا نہیں کہ پوشیدہ رہجائے اگر ایسا ہوتا تو ضرور شہرت کے ساتھ منقول ہوتا بلکہ شاید آپ انکو موذن ہی مقرر نہ فرماتے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۲۵) جو شخص صحبت حلال کے بعد جنابت کا غسل کرتا ہے اسکو اللہ تعالی سفید موتی کا محل عطا فرمائیگا اور ہر ہر قطرہ پانی کے عوض میں ہزار ہزار شہید کا ثواب لکھیگا۔

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ صحبت حلال موجب ثواب ہے اور بفضلہ تعالی اسکے بعد غسل میں بھی ثواب حاصل ہوتا ہے لیکن اس روایت میں یا اسی قسم کی اور بعض روایات میں ثواب کی مقدار بیان کیگئی ہے یہ روایتیں بالکل بے اصل اور موضوع ہیں وضع کرنے والے کو خدا تعالے حسب استحقاق سزا دیوے۔

القاسم

قال النبي صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی ماہوار رسالہ

نمبر ۲ بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۳[illegible]ھ جلد ۳

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مطبع قاسمی واقع دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپایا

اور

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

رمضان المبارک کے متبرک ایّام میں

اگر آپ شعبان و رمضان کے دونوں رسالے ملاحظہ فرمانا چاہتے ہیں تو تکلیف فرما کر عہ۸ر بذریعہ منی آڈر مرحمت فرمائیے (بشرطیکہ آپ کا حساب ماہ شعبان سے شروع ہوتا ہو)۔

ورنہ ایک سو روانہ کے حساب سے کہیں ۲ ر رمضان المبارک تک آپکی خدمت میں ویلو روانہ ہونگے اور اگر ڈاکخانہ سے کچھ غفلت کی تو ویلیو کی قیمت کے وصول ہونے کے انتظار میں رمضان کا رسالہ شوال تک رکھا رہیگا (بلکہ شاید کچھ زیادہ عرصہ تک کیونکہ بعض ویلیو سات سات مہینے کے بعد وصول ہوتے ہیں)۔

منی آڈر کی دستخطی رسید جو ڈاکخانہ سے پہنچے اسکو چند روز محفوظ رکھئیے تاکہ اہل دفتر کی سہو اور غلطی پر آپ کو تنبیہ کرنیکا موقع ملے۔

اگر آپ منی آڈر روانہ نفرماویں تو آخر رمضان المبارک تک ویلیو پہنچنے کا انتظار فرماویں۔

جن حضرات نے بلا طلب و تقاضا مدت پہلے قیمت مرحمت فرما دی ہے انکی عنایت کا شکریہ ادا کرکے شعبان کا رسالہ سب سے پہلے روانہ کیا جائیگا۔

ویلیو واپس ہونے میں صرف محصول ڈاک ضائع نہیں ہوتا بلکہ رسالہ بھی بیکار و خراب ہو جاتا ہے۔
اسلئے جن صاحبوں کو کسی وجہ سے آیندہ جاری رکھنا منظور نہ ہو وہ بہت جلد مطلع فرما کر مشکور فرماویں۔

کتب ذیل حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب کی تصنیف ہیں اور دفتر القاسم سے مل سکتی ہیں۔

دعوات عبدیت
یعنی عجیب و غریب مضامین کا ضخیم مجموعہ جسکا عرصے سے لوگوں کو انتظار تھا جسے اب تمام سے جمع کیا گیا ہے دس حصوں میں مفرد حصوں کو مختلف جدید وعظ ہیں اور گیارہویں میں ملفوظات
قیمت ۸ عہ ر

نشر الطیب
ذکر النبی الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح عمری محققانہ طرز اور معتبر روایات سے حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب مدظلہم نے اہل الاسلام کے پڑھنے اور سننے کیلئے تالیف فرمائی ہے
قیمت قسم اول عہ قسم دوم ۱۲ر قسم سوم [illegible]

الانتباہات المفیدة
عن الاشتباہات الجدیدة
جس میں اس قسم کے شبہات کے جواب و تحقیق متعلق حدوث مادہ و تعمیم قدرت و حصول ذریعہ شریعہ و عالم آخرت و تقدیر و معاشرت و عبادات وغیرہ اور جملہ اصول مفیدہ مع شرح
قیمت رعایتی ۱۰ ر

وجوہ المثانی
قراءات متواترہ کو ترتیب سورہ معانی سلمہ و دیگر امور ضروریہ جمع کیا ہے عربی زبان قیمت ۱۲ ر
جامع الآثار۔ احادیث دلائل مذہب حنفیہ کو بہ ترتیب ابواب عربی زبان میں جمع فرمایا ہے
قیمت ۶ ر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اعلیٰحضرت آصفجاہ نظام الملک شاہ دکن خلد اللہ ملکہ

کی

نظر التفات دار العلوم دیوبند پر

دار العلوم دیوبند کی عمارت توکل کی مستحکم و ہموار بنیاد پر قایم کی گئی۔ اور اُن مقدس بابرکت حضرات نے اسکو تعمیر کیا جنکو سلف صالح کے صحیح جانشین ہونیکا بجا فخر حاصل تھا۔ جو زمانہ کی ضرورت اور اہل اسلام کے حالات موجودہ و آیندہ کے بعض شناس تھے۔ جنکو زہد و تقویٰ ہمت کا لقب بجا و درست دیا گیا جنکی دور بینی و مآل اندیشی نے دار العلوم کو ایسے اصول و ضوابط پر چلایا کہ اگر اسکو اُسی جادہ پر چلایا جاوے تو حوادث و فتن کے متزلزل کرنیوالے ہوکے زمانہ کے تغیرات اور زمانہ کے رنگا رنگ خیالات اُسکی رونق و ترقی میں ذرا بھی رکاوٹ نہیں ڈال سکتے۔

توکل ہی وہ غیر متناہی بیت المال ہے جسکے وسائل لا انتہا و وسیع ہیں۔ اور جسکی معموری میں عارضی آفات خلل انداز نہیں ہوسکتیں حضرت مولانا قاسم العلوم والخیرات بانی مدرسہ قدس اللہ سرہ کی تحریر فرمودہ اصول میں۔ اہم اصل یہ ہے کہ کارکنان دار العلوم کی نظر ہمیشہ توکل پر رہنی چاہیئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "مدرسہ دیوبند کی صورت مثالی ایک معلق سی کی طرح معلوم ہوتی ہے"۔

دار العلوم دیوبند اسی غیر منقطع اور غیر متناہی دولت کے ذریعہ سے ابتک ہر قسم کی ترقیات کر رہا۔ آنکے اندر جس کام کا بیڑا اُٹھایا گیا جو تجاویز جاری کی گئیں۔ اگرچہ بظاہر انکا سر انجام دشوار اور نظر باسباب ظاہرہ متعسر بلکہ ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ مگر خزانہ غیبی سے بیگمان امدادیں ہوتی رہیں۔ اور کوئی بڑے سے بڑا کام بھی یہاں نہ رکا۔

سخت سے سخت مالی مشکلات پیش آئیں جنکو دیکھتے ہوئے ضعیف البنیان انسان کے متناہی خیالات مایوسی کا نظارہ پیش کرتے تھے۔ داخلی اور خارجی فتن کا بارہا ایسا ہجوم ہوا کہ تھوڑی دیر کیلئے بھی دار العلوم کا اپنی جگہ پر قایم رہنا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ مگر مقدس بانیان کی برکت اور توکل و تفویض کے حصار قوی کی بدولت ساری مشکلات حل ہوتی گئیں۔ سارے فتن مرتفع ہوتے گئے۔ اور دار العلوم اُسی انداز سے تیزی کے ساتھ ترقی کرتا گیا۔

خدام دار العلوم کی نظر ہمیشہ اسی پر رہی کہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرکے ہر ایک مفید اور ضروری تجویز کو جاری کرنے میں پس و پیش نہ کیا جاوے مسبب الاسباب خود اُسکے لئے ہر قسم کے سامان مہیا فرما دیگا۔ اور یہی ہوا۔ ایک زمانہ تھا کہ دار العلوم میں طلبہ و مدرسین کی تعداد بہت کم تھی وسیع عمارات کی بھی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ اُس حالت کو دیکھتے ہوئے دار العلوم کی قدیم عمارت بھی وسیع اور بے ضرورت نظر آتی تھی۔ زیادہ مقدار کے چندوں کی بھی ضرورت نہ تھی قرب و جوار کے اہل خیر جو امداد فرماتے تھے اُسکو کافی سمجھا جاتا تھا۔

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ رمضان ۱۳۳۱ھ

(مطابق ماہ ستمبر ۱۹۱۳ء)

جو حضرت مولانا محمود حسن صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

(اور)

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ

(دیوبند)

کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے

نوٹ — جن حضرات نے بعض اڈ[illegible] قیمت مرحمت فرما کر مشکور کیا اور باقی حضرات کے پاس ویلیو روانہ ہو گئے ہیں اور جنکی [illegible] گم شدہ اور ضائع شدہ سابق نمبر بھیجکر تمام ناظرین کی جلدیں مکمل کرا دی گئی ہیں۔ اب بھی کسی صاحب کو ضرورت ہو تو جلد طلب فرمالیں کیونکہ سابق نمبرات ختم ہو رہے ہیں۔ اور کامل جلد اول کے تو صرف پانچ ہی نسخے رہ گئے ہیں۔ اور جلد دوم کے بھی بہت کم۔

خط وکتابت میں نمبر خریداری چٹ پر دیکھکر تحریر فرمائیے۔ نمبر ۵۲۳ نہ لکھئے۔

إنّ المليك نظام الملك كوكبه
ہے نظام الملک سلطان دکن سے رشک ...

ظلّ الإله على وجه البسيط دجى
ہے پناہ اہل عالم سایۂ رب العلیٰ

ودائرة نصرة الحق في قسط
مرکز انصاف وحق پر ہے وہ قائم راست دل

ودُرّة التاج للأملاك واسطة
ہے شرافت کی صدف کا گوہر یکتائے دہر

أحيى المعالم حقًا بعد ما درست
ہیں مدارس زندہ اس عیسیٰ نفس کے دم سے آج

ومكّن الدين فوق الأرض منبسطا
دیں کو پھیلا دیا چاروں طرف صد آفریں

ونشّر العلم في أنحاء دولته
علم کو پھیلا دیا روئے زمیں پر واہ واہ

كأن المعالم قد ثُلّت فعمّرها
کی حوادث سے مدارس کی حفاظت آپ نے

كانت مكارمه من قبل شاملة
تھا سلف سے آپ کا ممنون یہ دار العلوم

وإنّها لكنور الصبح ساطعة
مثل نور صبح ہے دار العلوم دیوبند

أضحى البسيطة منها في سنا قمر
جگمگاتی ہے زمیں انکی ضیا سے آجکل

وهزّ من عطفه عرفان رتبتها
قدردانی کی مدارس پر ہوا انعام خاص

والعدل شاكره والفضل ذاكره
عدل شاکر آپکا ہے فضل ذاکر آپ کا

وعمّهم فيضه كالغيث منهمرًا
اہل عالم پر ہے دایم بارش لطف عمیم

فدام بالملك والعزّ العزيز كما
قائم و دایم رہے یہ ملک و عزت آپ کی

وقائمًا بحدود الشرع محتفلا
تم حدود شرع پر انصاف و فضل و لطف سے

وكان في ظله المبسوط عامرة
ظل شفقت میں تمہارے ہو دکن آباد و شاد

سعدٌ له نحوهم لبست العزّ والشرف
احمر ترح سرخ ہم سعد عز وشان

وباسط العدل ماحي الجور والأسف
ماحی جور وستم سے عادل اہل زمان

من الجوانب في عدل ومنتصف
مٹگیا ملک دکن سے ظلم کا نام ونشان

ويدرة الشأن فرد الوصف في الصدف
ہے یگانہ درۃ التاج سلاطین زمان

وطهّر الأرض من ظلم ومن حيف
پاک ہے روئے زمیں ظلم وستم سے یکسان

والشرع من طرف منها إلى طرف
قوم پر ہے آپکا احسان ولطف بیکران

وشنّف السمع من ذكراه بالطرف
آپ کا وصف وثنا ہے زینت گوش زمان

وصانها عن عوادي الدهر والتلف
ورنہ ہوجاتے کوئی دن میں یہ بے نام ونشان

دار العلوم على عهد من السلف
کبھی ہمیشہ سے توجہ اسکے اوپر بیکران

في ديوبند بلا فخر ولا صلف
ہے بلا لاف وگزاف اسوقت یہ شمع جہان

تمحو الظلام كضوء الشمس من عسف
روشنی کا نور اسکے نور سے تاریکیاں

وخصّها بمزيد الفضل والتحف
مدرسہ پر ہوگیا لطف وکرم دونا عیان

وسائر الناس من داعٍ ومعترف
ہیں دعاگو آپکے دنیا میں سب پیر وجوان

بالجود من سلف منهم إلى خلف
ہیں سلف سے تا خلف مرہون لطف بیکران

دامت رعيته في روضة الأنف
اور رعیت پر رہے لطف خدائے دوجہان

بالفضل والعدل ثم العطف واللطف
قایم ودایم رہو با صد شکوہ و عز وشان

بلا دوه أبدًا في الريف من تسطف
عیش وعشرت ہو مدام اور دور ہوویں شگان

الرشید } کے اجراء کی دیرینہ تمنا پوری ہونے کا وقت آگیا۔ اسکے اجراء کی

لیکن زیادہ عرصہ گذرنے نہ پایا کہ دارالعلوم کے فیض عام کے ساتھ ساتھ اسکی مقبولیت اور مقبولیت کے ساتھ
اہل اسلام کی توجہ اسکی طرف بیحد دل ہوتی گئی۔

وہ وقت پیش نظر ہے کہ دارالعلوم کی شہرت رنگوں تک پہونچگئی اور جلسہ دستاربندی میں وہاں کے
ایک باہمت بزرگ نے علماء فارغ التحصیل کیلئے عمامے عطا فرمائے۔

لیکن جب دارالعلوم نے ایک قدم اور آگے بڑھایا تو اسکے دائرہ فیوض کو وسیع اور عام بنانے کیلئے حضرت آصفجاہ
نظام الملک میر محبوب علی خان صاحب غفران مکان شاہ دکن کا دست کرم اسکی طرف بڑھا۔ اور آپکے
خزانہ عامرہ سے یکصد روپیہ ماہانہ کلدار کا گرانقدر مشاہرہ مقرر ہوگیا۔ دارالعلوم کی عظمت و شان کے ظہور اور اسکے
استحکام کا یہ پہلا دن تھا۔ اسکے بعد دارالعلوم کے مقاصد میں جسقدر توسیع ہوتی گئی۔ اسکی ضرورتیں جوں جوں
بڑھتی گئیں۔ اعلحضرت غفران مکان کا دست کرم بھی کشادہ ہوتا گیا۔ یہانتک کہ سنہ ۱۳۲۶ھ میں ماہوار ۲۵۰ روپیہ ماہانہ
امداد کا فرمان صادر ہوگیا۔

دارالعلوم کے گذشتہ زمانوں کے اعتبار سے سال حال نہایت صعب اور پرخطر تھا اسکی شہرت و مقبولیت نے عراق و عرب
چین و روس تک کے طلبہ کو اپنی جانب متوجہ کرلیا۔ اسکے ہر علیحدہ شعبہ میں جلد جلد ترقیات ہونے لگیں انتظام
تعلیم کے ساتھ اشاعت اسلام درجہ تکمیل کی افتتاح نے ذمہ داری کے فرائض کو اور بڑھادیا جسکے تنظیم و ترتیب کیلئے
وسائل آمد کو بہت زیادہ وسیع کرنیکی سخت ضرورت تھی لیکن عوارض حالی نے چندہ کی معمولی رفتار میں بھی غیرمعمولی رکاوٹ
پیدا کردی اور یہ وہ وقت تھا کہ خدام مدرسہ کو دارالعلوم کی حالت کا سنبھالنا نہایت دشوار نظر آ رہا تھا۔

لیکن اَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ وَتَوَکَّلُوْا عَلَیْہِ کی برگزیدہ تعلیم نے انکو ہدایت کی کہ اعلحضرت حضور آصفجاہ
میر عثمان علیخان صاحب بہادر شاہ دکن خلد اللہ ملکہ کی سمع ہمایوں تک جلد سے جلد یہ حالات پہونچائے جائیں آپکی
نظر کیمیا اثر تک ان حالات کا پہونچنا تھا کہ دارالعلوم کی ماہانہ امداد کو المضاعف کردینے کا فرمان صادر ہوگیا فللّٰہ الحمد۔

ہندوستان کا ہر ایک فرد اس حقیقت الحال سے واقف ہے کہ تمام مذہبی و قومی درسگاہوں کی سرسبزی و شادابی
میں خزانہ عامرہ حیدرآباد دکن وہی کر رہا ہے جو ابر بہاری پژمردہ کشت زار کے ساتھ کرتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند خالص دینی مذہبی درسگاہ ہے۔ اسمیں علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم دیجاتی ہے اسمیں وہ جماعت
تیار ہوتی ہے جسکا زمزمہ تضرع عرش بریں تک پہونچتا ہے جنکی دعاہائے نیم شبی مستحکم حصار کا کام دیتی ہیں۔

تمام مسلمانان عالم خصوصاً ہندوستان کے مسلمانوں کو دلی اخلاص کے ساتھ دعا کرنی چاہیئے۔ کہ دولت آصفجاہی
اسی آب و تاب کے ساتھ ہمیشہ قایم رہے اور ذات والا اعلحضرت میر عثمان علیخان بہادر تادیر جلوہ فرمائے
سریر سلطنت رہے۔ آمین یا رب العالمین۔

اشعار مدحیہ حضور نظام دکن خلد اللہ ملکہ بزبان عربی

ترجمہ اشعار عربی منظوم از مولوی سراج احمد صاحب نائب ناظم جمعیۃ الانصار

سیرت نبویؐ

سب سے پہلے تمہید کے طور پر ہم فن سیرت، حدیث، ادب، وغیرہ کی بعض ضروری اصطلاحات کا بیان مناسب سمجھتے ہیں۔ اسکے بعد ہم اپنے موضوع پر اچھی طرح بحث کر سکینگے۔

سیرت کے لغوی معنی گو طریقہ، عادت کے ہیں، اور اس لحاظ سے سیرت ایک ایسے مجموعہ کا نام ہونا چاہیئے جس میں اخلاق، عادات، اور زندگی کے عام سوانح جمع کئے گئے ہیں۔ مگر علمائے سلف اور محدثین نے اس لفظ کو اپنی اصطلاح میں دوسرے معنوں میں استعمال کیا ہے۔

شیخ ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں۔

السیر جمع السیرة وھی الطریقة فی الامور وفی الشرع تختص بسیر النبی علیہ السلام فی مغازیہ۔

سیر سیرت کی جمع ہے۔ اور اصطلاح شرع میں سیرت کا لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی کے واقعات اور حالات کے لئے مخصوص ہے۔

مغرب میں ہے۔

اصل السیرة حالة السیر الا انہ غلب علی لسان الشرع علی امور المغازی وما یتعلق بہا کالمناسک علی امور الحج۔

اصل میں سیرہ حالت سیر کو کہتے ہیں مگر اصطلاح شرع میں اسکا استعمال امور مغازی پر شائع ہے جیسا کہ مناسک کا اطلاق امور متعلقہ حج پر کیا جاتا ہے۔

عنایہ میں ہے۔

جمع سیرة سیر وھی فعلة بالکسر من السیر فتکون لبیان ھیئة السیر وحالتہ وقد استعملت کذلک فی السیر المعنوی حیث قالوا فی عمر بن عبد العزیز سار فینا سیرة العمرین لکن غلب فی لسان اہل الشرع علی الطریق المامور بہا فی غزوات۔

سیرة کی جمع سیر ہے اور سیرت فعلۃ کے وزن پر سیر سے مشتق ہے تو سیرة ہیئات سیر کی ہوئی اور کبھی اسکا اطلاق سیر معنوی کے معنی میں ہوتا ہے چنانچہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے بارہ میں مشہور ہے کہ انکا چال چلن حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالی عنہما کا سا تھا لیکن اصطلاح اہل شرع میں لفظ سیرت کا استعمال امور متعلقہ جہاد پر ہوتا ہے۔

باضابطہ اجازت حاصل کرلیگی۔ اوراب صرف اس امر کا انتظار ہے کہ شائقین کی تعداد کم ازکم پانسو تک پہونچ جائے۔ اگر ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ کے آخر تک یہ تعداد پوری ہوگئی جسکا پورا ہونا بمقابلہ اُس شوق کے جسکا اظہار بارہا قدردانان علوم اسلامیہ اور منتسبان حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد صاحب قدس اللہ سرہٗ کی طرف سے ہوا کچھ بھی دشوار نہیں ہے۔

ہمیں اُمید ہے کہ بہت جلد مشتاقان **الرشید** اپنا نام اُسکی فہرست میں لکھوائینگے تاکہ ہمکو ماہ محرم ۱۳۳۲ھ سے اُسکے اجراء کا موقع ملجائے۔

الرشید کا خط و کاغذ القاسم جیسا ہوگا اور تقطیع و قیمت بھی وہی ہوگی۔ اسکے متعلق اگر عام رائے کچھ اور ہو تو اُسکی پیروی کیجاویگی یقین کہ مخلص احباب اپنے مشورہ سے مطلع فرمانے میں دریغ نفرمائینگے۔

حبیب الرحمن مدیر الرشید

قطعہ تاریخ وفات جناب دیوان محمد یسین صاحب مرحوم خادم خاص حضرت قاسم العلوم والخیرات نور اللہ مرقدہٗ

من تصنیف حضرت مولانا مولوی محمود حسن صاحب صدر مدرس دار العلوم دیوبند

زاں چہ اندیشم کہ زیر خاک باشد جائے من
رفت چوں زیر زمیں قلب و سر و اعضائے من

آنچناں رفتہ عزیزان و بزرگاں زیر خاک
خاک افتادم کہ گردد جائے ایشاں جائے من

آن بزرگاں داغ دیگر بردلم دارند حیف
کز ازل داغی از و شاں بود در سیمائے من

آن عزیزا یکہ منزل در سویدا داشتند
ہست در سودائے شان این شیون و سودائے من

چوں نگوستن رفتگان ہواں رسد نازم چہ سود
آسماں صحن قیامت شد گر از غوغائے من

بود باقی از گروہ اصفیا صاحب دلے
از سرم دامن کشاں بگذشت آہم وائے من

آن نکو صورت کہ بودہ قلب قرآں نام او
واں نکو سیرت کہ بودہ مامن و ماوائے من

جاں نثار و والہٗ دلدادہٗ مخدوم من
مخلص و ممدوح و مخدوم و کرم فرمائے من

بارہا باس اکنوں میسرایم نغمہ
ملجاء ماہر دینی خادم مولائے من

۱۳ ھ ۳۱

اسی طرح فن حدیث کی خدمت میں بھی اُمت نے طرح بہ طرح حصہ لیا بعض محدثین نے آٹھوں فنون کو جمع کر دیا، جس کا نام اصطلاح میں جامع رکھا گیا۔ جیسے صحیح بخاری، جامع ترمذی، بعضوں نے احکام فقہیہ کی احادیث پر اکتفا کیا، ایسی کتابیں سنن کہلاتی ہیں چنانچہ سنن ابن ماجہ، نسائی، ابی داؤد، دارقطنی وغیرہ اسی طریقہ پر لکھی گئیں ان میں سے بعض کتابوں میں جہاں غیر احکام کی احادیث ہیں، اوّل تو وہ تبعاً مذکور ہیں۔ علاوہ اس احکامی احادیث سے بہت کم بھی ہیں۔ بعض نے فن ادب کو جسمیں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال خاصہ بیان کئے جاویں، علیحدہ لکھا چنانچہ امام بخاری نے اس فن میں ایک مستقل مبسوط کتاب تصنیف کی جو ادب المفرد کے نام سے مشہور ہے۔ امام ترمذی نے جو شمائل لکھی ہے وہ بھی اس فن میں ہے۔ اسکے سوا اور بھی بہت سی مستقل تصنیفیں فن ادب میں لکھی گئیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اصول حدیث کے رسالہ عجالہ نافعہ میں اس کو اچھی طرح لکھا ہے۔

اسی طرح بعض لوگوں نے صرف سیرت کی کتابیں لکھیں جس میں صرف آنحضرت کے غزوات کو موضوع ٹھیرایا۔ اور چونکہ اس فن میں سوانح کا بھی ایک رنگ موجود تھا۔ اس لحاظ سے انہوں نے ولادت سے لیکر نبوت تک کے مختصر حالات بھی درج کر دئے۔

اور اس وجہ سے اس فن میں فتوحات تفصیل سے لکھی گئی۔ ملکی نظم ونسق اور تمدن ومعاشرت کے واقعات کو عام طور پر بالکل تو نظر انداز نہیں کیا گیا ہاں اہمیت دیکر بھی نہ لکھے گئے۔ مگر پھر بھی بعض سیرت نویسوں نے ملکی نظم ونسق کو بھی اس میں کما حقہ بیان کیا۔ مثلاً زاد المعاد جو ابن قیم کی تصنیف ہے۔ اسمیں یہی رنگ اختیار کیا گیا ہے اور موقعہ موقعہ واقعات کیساتھ سیاست کے اصول بھی لکھے گئے ہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ اس فن کا موضوع صرف مغازی یعنی سنین کو عنوان بنایا گیا۔ تمامتر جنگی واقعات ذکر کئے گئے۔ اور غزوات ہی کے عنوان سے وقائع شروع کئے گئے۔ اور اسی لئے سیر موسیٰ بن عقبہ اور سیرت ابن اسحق مغازی کے نام سے مشہور ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے نقل کر چکے وفی عامۃ کتب الفقہ یقال لہا کتاب المغازی۔

الکمار وکان سبب ذالک کونھا
تستلزم السیر وقطع المسافۃ وفی
غیر کتب الفقہ بترکتاب المغازی

۱۵ مختصر - فتح القدیر مطبوعہ مصر

کیونکہ غزوات میں سیر وقطع مسافت کرنا پڑتا ہے
اور کتب فقہ کے علاوہ اور کتب میں بجائے سیر کے
مغازی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ کہتے
ہیں کتاب المغازی -

اِن عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ سیرۃ النبی محدثین وعلماے کی اصطلاح میں صرف اُس فن کا نام ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کے حالات لکھے جائیں - لہٰذا اِس فن کا موضوع صرف مغازی ہونگے اور جو باتیں ان مباحث سے علاوہ اس میں ہوں وہ بطور مبادی یا فوائد کے ہونگے - البتہ اِس زمانے میں سیرت کا اطلاق سوانح عمری پر کیا جاتا ہے مگر اِس سے متقدمین کی اصطلاح پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا -

سیرت نبوی' فن ادب وغیرہ کی طرح فن حدیث کا ایک ٹکڑا ہے - حدیث آٹھ علوم کے مجموعہ سے عبارت ہے' جو اِس شعر میں جمع ہیں -

سیر' اداب' وتفسیر' و عقائد | فتن' اشراط' و احکام' ومناقب

علم حدیث کا موضوع خود ذات بابرکات حضرت رسالتمآب علیہ الصلوات والتحیات' ہیں اسی لئے خدام ملت' عاشقان بارگاہ رسالت' یعنی علماے سلف ومحدثین نے اسکی خدمت کی - اور ایسی خدمت کی' کہ اپنی عمر کو اسکے لئے وقف کر دیا' اور اپنی زندگی کا نصب العین اسی خدمت کو بنایا - حدیث کے تمام شعبوں کی طرف یکساں اپنی توجہ کو منعطف کیا - اور جو کچھ رسول کریم سے مروی تھا' سب کو قلمبند کر کے آنیوالی نسلوں کیلئے ایک نہایت بڑا عظیم الشان ذخیرہ جمع کر دیا - اور حسن نظر تحقیق' وتنقیح سے احکام' کی روایات میں صحت وضعف کو ممتاز کیا - انہی اصول کیساتھ مغازی ومناقب کی احادیث کو بھی جانچا -

جس طرح مذہب اسلام عقائد' اعمال' اعمال' عبادات ومعاملات - اخلاق ظاہری' وباطنی وغیرہ متفرق اور متعدد شعبوں کو مشتمل ہے - اور علماے ملت نے ہر ایک کی کماحقہ کی خدمت اور انہی متفرق شعبوں کے لحاظ سے - علم کلام' تصوف' تفسیر' حدیث' فقہ' وغیرہ فنون مرتب کئے گئے' اور ہر ایک نے اپنی اپنی دلچسپی کے موافق ایک ایک فن کی خدمت کی'

بن عبدالعزیز نے حکم دیا کہ غزوات ہی کا حلقہ درس قائم کیا جائے،" عاصم بن قتادہ انصاری اس
فن میں خاص کمال رکھتے تھے اُن کو حکم دیا کہ دمشق کی جامع مسجد میں بیٹھکر لوگوں کو مغازی اور
مناقب سکھائیں یہ سیرت نبوی کا پہلا سنگ بنیاد تھا") بہرطور یاتی فرمالیتے تو غالباً علامہ
اس خلط مبحث سے بچ جاتے۔ اور خود اپنی ہی تحریر کے موافق یہ سمجھ لیتے کہ سیرت نبوی اصطلاح
متقدمین میں صرف مغازی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔

علامہ نے سیرت نبوی کو شاہی تاریخوں سے محض اس واسطے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح ان
تواریخ میں بجز رزمیہ کارناموں کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اسی طرح سیرت میں بھی غزوات کے سوا
اور کچھ نہیں مگر یہ معلوم کہ علامہ کا اس سے کیا مطلب ہے؟ اگر یہ ہو کہ سیرت میں بھی ان تواریخ کی
طرح آسمان اور زمین کے قلابے ملائے جاتے ہیں اور مبالغہ آمیز قصے اور کہانیاں بیان کیجاتی
ہیں تو میں افسوس کیساتھ یہ لکھنے پر مجبور ہوں، کہ علامہ نے یا تو سیرت کی کتابیں دیکھی نہیں،
یا دیکھیں تو دیدہ و دانستہ، اپنی جدید سیرت کی وقعت قائم کرنے کے لئے، عوام کو ان بزرگوں
سے بدظن اور بدعقیدت بنانا چاہتے ہیں، بہرحال ان معنوں کے لحاظ سے قطع نظر اسکے کہ محدثین
کی تمام اعلیٰ کارناموں اور قیمتی خدمتوں کی، حق ناشناسی، ناشکری ہے، واقعیت سے بالکل دور
ہے۔ اور اگر اس تشبیہ سے صرف یہ مقصود ہے کہ ان تواریخ کی طرح اس میں جنگی کارنامے ہیں، تو میں
نہیں سمجھ سکتا کہ اسمیں کیا اعتراض اور کونسا الزام محدثین پر آسکتا ہے۔ یا اسمیں کونسی ناموزوں
ہے، جب یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ سیرت غزوات نگاری کا نام ہے سوانح کا نہیں۔

کسی نبی کی مکمل اور جامع تاریخ یا سوانح دراصل اُسکے اعمال، اخلاق، اور تعلیمات، کے
مجموعہ کا نام ہے، شان نبوت کا لحاظ رکھتے ہوئے کوئی عقل ہرگز یہ ماننے کے لئے آمادہ نہیں کہ
نبی کی سوانح نگاری صرف وقائع نگاری پر منحصر رکھی جاوے۔ ایسی سوانح رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی موجود ہے جو اب علم حدیث کے لقب سے ملقب ہے۔ اور یہی نبوت کی وہ حقیقی تاریخ ہے
جسکی طرف سلف صالحین نے بیش از بیش توجہ کی۔

احادیث کے پورے مجموعے کو احکام ہوں یا تفسیر، آداب، وفتن ہوں یا مغازی ومناقب
سب میں ایک ہی اصول ملحوظ رکھے گئے، اور سب کی صحت وضعف کے ایک ہی شرائط وقیود مقرر

محدثین میں ایک جماعت نے اپنی کتاب میں صحت کا التزام کیا اور ہر قسم کی احادیث کو انکا حکام وسیر کے متعلق ہوں یا مغازی و مناقب کے، سب کو صحیح طور پر جمع کیا۔ اور جو چھان بین احکامی روایات میں انہوں نے کی وہی مغازی وغیرہ کی احادیث میں بھی کی۔ چنانچہ جن جن کتابوں میں صحت کا التزام کیا گیا مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن خزیمہ، منتقی ابن جارود، صحیح ابن حبان وغیرہ، ان کتابوں میں حدیث کے ہر شعبہ کے متعلق نہایت صحیح اور راجح روایتیں جمع کی گئی ہیں جسمیں اور فنون کی طرح مغازی وسیر کے متعلق بھی بہت بڑا صحیح ذخیرہ موجود ہے۔

خاص خاص فن کی تدوین کرنیوالوں میں سے صرف مغازی وسیرت کے جمع کرنیوالوں میں بھی بعض لوگوں نے صحت کا التزام کیا۔ چنانچہ موسیٰ بن عقبہ نے جو امام زہری کے فن سیرت کے دو خاص شاگردوں میں سے ایک ہیں، ایک سیرت لکھی جس میں صحیح روایتوں کا التزام کیا اسکے علاوہ اور بھی صحیح نسخے تصنیف ہوئیں۔

ہاں احادیث میں سے جس حصہ پر دین کا دارمدار تھا۔ اور جسکو حلال وحرام کے ثابت کرنیسے تعلق تھا اُسکے متعلق زیادہ تشدد سے کام لیا گیا۔ اور جو حصہ دین کا موقوف علیہ نہیں تھا اُسمیں وسعت اور سہولت سے کام لیا گیا۔ کیونکہ احکام شرعیہ کا ثابت ہونا۔ ایک ایسا اہم امر ہے جسکے لئے نہایت صحیح روایات کی ضرورت ہے باقی جو روایات صرف علم کے متعلق ہیں عمل میں اُنکو کوئی دخل نہیں اُن میں توسیع کرنا ہی مناسب تھا۔

علامہ شبلی نعمانی صاحب کی سب سے بڑی فروگذاشت، جسپر اُنکے اعتراضات کے اکثر نمبر متفرع ہیں، یہ ہوئے، کہ متقدمین کی فن سیرت، کو انہوں نے لغوی معنی میں لیکر اسکو سوانح سمجھ لیا۔ اور یہ لکھ گئے کہ "اگرچہ سلطنت وحکومت کی تاریخ کے لئے بھی یہ صحیح طریقہ نہیں تھا۔ لیکن نبوت کی سوانح نگاری کیلئے تو بالکل ناموزوں ہے" کاش علامہ سیرت کو اُس اصطلاح کے لحاظ سے دیکھتے جس میں وہ متقدمین کے نزدیک مستعمل ہے، اور فن حدیث کے ایک خاص ٹکڑے کا نام ہے، تو یہ شبہ علامہ کو نہ ہوتا، اگر وہ یہ خیال کر لیتے کہ سیرت اصطلاحاً سروات کے حالات کا نام ہے تو اُن پر یہ واضح ہو جاتا کہ جسکو وہ سوانح سمجھے ہوے ہیں وہ دراصل سوانح نہیں۔ اور کچھ نہیں تو، کم از کم خود اپنی ہی تحریر کے اوّل حصہ (حضرت عمر

ضعیف روایتوں کو جمع کرنیکے علاوہ وجوہ مذکورہ کے اور وجوہ بھی ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک
شیخ کے کئی شاگرد ہوتے ہیں بعضوں سے زیادہ خصوصیت ہوتی ہے اور زیادہ ملازمت کا موقع ملتا ہے
اور بعضوں سے بہت ہی کم۔ ایسی صورت میں بعض جگہ محدثین اُس راوی کی پہلی قسم کی روایات کو
بالکل صحیح مانتے ہیں اور دوسری قسم کی روایات کو بعض خاص موقعہ پر غیر قوی کہتے ہیں[عہ] مثلاً
سفیان بن حسین کو ابن معین امام جرح و تعدیل نے لکھا ہے کہ غیر زہری میں ثقہ ہیں ایسی ہی اسمٰعیل
بن عیاش کے بارے میں بخاری کہتے ہیں اذا حدث عن اهل بلده فصحیح واذا
حدث عن غیرهم ففیه نظر۔ پھر اگر اُس شیخ کا کوئی دوسرا راوی اسکے روایت کی متابعت
کرے تو یہ ضعف جاتا رہتا ہے۔ اب جس کے پاس متابع روایت نہ پہونچے وہ اُس پہلی روایت کو
ضعیف ہی سمجھا رہیگا اور جس کے پاس پہونچیگی اُس کے نزدیک ضعف جاتا رہیگا۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی راوی بعض محدثین کے نزدیک ضعیف ہوتا ہے اور دوسروں کے
نزدیک قوی ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ضعیف روایتوں میں مختلف حیثیتیں پائی جاتی ہیں۔ محدثین کا
مسلّم اصول ہے کہ جب ضعیف روایتیں کثرت سے ایک مضمون میں آویں تو مجموعہ حسن کے درجہ تک
پہونچ جاتا ہے۔ ان وجوہ کو ملحوظ رکھکر اگر ضعیف روایتوں کو جمع کردیا گیا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اس میں
کیا قباحت ہے۔

محدثین نے احادیث احکام کیساتھ تشدد بایں معنی ضرور کیا کہ ضعیف روایتوں کو کم لیا۔ اور احادیث
فضائل میں اس اعتبار سے تساہل کیا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ فضائل کی احادیث میں صحت
اور ضعف اتنا نہ رکھا گیا یا صحیح و ضعیف ہم پلہ قرار دئیے گئے۔ بیہقی، ابو نعیم، بزار، طبرانی میں جہاں
اس قسم کی احادیث ضعیفہ موجود ہیں وہیں احکام کے متعلق بھی اس قسم کی احادیث موجود ہیں
بخاری و مسلم نے چونکہ اپنی صحیح میں بالکل صحیح اور اصح روایتوں کے لانیکا التزام کرلیا ہے اسلئے
وہ احکام ہوں یا فضائل، و مناقب دونوں قسم کے متعلق انہی احادیث کو لائے ہیں جو بالکل صحیح
ہوں۔ یہ نہیں کہ وہ ضعیف احادیث روایت ہی نہیں کرتے۔ امام بخاری کی جزء القراءۃ جو قراءۃ
خلف الامام کے متعلق ہے اسمیں ضعیف روایتیں بھی موجود ہیں اسمیں وہ ایسی بہت سی روایتیں

عہ میزان الاعتدال للحافظ الذہبی ۱۲

بعض جزئیات اصلاح انقلاب امت

اصلاح معاملہ بہ سفر

(بقیہ نمبر اوّل جلد ۴)

بعضے آدمی مالک سواری سے بدعہدی کرتے ہیں مثلاً معاہدہ ہوا ہے چار آدمی کے بٹھلانے کا
اور بٹھلا دیئے پانچ چھ۔ اگر وہ نزاع بھی نہ کرے تب بھی اسکو جائز نہ سمجھنا چاہیئے اور یہ خیال نہ کرنا چاہیئے
کہ جب خاموش ہوگیا تو راضی ہی ہے کیونکہ بعض اوقات خاموشی بوجہ مروت و لحاظ کے ہوتی ہے
مگر دل سے رضا نہیں ہوتی تو ایسی خاموشی کافی نہیں اور بعض دفعہ وہ نزاع بھی کرتا ہے مگر جواب میں
اُسکو دباتے ہیں کبھی کہتے ہیں میاں ایسی کیا بے مروتی ہے کبھی کہتے ہیں کہ میاں سواریاں ہی
کیا ہیں دو تو بچے ہی ہیں کبھی کہتے ہیں کہ ارے بھائی دو پیسے زیادہ لے لینا کبھی کہتے ہیں کہ کسی
دوسرے وقت سمجھ لینا اور واہی تباہی عذروں سے کام لیتے ہیں اور اس سے بحث نہیں کہ یہ
جائز ہے یا ناجائز ہے سیدھی بات تو یہ ہے کہ جب معاہدہ بدلے تو مالک سے صاف اطلاع کرے
اور اُسکے متعلق مستقل گفتگو کرکے جس طرح باہم طے ہو جاوے اُسکے موافق عمل کرے محض اپنے
جی کو سمجھا لینا کافی نہیں بعضے آدمی مزدور کی مزدوری نہیں ٹھہراتے پھر بعضے تو بلا کسی ضابطہ کے
جو جی میں آیا دیدیا خواہ دوسرا راضی ہو یا نہو اسکا ظلم ہونا تو ظاہر ہی ہے اور بعضے اپنے زعم میں
بیراہی سے بچتے ہیں اور ضابطہ کی پابندی کرتے ہیں یعنی اُس محکمہ کے قواعد کے موافق کہ فی عدد
اسقدر دیا جاوے دیدیتے ہیں اسی طرح گاڑی وغیرہ کا کرایہ گھنٹوں کے حساب سے دیدینے کو کافی
سمجھتے ہیں ہمنے خود دیکھا ہے کہ بعض اوقات دوسرا آدمی یعنی مزدور اور گاڑی والا اپنی ناراضی
تصریحاً ظاہر کرتا ہے کہ صاحب ایک پیسہ تو فلانا ہی لے لیگا دیکھئے کیسا وزنی اسباب ہے اسکا
تو زیادہ دینا چاہیئے فی عدد کا حساب تو مختلف مقدار کی گٹھریوں میں ہے دیکھئے چار دو ل
گٹھریاں بڑی ہی بڑی ہیں مشکل سے اٹھائی ہیں ایک ایک عدد دو دو آدمیوں کے اٹھانے کا
ہے آپ اسکا بھی اُسی حساب سے دیتے ہیں غرض اس طرح سے وہ اپنی ناراضامندی کا اظہار

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی ابتدا ئیت کو اسوجہ سے منقطع کہکر کہ "صحابی میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا جو آنحضرت کی ولادت کیوقت قابل روایت ہو" یہ کہنا کہ اسی بنا پر ولادت کے متعلق نہایت دور از کار روایتیں پھیل گئیں، ہرگز قابل تسلیم نہیں اگر منقطع سے لغوی انقطاع مراد ہے تو اس سے یہاں بحث ہے اور نہ اس سے مسئلہ زیر بحث میں کچھ نفع ہو سکتا ہے اصطلاح محدثین میں اُس حدیث کو جسمیں کوئی صحابی اپنے مروی عنہ کو نہ ذکر کرے، مرسل کہتے ہیں اور مرسل الصحابی محدثین کی تصریح کیمطابق حجت ہے امام محی الدین نووی مقدمہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں

مرسل الصحابي وهو روايته ما لم يدركه أو لم يحضره كقول عائشة أول ما بدئ به رسول الله صلى الله عليه وسلم من الوحي الرؤيا الصالحة فمذهب الشافعي والجماهير أنه يحتج به وقال الأستاذ أبو إسحق الإسفرائني الشافعي أنه لا يحتج به إلا أن يقول إنه لا يروي إلا عن الصحابة والصواب الأول۔

مرسل صحابی وہ روایت ہے کہ صحابی نے اُس واقعہ کا زمانہ نہ پایا ہو یا اُس واقعہ میں خود موجود نہ رہا ہو جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول کہ اول اول آنحضرت کو رویائے صالحہ سے وحی شروع ہوا، پس مرسل صحابی کے بارہ میں امام شافعی اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ وہ قابل احتجاج ہے اور استاد ابو اسحق اسفرائنی کا مذہب یہ ہے کہ وہ قابل احتجاج نہیں ہاں اگر راوی یہ کہدے کہ میں سوائے صحابی کے اور کسی سے روایت نہیں کرتا تو مقبول ہے مگر صحیح اول ہی قول ہے کہ مرسل صحابی عام طور پر حجت ہے۔

مرسل الصحابی احکام کے متعلق ہوں یا کسی اور بحث کے، بہرحال معتبر اور حجت ہے احادیث حلال وحرام کے متعلق بھی ایسی احادیث موجود ہیں مثلاً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ کا اسلام بعد الہجرۃ ہے اور قبل الہجرۃ کے احکام اور وقائع اُن سے مروی ہیں۔ مگر محدثین کے نزدیک ایسی روایتیں احکام کے متعلق بھی صحیح ہیں۔

کسی روایت کا صحیح طریقہ سے صحابی تک پہونچ جانا اُسکی صحت کیلئے کافی ہے صحابی چونکہ عدول اور اُن تمام صفات کیساتھ موصوف ہوا کرتا ہے جو ایک اعلیٰ درجہ کے ثقہ اور عادل راوی میں ہونے چاہئیں اسلئے وہ اگر اوپر کے راوی کو ترک کردے۔ تو ماننا پڑیگا کہ وہ قابل اطمینان شخص ہوگا۔

مشتاق احمد علی عنہ

—— • باقی آیندہ • ——

یہ ہے کہ دیکھئے احتیاط والے امر عدم واجب تک کی رعایت و اہتمام کرتے ہیں جس سے غرض یہ
ہوتی ہے کہ دوسرے دیکھنے والے واجب کا تو خیال کرینگے تو مطمح نظر ان کا تعلیم ہی ہے اسکے
بعد شبہ غلو یا تقشف کا بھی زائل ہو گیا سو اس حالت میں ہم کو امور واجبہ کی تو رعایت و اہتمام
کرنا چاہیے۔ یہ غلطیاں تو معاملات کے متعلق تھیں جو سفر میں ہوتی ہیں بعض غلطیاں دیانات
کے متعلق ہوتی ہیں مثلاً بعضے آدمی سفر میں نماز چھوڑ دیتے ہیں اور جی کو سمجھا لیتے ہیں کہ وضو
اور نماز میں بڑی مشکلیں پڑتی ہیں اسلئے قضا کر لینگے مگر کوئی ان سے پوچھے کہ وہ مشکلیں قابل
برداشت ہیں یا ناقابل برداشت۔ اگر قابل برداشت ہیں تو فرض کیلئے برداشت کرو اور اگر
ناقابل برداشت ہیں تو جو لوگ سفر میں بھی نماز کے پابند ہیں وہ کیسے برداشت کرتے ہیں واللہ اگر
کسی خفیف سی دنیوی غرض کی تکمیل میں اس سے بڑھ کر اہتمام کرنا پڑے تو خوشی خوشی سب
گوارا کریں مگر وہ تو دین ہی کے نام سے روح قبض ہوتی ہے بعضے نماز تو پڑھتے ہیں لیکن اسکے
شرائط و ارکان کی کچھ پروا نہیں کرتے کوئی تیمم ہی کر رہا ہے اور پانی اسٹیشن پر پائپ کے اندر
موجود مگر طبیعت قبول نہیں کرتی کہ وہ پانی پاخانہ کا ہے گو انہیں پاخانہ ملا ہوا نہیں مگر سو
تو پاخانہ کی طرف سے۔ عجب کی بات ہے کہ ستر لپیٹے ہوئے ہوتے ہیں [illegible] طبیعت کو
ترجیح دیکھا وہ سے پھر تیمم بھی کپڑے پر جس پر غبار بھی [illegible] کی صورت میں بھی جائز نہیں
اور تختہ پر گرد موجود ہے مگر انکو یہ کہکر اڑا دیا کہ اسکا کیا اعتبار۔ کاش اگر مسائل شرعیہ کی تحقیق
کرتے تو یہ مسئلہ بھی ان کو معلوم ہوتا کہ ایسی صورت میں ان کے اس وہم ہی کا کچھ اعتبار نہیں
اصل اشیاء میں طہارت ہے جب تک نجاست کا علم ہو بالیقین یہ اسوقت تک طاہر ہی ہے بعضے
استقبال قبلہ ہی کی ضرورت نہیں سمجھتے محض اسلئے کہ [illegible] قدرے تکلف کرنا پڑتا ہے
سو اگر دیکھا جاتا کہ یہ لوگ دنیا کے کسی کام کیلئے جبکہ مشقت بھی ہو [illegible] نہیں کرتے تو ان کے اس
عذر کو سنا جاتا گو سننے کے بعد اسکا باطل ہونا سمجھا دیا جاتا کہ دینی [illegible] دنیوی معاملہ پر قیاس
نہیں کر سکتے کہ یہ تمہارے اختیاری امور ہیں اور وہ بوجہ ایجاب الٰہی کے غیر اختیاری ہیں [illegible]
قیاس دوسرے [illegible] بلکہ جب دنیوی مقاصد کیلئے بڑی بڑی [illegible]
حالت میں تو نماز کے [illegible] قابل سماعت [illegible] بعضے آدمی

کرایہ ہے گا۔ حضرات ان سب معروضات کو یہ کہکر ٹالدیتے ہیں کہ صاحب ان لوگوں کی یہ
عادت ہی ہوتی ہے عرض التفات ہی نہیں کرتے اگر وہ زیادہ لولا دھر کا تے ہیں حمایتی کرتے
ہیں وہ غریب خاموش ہو کر رہ جاتا ہے سو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ عقد اجارہ میں خود مزدور یا
مالک کی رضامندی شرط ہے کوئی ضابطہ مقرر ہو جانا شرعاً کافی نہیں یہ مسئلہ تیسیر کا ہے
جسکو ضرورت کے لیے ناکافی لکھا ہے البتہ اس سے متفع ہونیکی ایک صورت ہے جو شرع کے موافق ہے
وہ یہ کہ پہلے سے یہی کہدیا جاوے کہ دیکھو ہم اس ضابطہ کے موافق دینگے اسکے بعد جب اُسنے
کام شروع کردیا یا سواری میں بٹھلالیا اب وہ اُسکے حق میں حجۃ اور لازم ہوگیا خوب سمجھ لینا
چاہیئے بعضے آدمی اسباب شرط سے زیادہ لادلیتے ہیں بلکہ بعضے کچھ شرط ہی نہیں کرتے اور
سواری والا یہ سمجھکر خاموش ہو جاتا ہے کہ معمول کے موافق ہوگا مگر عین وقت پر اُسکے زعم میں
تا رت ہوتا ہے زیادہ تو وہ نکرار کرتا ہے اور باہم اختلاف اور نزاع ہوتا ہے پھر جو بھی غالب آگیا
سو اسمیں شرعی حکم یہ ہے کہ جہاں سواری کا مالک خود کہدے کہ اس سے زیادہ اسباب نرکھا
جاوے اور پھر اُس سواری کو یہ کرایہ کرے تو اس شرط کو اس نے منظور کرلیا پھر اُس سے زیادہ لیجانا
کسی طرح جائز نہیں جب تک وہی راضی نہو۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مالک کا راضی ہونا
شرط ہے جس نے شرط ٹھہرائی ہے کسی دوسرے ملازم وغیرہ کا راضی ہونا کافی نہیں البتہ اگر ملازم
کو اختیارات شرط ٹھہرانے کے بھی دیئے گئے ہوں تو پھر اُسکی رضا بھی کافی ہے یہاں سے ریل میں
قانون سے زائد اسباب لیجانیکا حکم اور یہ بھی کہ اگر ریلوے کے ملازم چھوٹے بڑے زیادہ کی اجازت
دیدیں تو اسکا ناجائز ہونا بھی معلوم ہو جاویگا خواہ وہ کچھ لیکر اجازت دیں یا ویسے ہی رعایت
کریں کیونکہ وہ ریل کے مالک نہیں اور اگر مالک کی طرف سے کوئی شرط و قانون وغیرہ نہیں ہے
تو پھر اُس سے کرایہ کرتے وقت یا تو دکھلادے کہ یہ اسباب ہے یا وزن بتلادے کہ اتنا ہوگا اُس
زیادتی ناجائز ہوگی میں نے اپنے بعض اساتذہ کتب ابتدائیہ سے رئیس الاتقیا حضرت مولانا مظفر حسین
صاحب قدس سرہ کی حکایت سنی ہے کہ اسباب دکھلانے کے بعد اگر کوئی شخص ایک خط بھی دیتا
تھا کہ فلاں شخص کو دیدیجئے تو فرمادیتے تھے کہ گھوڑے والے سے اجازت لیلو کیونکہ یہ شروط سے
زائد ہے میرا اس حکایت کے نقل کرنے سے یہ مقصود نہیں کہ یہاں تک رعایت واجب ہے بلکہ مقصود

ولا تنفروا ظاہراً قول اور فعل دونوں کو عام ہے اور اسپر بعض اوقات ایک طرہ اور ہوتا ہے کہ
اسٹیشن پر اتر کر جماعت کرانیکے لئے امام صاحب ایسے تجویز ہوتے ہیں کہ وہ مدت کا وقت پاکر
قرأت میں تطویل اور رکوع و سجود میں اطمینان سے بعد اہتمام شروع کردیتے ہیں اگر گاڑی نہ بھی
نکلے تب بھی مقتدیوں کو خصوصاً اسلئے کہ مجمع میں مختلف طبائع کے لوگ ہوتے ہیں کیسی بیتابی
ہوتی ہے گویا ان بزرگ کو عمر بھر میں آج ہی موقع امامت کا ملا ہے نہ تو اس سے پہلے کبھی میسر ہوا
اور نہ آئندہ کو امید ہے اسلئے اس وقت کو غنیمت سمجھا اور عمر بھر کا ارمان آج ہی نکالنا ضروری
ہوگیا اسی طرح دو بزرگواروں کی حکایت ہے کہ بہلی میں اپنے رفقہ کے ساتھ سوار تھے ایک صاحب
نے تو یہ کیا کہ نماز ظہر کیلئے اترے اور پڑھکر مصلے ہی پر وظیفہ شروع کردیا کہیں تو عصر پڑھکر اٹھو
بیچارے رفیق مصیبت میں آگئے کہ منزل دور اور عصر تک کا حبس اور ایک صاحب مغرب کے
وقت اترے اور نماز کے بعد صلوٰۃ الاوابین شروع کردی اور تاریکی بڑھنا شروع ہوئی ادھر
کسی قدر فاصلہ پر اور مقام خطرناک سو شریعت ایسے تشددات کو پسند نہیں کرتی جس سے خود
یا اس سے بڑھکر دوسروں کو کلفت و ضیق ہو۔ یہاں راز معلوم ہوا ہوگا اس ارشاد کا ان اللّٰہ
یحب ان یؤتی رخصہ کما یحب ان یؤتی عزائمہ۔ یعنی رخصت پر عمل کرنے میں بھی بہت
سی دینی مصلحتیں ہیں کہ وہ سبب ہو جاتا ہے دین کے ساتھ انس اور بشاشت اور انشراح اور
انبساط اور دلچسپی کا اور یہ مقصد عظیم ہے مقاصد نوامیس الٰہیہ سے۔ یہ کوتاہیاں قطع مسافت
کے متعلق تھیں بعض کوتاہیاں عارضی قیام کے متعلق ہیں یعنی کسی مقام پر ایک دو شب مثلاً
قیام کیا خواہ سرائے میں یا کسی خاص میزبان کے پاس اگر سرائے میں قیام کیا ہے تو وہاں بھی
ان امور کا لحاظ ضرور ہے کہ دوسرے مسافروں کو اس سے کلفت نہ ہو اور سرائے کے ٹھیکہ دار کو
بھی تکلیف نہ پہنچاوے مثلاً بعضے لوگ بلا ضرورت شور و غل مچاتے ہیں بلا ضرورت جاگتے ہیں اور دیر تک
رفقہ کے ساتھ قصے کہانیاں ہانکتے ہیں۔ بعضے آدمی گاتے بجاتے ہیں جس سے دوسرے مسافروں کو
آرام و نوم میں خلل پڑتا ہے بعضے ایسا کرتے ہیں کہ دوسرے مسافر کے کمرہ میں سے جبکہ وہ کہیں
چلا گیا ہو چارپائی اٹھا لاتے ہیں وہ غریب آکر پریشان ہوتا ہے اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ بھٹیارے
سے مانگ لیں اور اگر نہ ملے مجبوری ہے انکو کیا حق ہے کہ دوسرے کی سابق قبضہ کی ہوئی لے لیں

ہوکر نہیں پڑھتے باوجودیکہ کھڑے ہوسکتے ہیں سو اِن کی نماز بھی نہیں ہوتی البتہ اگر قیام پر قدرت
نہ ہو یعنی کسی سہارے سے بھی کھڑے ہوسکیں تب البتہ بیٹھکر پڑھنا درست ہے اس مسئلہ میں لوگ
بحالت مرض بھی سخت غلطی کرتے ہیں یعنی ذرا مشقت ہوگئی اور بیٹھکر نماز پڑھنے لگے درمختار و ردالمحتار
میں تصریح ہے کہ اگر کسی سہارے سے کھڑا ہوسکے تب بھی کھڑا ہونا فرض ہے اسی طرح اگر آدمی قرأت
میں کھڑا ہوسکتا ہے یا بقدر تکبیر تحریمہ کھڑا ہوسکتا ہے تو اُتنا ہی کھڑا ہونا فرض ہے بعضے آدمی
باوجودیکہ جماعت کرسکتے ہیں مگر پھر تنہا تنہا پڑھ لیتے ہیں بعضے آدمی سمجھتے ہیں کہ جماعت کیلئے
اتحاد مکان شرط ہے اور ہر درجہ جدا مکان ہے اور ایک درجہ میں اتنی جگہ نہیں اسلئے جماعت
نہیں کرتے سو ہمارے نزدیک تو دوسری گاڑی تو بیشک دوسرا مکان ہے لیکن ایک گاڑی کے
متعدد درجے سب ایک ہی مکان ہیں اُن میں جماعت ہوسکتی ہے اور اگر کسی صاحب علم کی
یہی تحقیق ہو یا کسی عالم کی اس تحقیق میں کوئی تقلید کرتا ہو کہ ہر درجہ جدا مکان ہے جب یوں
کریں کہ ایک ایک درجہ میں دو دو آدمی جماعت کرلیں اگر اصوات کا تزاحم ہو تو ایک ہی وقت
میں درجہ آگے پیچھے اور چونکہ یہ مسجد محلہ نہیں اسلئے اسمیں تکرار جماعت کا اختلاف بھی ہوگا بعضے
آدمی ان بے احتیاطوں کے مقابلہ میں اسقدر محتاط بنتے ہیں کہ اُن کی احتیاط درجہ تشدد تک
پہونچ جاتی ہے مثلاً ریل کے اندر ہرگز نماز نہ پڑھیں گے اسٹیشن ہی پر اُترنا فرض سمجھینگے جس میں
بعض اوقات طرح طرح کی پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے مثلاً اسباب ریل ہی میں رکھا ہے اور
کچھ جاتا رہا یا کم از کم طبیعت اُدھر مشغول رہی یا دوسرے مسافروں نے اُن کی جگہ پر قبضہ کرلیا
یا نہیں کیا لیکن اُن کو اس احتمال پر پریشانی رہی اور مثلاً گاڑی نے سیٹی دیدی اور اُن کو
نیت توڑنا پڑی یا ایسا نہیں کیا لیکن مضطرب ہوگئے اور بعض اوقات گاڑی چھوٹ گئی
اور اُن کے اسباب کا نقصان یا سفر کا حرج ہوا اسوقت خود نماز سے قلب میں خدانخواستہ تنگی
پیدا ہوئی یا خود اُن کو تنگی نہیں ہوئی لیکن جو لوگ ہمیشہ دین کو مخل دنیا کہا کرتے ہیں اور اسوجہ
اُن کو دین سے توحش ہے اُن کا تنفر اور توحش اور بڑھ گیا اور اُن کی فہرست میں ایک عدد
اور بڑھ گیا کہ دیکھئے دین پر عمل کرنے سے یہ پریشانی اور مضرت ہوتی ہے اب اُس جاہل کو کون
سمجھائے کہ اُسکی پریشانی کا سبب خود اُسکا تشدد ہے نہ کہ دین سو حدیث یَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا و بشروا

اسکو یہ اطلاع نہیں کی کہ میں کھانا کھا چکا ہوں اسوقت اہتمام نہ کیا جاوے سو یہ بیچارہ تو علیحدہ
پڑا ہوا ہے اور یہ لحاظ سے یہ پوچھ سکتا ہے کہ آپ کھانا تو نہیں کھا چکے غرض اسنے احتمال پر
کھانا تیار کیا احسان کے سامنے لایا آپ نے بہانے ہی جی سے ایک آدھ لقمہ لیا اسکے کام کا
خون کر دیا کہ میں تو کھا چکا تھا۔ بندۂ خدا پہلے کس لیے مونھ بند کر لیا تھا کہہ دیا ہوتا۔ بعضے ایسا
کرتے ہیں کہ کھانا کھانے بیٹھے اسوقت فرماتے ہیں کہ میں تو گوشت نہیں کھاتا یا میں فلاں چیز
نہیں کھاتا۔ ظالم اگر پہلے ہی اسکو اطلاع دیجاتی تو کیا مشکل تھا۔ اب وہ مظلوم فکر میں پڑگیا
کہیں پڑوس سے بھیک مانگتا پھرتا ہے کہیں گھر میں گھی تلاش کرتا ہے غرض بہ داموں و
درد سر خریدیں کا مصداق بن گیا۔ بعضے ایسا کرتے ہیں کہ بے اطلاع میزبان کے کہیں چل دیے
اب وہ تلاش کرتا پھرتا ہے اور گھر بھر بھوکا بیٹھا ہے یا لو وقت گذار کر آئے تب سب کا روزہ کھلا
یا آکر کہدیا کہ مجھکو فلاں شخص نے اصرار کرکے کھلا دیا تھا میں نے انکار بھی کیا مگر اسنے مانا ہی نہیں
اس بے ڈھنگے کو یہ خبر نہیں کہ کسی کی ایسی دلجوئی کب جائز ہے کہ دوسرے کی دلشکنی ہو اور
وہ بھی ایسے شخص کی جسکا حق مقدم اور سابق ہو۔ بعض آدمی ایسا کرتے ہیں کہ دوسرے کی دعوت
جو قبول کر لی اور میزبان سے اجازت لینا تو کجا اسکو اطلاع بھی نہیں کی۔ بعضے ایسا کرتے ہیں
کہ رخصت ہونیکا قصد دل میں کر لیا مگر میزبان کو نہیں بتلایا اسی وقت پر آکر بتا دیا کہ میں
اس گاڑی میں جاونگا سواری کا انتظام کردو اُسکا سامان جلدی میں بھی ضائع گیا اور بعض اوقات
خصوص قصبات میں عین وقت پر سواری کے انتظام میں بھی دشواری ہوتی ہے غرض یہ
سب پریشان کرنیکی باتیں ہیں جن سے احتیاط و احتراز واجب ہے۔ بعض کوتاہیاں اپنے گھروالوں کے
متعلق رہ گئیں اُن کے ذکر پر مضمون کو ختم کرتا ہوں مثلاً سفر میں جا کر گھر والوں کو اسقدر بے فکری
کہ اُن کو اپنی خیریت تک کی اطلاع نہیں دی اُن سے اتنا تو اطمینان کر لیا کہ سب کو عافیت سے
چھوڑ کر آیا تھا اب بھی بعافیت ہونگے مگر وہ تو پریشان ہیں کہ سفر میں ہزاروں حوادث محتمل
ہوتے ہیں اُن کو بھی تو مطمئن کرنا چاہیے تھا اور مثلاً اُن کو اپنے واپسی کے وقت کی اطلاع دی
مگر اسوقت نہیں پہونچے وہ بیچارے اس اجنبی میزبان سے بھی زیادہ پریشان ہوتے ہیں اسکو
تو صرف اپنی تکلیف سے پریشانی ہوئی اور گھر والوں کو تو تعلق محبت کے سبب یہ بھی پریشانی ہوئی

کہ ست لعینت کیے گی خلاف [illegible] ہے اور [illegible] میں بھی [illegible] ہے۔ اگر یہی معاملہ ان کے ساتھ ہو تو کسی
دل پر گذرے۔ تو انصاف کا مقتضا یہ ہے کہ انچہ بر خود نہ پسندی بر دیگران مپسند۔ اور مثلاً
بعضے لوگ باوجودیکہ بیباسامانجانہ کیلئے خاص مواقع ہیں اگر کوٹھری ہی میں موت لیتے ہیں یا
کہیں گذرگاہ مسافران پر ایسا کرتے ہیں جس سے بعض اوقات ٹھیکہ دار کو صاف کرانا پڑتا ہے اور
بعض اوقات دوسرے مسافر کو تکلیف ہوتی ہے اور مثلاً بعض لوگ چلتے وقت ٹھیکہ دار کا ستا
صاف کرکے نہیں جاتے یا تو چپکے نکل گئے یا نزاع و اختلاف کرکے گئے انہیں علاوہ گناہ کے
جسمیں حق اللہ و حق العبد دونوں ضائع کئے ایک خرابی یہ ہوتی ہے کہ دوسرے مسافروں کا بھی
اعتبار جاتا ہے اور اُن کیلئے ضوابط سخت تجویز کئے جاتے ہیں اور اسکا سبب یہ شخص بنتا ہے
ایسے ہی لوگوں کی نسبت حدیث میں مفتاح الشر و مغلاق الخیر آیا ہے اور اگر کسی میزبان کے پاس
ٹھیرے ہیں تو انمیں بعضے یہ کوتاہی کرتے ہیں کہ بدون اسکے کہ اُسکو اپنی آمد کی اطلاع دیں اسکے
پاس بدون کھانا کھائے بے وقت جا پہونچتے ہیں کہ اُسوقت اُسکو کھانا تیار کرانے میں کلفت ہوتی
ہے اگر حساب سے پہونچنے کا وقت با وقت ہو تو چاہئے کہ کھانے کا انتظام پہونچنے کے وقت بطور
خود کر لیں اور فارغ ہو کر وہاں جاویں اور جاتے ہی اطلاع بھی کر دیں بعضے یہ کوتاہی کرتے ہیں
کہ اوّل اُسکو اپنی آمد کے وقت سے اطلاع تو دیدی مگر اُسوقت پہونچے نہیں وہ بیچارہ اسٹیشن
پر آیا سواری کا کرایہ دیا وقت صرف کیا کھانا پکوایا اور یہ نواب صاحب ذرا راستے بدلنے سے
یا کسی دوسرے میزبان کے اصرار کرنے سے بھٹک گئے بعض اوقات وہ کئی کئی وقت اسی طرح
تکلیف اُٹھاتا ہے اور اُن کو یہ توفیق بھی نہیں ہوتی کہ وقت موعود آنے کے قبل اُسکو مکرر اُس
ارادہ کے فسخ یا تبدیل کی اطلاع کر دیں۔ خوب یاد رکھو کہ یہ سب اسلام کے خلاف ہے گو لوگ اسکو
سرسری سمجھتے ہیں حدیث میں نص ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ۔
پھر جب اسکے ید اور لسان سے دوسرا سالم نہ رہا تو یہ مسلم بدرجہ مقصودہ فی الحدیث کہاں رہگیا۔
مگر مشکل یہ ہے کہ آجکل بزرگی تسبیح پڑھنے کا نام رکھا گیا کسی کی راحت و کلفت کی پرواہی نہیں
یہی وجہ ہے کہ اس خاص کوتاہی میں بہت سے ثقات و منسوبین الی العلم والدین بھی مبتلا ہیں
اور اسکا فسخ دراُن کے قلب میں نہیں بعضے ایسا کرتے ہیں کہ کھانا کھا کر پہونچے مگر جاتے ہی

اسلام اور اتفاق

ظاہر ہے کہ یہ وقت مسلمانوں کے لئے نازک ہے۔ باہمی نزاع نے مسلمانوں کا شیرازہ پراگندہ کر دیا ہے۔ نااتفاقی غریب مسلمانوں کی متاع بن گئی ہے حسد و کینہ انکے گھر کی میراث ہے دشت غربت میں اسوقت اگر کوئی ہمدم ہے تو وہ آپس کا اختلاف۔ عالم بیکسی میں کوئی یار و مددگار ہے تو باہمی عناد۔ قومی مجلسیں ہوں یا مذہبی انجمنیں انکا پہلا قانون یہ ہے کہ کوئی کسیکی نہ سنے اور سب اپنی رائے پر عمل کریں عیسیٰ بدین خود موسیٰ بدین خود۔ خلوت ہو یا جلوت کبھی اسکا خیال نہیں آتا کہ ہم کسی کی مذمت کرتے ہیں یا حمد و ثنا۔ اور کہیں یہ غیبت تو نہیں جس کو قرآن شریف نے بھائی مسلمان کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے۔

اگر فکر ہے تو اس بات کی کہ ہماری شہرت کیونکر ہو تنہائی میں کوئی مشغلہ ہے تو یہ کہ ہم کوئی تدبیر اختیار کریں جو ہمارے بھائی مسلمان کو نقصان دہ ہو۔ اگر چیئے بھی تو ہمارا غلام ہو کر۔ غرض علمی درسگاہ ہو یا قومی پلیٹ فارم منبر کے واعظ ہوں یا اسٹیج کے لکچرار کسی کی غلامی میں بسر کرنے والے ہوں یا آزاد حکومت کے دعویدار ہر جگہ نااتفاقی کے کرشمے نظر آتے ہیں۔ افسوس محمدی باغ اسوقت گلزار ہے تو مسلمانوں کے تعصب آمیز نعروں سے بزدل مسلمانوں کے پاس اسوقت اگر کوئی ہتھیار ہے تو حسد کی تیز چھری وہ بھی غیروں کے لئے نہیں بلکہ اپنے بھائیوں کا گلا کاٹنے کے لئے۔ ظھر الفساد فی البر والبحر۔

خون کے آنسو بہانے کی بات تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی حکومت فرتوت کے کرم خوردہ عصا میں بھی آج کل پھوٹ پڑی ہوئی ہے جس طرح کہ وہ تمام مسلمانوں کی اسلامی سلطنت تھی اسی طرح آجکل نااتفاقی کی بھی بادشاہ ہے۔ آج اگر یہ خبر آتی ہے کہ ناظم یا شائسل ہو گئے تو کل سنتے ہیں کہ نیاری بے بھی آن بیقرار کر دئے گئے۔ ابھی دل کے زخم مندمل بھی نہ ہوئے تھے جو ایک نشتر اور لگتا ہے کہ شوکت پاشا بھی تعصب کی قربان گاہ پر بذریعہ جلاد دئے گئے۔ آج کل قسطنطنیہ کی ریوٹر ایجنسی بھی ایک ترکش ہے جس سے جو تیر آتی ہے تیر کی طرح لگتی ہے۔

ہ جداجاسے خیریت بھی ہوگی اور مثلاً باوجود اطلاع کرسکنے کے بلاکسی مصلحت کے دفعتہً گھر آجانا
باوبیت میں اسکی بھی ممانعت ہے جسکی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ تشریف
ورتیں تو ہر کے گھر پر ہو بیکی صورت میں زیب وزینت چھوڑ دیتی ہیں سوایسا نہو کہ اُس متبذل
عالت میں دیکھکر اُسکو نفرت ہوجاوے جو بیاد ہو جاوے مصالح خانہ داری
کے انہدام کی اگر پہلے سے اطلاع ہو تو وہ آراستہ و پیراستہ تو ہو جاوے ممکن ہے کہ سفر کی
دتا ہوں کی فہرست اور بھی طویل ہوسکے مگر فی الدبیہہ جو خیال میں آئیں وہ لکھدیں فہیم
دمی انہیں کے اصول سے دوسری کوتاہیوں کی بھی اصلاح کرسکتا ہے فقط۔ واللہ
لموفق لسبیل الرشاد لاوکس فیہ ولاشطط۔

اطلاع۔ میرے خیال میں یہ مضمون محتاج تسہیل نہ تھا اسلیئے اُسکا اضافہ نہیں کیاگیا۔
سدہ اشرف علی عفی عنہ ۲۷ جمادی الثانیہ ۱۳۳۱ھ

تنبیہ آیات اللہ (یعنی) سجدۂ لغیر اللہ
اس کتاب میں قرآن وحدیث سے نہایت واضح طورسے ثابت کیا ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ حرام ہے اور مجوزین کے بعض شبہات اور دلائل فاسدہ کا اچھا جواب دیا ہے
۳۲ صفحہ بہت معمولی کاغذ قیمت ۲ر

رشحات قدرتی
اس کتاب میں حکیم مولوی نور محمد صاحب احسانپوری نے اپنے نہایت نادر وعجیب نسخجات کو ظاہر فرماکر خیرخواہی خلائق کا ثواب حاصل فرمایا ہے اور کشتجات دمجوبات و دیگر
ہم کے نسخوں کو بہ تدابیر و بدرقہائے مختلفہ نہایت کثیر ومتعدد امراض کیلیئے مفید تحریر فرمایا ہے۔ عام امراض کے علاوہ
عوص وکثیر الوجود امراض کے مفید علاج لکھکر لوگونکو اشتہاری طبیبوںکی غارتگری سے بچانیکی کوشش فرمائی ہے ضخامت
مولی کاغذ کے تین جز کی ہے لیکن فوائد کے لحاظ سے دس آنے قیمت شاید گراں نہو۔ دونوں کتابیں جناب
دلوی حکیم نور محمد صاحب مشتاق ڈاکخانہ احسانپور ضلع مظفرگڈہ تحصیل سنانواں سے مل سکتی ہیں۔

اخبار قیصر ہند فیض آباد
جو اودھ کے قدیم دارالسلطنت شہر فیض آباد سے ہفتہ وار شائع ہوتا ہے ملکی اور قومی مسائل پر نہایت آزادی سے رائے زنی کرنیوالا حریت اور مساوات کا سردست حامی صوبہ اودھ کا ایک باثر قومی سیاسی تمدنی اردو اخبار جو ملکی اور قومی حقوق کا سرگرم محافظ
ہے جسکا لٹریچر اعلیٰ ہے۔ اور جو خلوص صداقت اور قابل تعریف بےغرضی کیساتھ قوم وملک کی خدمت کرنے میں اپنی آپ نظیر ہے
اسکی اشاعت بڑھاکر اسکی آواز کو اور زیادہ سربلند بنائیے قیمت سالانہ للعہ طلبا وکم استطاعت اصحاب سے تین روپیہ (سے ر) ۴

کوئی قوم اور کوئی طبقہ خواہ جاہلوں کا ہو یا عاقلوں کا کسی نے بھی اتفاق کے خلاف صدا بلند نہیں کی ہے۔ روح اور جسم کا اجتماع ہوا اُس دن سے لیکر آج تک دیکھ ڈالو تو سب یہی کہتے نظر آئینگے کہ اتفاق کی بیحد ضرورت ہے۔ اور کوئی جماعت بغیر اتفاق کے جماعت نہیں بن سکتی اگر روح کے بغیر کوئی جسم زندہ نہیں رہ سکتا تو اتفاق کے بغیر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی اگر جسم انسانی کے لئے روح ضروری ہے تو حیات قومی کے لئے اتفاق ضروری ہے۔

نظام عالم پر غور کرو اور دنیا کے کاروبار کو دیکھو تو معلوم ہو جائیگا کہ اُسکی کل اتفاق سے چل رہی ہے۔ اگر آپس میں پھوٹ پڑ جائے اور ہر ایک دوسرے کی مخالفت پر آمادہ ہو جائے تو نظام عالم اس حالت پر قائم نہیں رہ سکتا۔ فرض کرو کہ مثلاً معمار معماری کرنا چھوڑ دیں اور آہنگر اپنے پیشہ سے تائب ہو جائیں۔ کپڑا سینے والے کپڑا نہ سیئیں اور تاجر تجارت نکریں تو کیا دنیا کا کوئی کام چل سکتا ہے۔ اور حضرت انسان مسند انسانیت پر جلوہ افروز رہینگے۔

صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنی طبیعت کے ساتھ تمدن لیکر پیدا ہوا ہے اور اُسکی فطرت اتفاق کے پروں پر اوڑتی ہوئی اس عالم میں پہونچی ہے۔ غور کرنیوالو غور کرو کہ جس قوم میں اتفاق نہیں ہے وہ اُس بیکس طائر کی مثل ہے کہ جسکے بازو کٹے ہوئے ہیں۔ وہ نہ چگ سکتا ہے نہ اوڑ سکتا ہے سوائے اسکے کہ گمنامی کی زندگی بسر کرے اور رحم دل انسانوں کا دست نگر رہے اور کچھ نہیں کر سکتا۔

تاریخ میں اتفاق پر کیا کیا ثمرات مرتب ہوئے

جو حضرات کہ تاریخ کو غور سے پڑھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ تاریخ عالم میں اتفاق نے کیا کچھ کر دکھایا اور نااتفاقی کی زہر آلودہ نحوست کیا تباہی لائی۔ تم تاریخ عالم کو سامنے رکھو اور اُسکی ورق گردانی شروع کرو تو تمکو نظر آئیگا کہ وہ ملک جو دنیا میں سب سے پہلے علوم و حکم کا سرچشمہ بنا۔ تہذیب و تمدن کی نہریں وہاں سے پھوٹیں۔ جسکے آتشکدہ کو آسمانی نور کے قبلہ زرتشت نے روشن کیا۔ اسفندیار نے جسکی درگاہ میں گرز و تلوار نذر گذرانی۔ اور گشتاسپ نے اپنا تاج اوتار کر رکھا۔ لیکن نااتفاقی نے اُس تہذیب و تمدن کو اپنے صدقہ میں لیا اور یونان کے فاتح عظیم سکندر رومی کے قدموں پہ قربان کر دیا جسکی آتش شمشیر نے ایران کی تاجداری کے ساتھ آتشکدہ کو بھی ٹھنڈا کیا اور

اس عنوان پر ہمارے ملک کے مشتاق اہل قلم بہت کچھ تحریر کر چکے ہیں اور عرصہ تک شہسواران قلم
اس مضمون جولاں گاہ رہ چکا ہے۔ یہانتک کہ اگر تمام تحریروں کو اسکے متعلق جمع کیا جائے تو عجب نہیں
اُسکا انبار قطب صاحب کی لاٹ سے بھی زیادہ اونچا ہو۔
پس ایسے مضمون پر قلم اُٹھانا اسکے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ چبائے ہوئے نوالوں کو منہ میں
پھرانا ہے لیکن پھر بھی اس مضمون پر قلم اُٹھانے کیلئے جس چیز نے مجبور کیا وہ وقت کا اقتضاء اور فتنہ و فساد
کی عالم آشوبی ہے۔ اسلئے ہمنے مناسب سمجھا کہ القاسم کے ورق بھی اس ضروری مضمون سے
خالی نہ رہیں اور تبلیغ کا فرض بھی ادا ہو جائے۔
علاوہ ازین واجب الرحم نو تعلیم یافتہ جو اس مضمون کی مرثیہ خوانی میں بہت مشتاق ہیں اور اپنے
پر زور الفاظ سے اتفاق پر تقریر کرتے ہوئے زمین و آسمان ایک کر دیتے ہیں ہم اُنہیں سمجھائیں کہ اس طرح
اتفاق نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُن اصول پر عمل نہ کیا جائے جو اسلام نے اتفاق کیلئے مقرر کئے ہیں۔
ہمیں افسوس ہے کہ جو جماعت اتفاق کیلئے سب سے زیادہ چاک گریباں ہیں وہی اُن اصول سے بالکل
غافل ہے جو اتفاق کی روح و رواں تھی۔ انشاءاللہ ہم اسکو لکھیں گے اور بہت بسط سے لکھینگے
تاکہ وہ بھی سمجھیں کہ جس چوکھٹ کو ہم حقارت کے ساتھ سمجھتے ہیں وہی عزت کی دہلیز ہے اور جو
دربار کہ روشن خیال نگاہ میں ذلت کا سراپا ہے وہی اقبال کی جلوہ گاہ ہے۔ نیز اس مضمون میں ہم
ثابت کرینگے کہ اتفاق جیسے ضروری مسئلہ کی اسلام نے کیا تعلیم دی ہے اور دوسرے مذاہب کا اس
بارہ میں کیا خیال ہے۔
اس تمہید کے بعد اب ہم اپنے اصل مضمون کی طرف توجہ کرتے ہیں تو اُس پر بحث کرنے کیلئے
چار صورتیں خیال میں آتی ہیں۔
(۱) اتفاق عقلاً ضروری ہے یا نہیں۔
(۲) تاریخ میں اُسپر کیا کیا ثمرات مرتب ہوئے۔
(۳) اسلام نے اُسکو کہانتک ملحوظ رکھا۔
(۴) دیگر مذاہب اسکے متعلق کیا تعلیم دیتے ہیں۔
پہلی صورت کے متعلق زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں ہر زمانہ میں اتفاق کو ضروری خیال کیا گیا ہے

سے قیصر روم کسریٰ فارس کے چراغ کو گل کر کے اسلامی روشنی سے منور کرتے ہیں۔

آخر کار وہ مستحکم قلعہ صفین و جمل کے حوادث (جو بعض منافقین کی چالاکیوں سے پیش آئے تھے) سے بچتا ہوا بنو امیہ کی حفاظت میں آیا۔ انکی باہمی نااتفاقی اور آپس کی خانہ جنگیوں نے اس مقدس امانت کو چھین کر عباسیوں کے سپرد کر دیا۔ واقعاتِ عالم سے نتیجہ نکالنے والوں کیلئے یہ وقت بھی عبرت کی رصدگاہ ہے۔ جہاں سے نظر آتا ہے کہ عبدالملک بن مروان نے جس تخت کے سامنے تاج اوتار کر رکھا۔ موسیٰ بن نصیر جیسا سپہ سالار اسکے سامنے پا بہ زنجیر آکر کھڑا ہوا۔ طارق بن زیاد سے فاتحِ اعظم نے اسکی درگاہ میں پاسبانی کی۔ وہ تخت مروان بن محمد بن مروان کے زمانہ میں عباسیوں کا پا انداز بنا۔ کیوں اسلئے کہ بنو امیہ میں نااتفاقی تھی۔

اب عباسیوں کا دور شروع ہوا اور اسلامی وسیع قلمرو کے مالک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی کے مطابق عباسی شہزادے ہوئے۔ لیکن جس طوفان نے بنو امیہ کا چراغ گل کیا تھا وہ طوفان عباسیوں کی سلطنت میں بھی آیا اور بالآخر یہ سلطنت مستعصم باللہ کے زمانہ میں ابن علقمی کے تعصب سے پامال ہو گئی۔ مورخین لکھتے ہیں [illegible] بغداد کی شان و شکوہ اور مامون کی تہذیب و شائستگی کا گواہ تھا وہ چنگیز ہلاکو خاں کی شکارگاہ بنا جس نے بغداد میں پہونچکر جانوروں کا نہیں بلکہ انسانوں کا شکار کھیلا۔

اب ہم حجاز شام و عراق کو چھوڑ کر اس ملک کی طرف آتے ہیں جسکو طارق کی تلوار نے فتح کیا اور سات سو برس تک بنو امیہ کی یادگار رہا۔ اس ہی ملک کے علم پرور ہوا نے وحشی یورپ کی جہالت کا پردہ چاک کیا اور اس ہی کی خاک سے وہ شخص پیدا ہوا جسکی شاگردی پر فلاسفہ یورپ آجتک فخر کرتے ہیں۔ یہ نامور فلسفی جو حکماء یورپ کا مایہ ناز ہے ابن رشد تھا۔ یہ اندلس میں پیدا ہوا اور ابوبکر بن طفیل کی زیر تربیت رہکر تمام یورپ کا استاد مانا گیا۔

مسلمانوں کی سات سو برس کی حکومت کے بعد اندلس بھی ان سے منتشر ہو گیا۔ اور جو ملک کہ اپنی بے نظیر صنعت و حرفت اور اسلامی تہذیب و شائستگی کی وجہ سے عروس البلاد کہلاتا تھا۔ صدیاں گذرنیکے بعد مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔ اسلامی آفتاب غروب ہوا اور تثلیث کی روشنی چمکی۔ جو مسجدیں کہ اللہ اکبر کی آواز سے گونجتی تھیں وہ خاموش ہو گئیں اور جو خانقاہیں کہ خدا پر قربان

آتش خانوں کو خاک بناکر اوڑا دیا۔

اب اسی زاد و بوم کی زمین پر نظر ڈالو اور اسکی قدیم حالت پر غور کرو تو یہاں بھی تم دیکھو گے کہ جس ملک کی بھینٹ ارجن نے اسے تیر سے دی اور جسکی سبزی و شادابی کو مہاراجہ دسرتھ نے اپنے خون سے سینچا وہاں کوروں اور پانڈوں کی جنگ نے ویرانہ کر دیا۔ اور خاک اوڑنے لگی۔

آخر کار پھر ایک خدا کی برگزیدہ قوم آئی جس نے اس ملک کے مردہ جسم میں پھر جان ڈالی۔ لیکن زمانہ کی آنکھ اسکو بھی نہ دیکھ سکی ابھی پورے ایک ہزار برس بھی نہ گذرے تھے جو کہہ دیا کہ بس اب تیری بدقسمتی کا وقت آ پہونچا۔" اے میری تحریر کے پڑھنے والو کہیں اس بدقسمتی کے تم رودہ محجوب نہیں رہو۔

ہاں یہ میں نے کیا غلطی کی مجھے کیا لکھنا چاہیئے تھا اور کیا لکھ گیا۔ تاریخ کا ذکر کرتے وقت مجھے اعتبار سے کیا کام آپکے تاریخی واقعات آپکی ہی زبان سے موثر معلوم ہونگے۔ علاوہ ازیں یہ بہت قدیم زمانہ کے افسانے ہیں ممکن ہے کہ زمانہ کی رنگ آمیزیوں نے ان میں بھی رنگینی پیدا کر دی ہو۔ اسلئے آپ اسلامی تاریخ کا آئینہ خانہ اپنے سامنے رکھئے۔ اور پھر اتفاق و نااتفاقی کے تماشے ملاحظہ فرمائیے۔ وہ تماشے نہیں جو دل بہلانے یا تفریح طبع کیلئے کئے جاتے ہیں بلکہ وہ تماشے جو غور کرنے اور روحوں کے آنسو بہانے کے لئے ہوتے ہیں۔

اب تاخیر نہ فرمائیے اور اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے اس ورق پر نظر ڈالئے کہ جب دنیا کے پردہ پر کفر و شرک کی تاریکی میں خدائی مشعل روشن ہوتی ہے اور ظلم و قزاقی کے مطلع پر رحمۃ للعالمین کا آفتاب طلوع ہوتا ہے۔ یہ وقت بھی تاریخی دنیا میں ہر حیثیت سے بے نظیر ہے۔ جس قدر خونریز سمندر اور جنگ و جدل کا طوفان عرب کی زمین پر اسوقت چھایا ہوا ہے۔ دنیا کی کوئی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ لیکن وہ برگزیدہ ذات جو ختم نبوت کی حامل تھی خونریزی کے بجائے ہمدردی کے دریا بہاتی ہے اور جنگ و جدل کے عوض شفقت و محبت کے پھریرے اوڑاتی ہے۔

بیشمار مصیبتوں اور ۲۳ برس کی جانکاہ تکلیفوں کے بعد حقانیت کے مقدس ہاتھ اسلامی خلافت کا سنگ بنیاد رکھتے ہیں۔ خلفاء اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اسکی بنیادوں کو اوپر اٹھاتے ہیں۔ جسکی بلندی روم و فارس شام و عراق سے نظر آتی ہے۔ اس کے مینارے کے کلس اپنی روشنی

رہنیوالوں سے آباد تھیں اُنکو عیسائیوں نے برباد کردیا۔ تم نے ہوا کہ اسلامی حکومت کیساتھ خدا کی کتاب بھی وہاں سے رخصت ہو گئی اگر آفتاب کی مشعل ہاتھ میں لیکر تلاش کرو کہ اندلس میں کوئی خدا کی کتاب کا پڑھنے والا ہے تو اُسکے ہر گوشہ کو اس سے خالی پاؤگے۔

اس سیاست کی عینک لگا کر دیکھو اور غور کرو کہ جس مُلک کی سر سبزی جلد بہ جلد بڑھنے کی اور پھر خانہ ویرانی کے بعد بنو امیہ کے چشم و چراغ عبد الرحمٰن اول نے ابتداءً اس میں آ کر از سرِ نو جان ڈالی مگر نااتفاقی کے صدمات وہ مُلک نہ سہہ سکا۔ بار بار اُجڑا اور مِٹنے کے بعد زندہ ہوا لیکن نااتفاقی کے تھپیڑے کبھی سنبھلنے بھی نہیں دیتے سنبھلتا بالآخر عبد الرحمٰن ثالث کے مرتے ہی اسلامی سلطنت کی جانکنی شروع ہوئی جو قلیل عرصہ کے بعد تمام آدمیوں کیلئے دفن کردی گئی۔ اسکی آدھی کہ جسکے بعد پھر وہ مسلمانوں کے نصیبوں میں نہ آئی۔

اِسی زمانہ میں خداوند تعالیٰ کی رحمت نے اُسکی تلافی یہ کی کہ مسلمانوں کے قدم ہندوستان میں جمے اور ایسے جمے کہ صدیوں تک نہ اُکھڑے۔ یہ اُن عمامہ پوش خدا ترس لوگوں کی اسلام پرستی کا عوض تھا جنہوں نے شعائر اسلام کی قدر کی اور احکام خداوندی کی راہ میں آنکھوں کو بچھایا تو احکم الحاکمین نے بھی اُنکی قدر کی اور اُن کے سروں پر سلطنت کا تاج رکھا۔

وہ ایران کے سبزہ زاروں اور افغانستان کی پہاڑیوں سے بادل کی طرح اُٹھے اور رحمت کی طرح ہندوستان پر برسے۔ اِس مُلک کی ہر جائی زمین پہلے سے اُن کے قدم چومنے کیلئے طیار تھی چنانچہ اُن بااقبال تاجداروں کے پہونچتے ہی ہندوستان اسلامی شان و شوکت کا آسمان بنا۔ سلسلے مِٹے ہوئے آثار اب بھی نظر آتے ہیں۔ آگرہ کے فتح گڈھ اور دہلی کے لال قلعہ کو دیکھو اگر ایک طرف وہ سلاطین ہند کے جاہ و جلال کا آئینہ ہیں تو دوسری طرف اُن پر حسرت برستی ہے اور یاس سر دُھنتی ہے کہ آہ تمہارے رہنے والے مٹ گئے مگر تم ابھی قائم ہو۔ خدا جانے وہ بااقبال حاکمین کیا سبب ہوا کہ اُنکی لوح مہر کر گئے تھے جو دل ہی دل میں کہدیتی ہے کہ دیکھو یہ عالمگیری شوکت کی تصویر ہے یہ شاہجہانی شان و شکوہ کا مرقع ہے ؟ یہ سراپا حسرت اکبری دربار ہے اور یہ تیموری عزت و ناموس کا آئینہ ہے جسمیں نااتفاقی کا خون جھلکتا ہے۔

تاریخ کے عاشقو اس مختصر تحریر کو غور سے پڑھو اور خیال کرو کہ حسد و کینہ رعونت و تکبر کے ہاتھوں

لائے اور جماعت سے نماز پڑھی۔ دوسری حدیث میں جماعت سے نماز پڑھنے والے کو ستائیس[۲] گنا ثواب کی بشارت دی گئی ایک اور حدیث میں تارکان جماعت کیلئے یہ قصد ظاہر فرمایا کہ احرق علیھم بیوتھم میں اُن کے گھروں کو جلا دیتا اس ہی طرح جماعت کے متعلق بکثرت احادیث ہیں جن کو بخوف تطویل ترک کرتے ہیں۔

اِس موقعہ پر بعض اہل فہم حضرات کے دلوں میں خدشات پیدا ہوں گے لہذا ہم پہلے اُن کی طرف توجہ کرتے ہیں اُسکے بعد اصل مضمون تحریر کرینگے۔ جو اعتراضات اس موقع پر ہماری سمجھ میں آئے ہیں وہ یہ ہیں

(۱) ابتدائے اسلام میں جب آنحضور کلمہ حق کی دعوت کیلئے اہل طائف کے پاس تشریف لیگئے تو اسکا جواب اُنھوں نے اینٹ پتھروں سے دیا۔ آپ کے جسم مبارک کو لہولہان کر دیا۔ آپکی شان میں گستاخیاں کیں۔ وحشیانہ حملہ کیساتھ بدزبانی کے بھی جوہر دکھائے۔ تو اُن کیلئے آپ نے ارشاد فرمایا اللھم اھد قومی انھم لا یعلمون اے خدا میری قوم کو ہدایت کر وہ نہیں جانتے کہ میں کون ہوں پھر کیا وجہ کہ جو آپ پر ایمان لائے اور اپنے عزیز و اقارب وطن مالوف کو خیر و باد کہہ کر آپکے ہو گئے اُن پر نماز پڑھتے مگر جماعت کے ترک کرنے پر یہ خفگی کہ اُن کے گھروں کو جلا دوں۔ ؟

(۲) حقیر جیونٹے جنکی مسلمان تو مسلمان کافر انسان کے مقابلہ میں بھی کوئی حقیقت نہیں اُنکے بارہ میں حدیث میں آیا ہے کہ تم اُن کو آگ سے مت جلاؤ کیونکہ یہ عذاب مخصوص ہے خداوند تعالیٰ کیساتھ جو وہ دن قیامت کے گنہگاروں کو دیگا اور اُن خدام کیلئے جو آپ کے دامن سے وابستہ ہیں ترک جماعت پر گھر جلائے جانیکا ارشاد ہو۔ آخر اسکی کیا وجہ۔ ؟

(۳) اُس حدیث کی رو سے کہ قرآن شریف پڑھنے والے کو ہر حرف کی عوض میں دس نیکیاں ملتی ہیں منفرد کو ثواب زیادہ ملنا چاہیئے مقتدی سے۔ کیونکہ تنہا نماز پڑھنے والا الحمد شریف بھی پڑھیگا اور سورۃ بھی ملائیگا بخلاف مقتدی کے کہ وہ امام کے پیچھے خاموش کھڑا رہتا ہے۔ پھر یہ اُلٹی گنگا کیوں بہتی ہے۔ ثواب تو کجا جماعت چھوڑ کر تنہا نماز پڑھنے والا اور معذب ٹھہرتا ہے۔ پھر اسکی حکمت کیا ہے۔ ؟

باقی آئندہ

ہوجائیں تو مار کر نماز پڑھاؤ۔ یہی نماز دین اسلام کا ستون ٹھہرایا گیا اور حدیث میں تارک صلوٰۃ کو
اسلام کا برباد کرنیوالا قرار دیا گیا۔ یہی وہ نماز ہے جو شعار مسلمانوں کا شعار تھی اور اسلئے نماز کے
ترک کرنیوالے کو کافر فرمایا گیا ہے۔ غرض اسلام کے رکن اعظم نماز ہیں جسکی تاکید بکثرت نصوص میں
آئی ہے اتفاق کی حکمت موجود ہے۔ اسلئے کہ نماز کے ادا کرنیکے لئے جماعت کی سخت تاکید ہے اور
نماز کی طرح جماعت کے متعلق بھی شریعت نے بہت اہتمام کیا ہے

سب سے پہلے فقہاء کی طرف نظر کرو تو معلوم ہوگا کہ وہ جماعت کو کیا ضروری فرماتے ہیں چنانچہ
اہل ظاہر امام احمدؒ وغیرہ قائل ہیں کہ جماعت فرض عین ہے امام شافعیؒ سے دو قول مروی ہیں
ایک جماعت فرض عین ہے دوسرا یہ کہ جماعت فرض کفایہ ہے۔ احناف کے مشہور امام امام طحاوی
جماعت کو فرض کفایہ فرماتے ہیں محققین احناف صاحب بحر الرائق و حلبی وغیرہ جماعت کو اگر
سنت موکدہ قرار دیتے ہیں لیکن عملاً وہ بھی وجوب کے قائل ہیں قرآن شریف کا حکم ہے اقیموا
الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وارکعوا مع الراکعین۔ نماز اور زکوٰۃ ادا کرو (اور نماز کیسے ادا کرو) کہ رکوع
کرو رکوع کرنیوالوں کے ساتھ یعنی جماعت سے نماز پڑھو۔ اگرچہ مفسرین نے اسکے رکوع کے معنی خشوع
و خضوع کے بھی بیان کئے ہیں اکثر مفسرین کا رجحان اس جانب معلوم ہوتا ہے کہ وارکعوا کے معنی صلوا
ہے چنانچہ علامہ آلوسی ابن جریر طبری حضرت ابن عباس اور قاضی بیضاوی نے اپنی اپنی تفسیر
میں یہی معنی بیان فرمائے ہیں کہ صلوا مع المصلین بالجماعۃ نماز پڑھو نماز پڑھنے والوں کے ساتھ جماعت
سے۔ اگر دوسرے معنی کو بیان بھی کیا ہے تو قیل سے جو ضعف پر دال ہے۔

یہود سے تخاطب (جیسا کہ سیاق آیت سے معلوم ہوتا ہے) اور وارکعوا سے پہلے صلوٰۃ کا ذکر
بھی چاہتا ہے کہ اسکے معنی جماعت سے نماز پڑھنے کے ہوں کیونکہ یہود تنہا نماز پڑھتے تھے اُن کے ہاں
جماعت نہ تھی بہرحال اگر رکوع کا لفظ دوسرے معنی کو محتمل ہوتا تو جماعت سب کے نزدیک فرض ہوتی
عملاً واجب ہونے میں تو اب بھی شک نہیں۔

اب اُس کی طرف توجہ فرمائی جسکی امت مرحومہ کیلئے ہی حصول ہدایت سے جماعت کا حکم ہوا ہے چنانچہ
جو ہر صدق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کبھی قضا نہیں ہوئی یہانتک کہ مرض الموت میں بھی دو
کے کاندھوں پہ ہاتھ رکھکر اس حالت میں کہ آپ کے مبارک پاؤں زمین پر گھسٹتے جاتے تھے مسجد میں

(رجسٹرڈ نمبر ۲۲۳)

تقریظ

مفصلہ ذیل کتابیں دفتر القاسم میں بغرض اظہار رائے موصول ہوئی ہیں
ان کتابوں کے مصنف جناب مولانا ابو احمد رحمانی صاحب ہیں۔

ان میں احمدی فرقہ کے اُن دلائل کا ابطال کیا گیا ہے جو اسکے لئے مایہ فخر اور موجب افتخار تھے اگرچہ اس فرقہ کے رد میں بکثرت کتابیں شائع ہوئی ہیں مگر یہ کتابیں اُن اعلیٰ کتابوں میں ہیں جنہوں نے نہایت تہذیب و شائستگی کے ساتھ اس فرقہ کی بنیادوں کو ہلا دیا ہے۔ اکثر منصف مزاج قادیانی ان کو دیکھکر اپنے عقائد سے ہمیشہ کے لئے تائب ہو گئے۔ حق یہ ہے کہ مصنف علام نے ایسا عجیب و غریب طرز اختیار فرمایا ہے جسکو اعجاز محمدی کہا جائے تو بالکل مناسب ہے۔ شہادت و براہین کے زور سے کوئی کتنا ہی قوی فیصلہ کیا جائے مگر پھر بھی غلطی کا احتمال ممکن ہے لیکن جو فیصلہ خود مدعاعلیہ کے اقرار سے کیا جائے۔ اُس میں چون وچرا کی کیا گنجایش ہے حضرت مولانا موصوف دامت برکاتہم نے مرزا صاحب ہی کے اقوال سے ثابت فرمایا ہے کہ مرزا صاحب مسیح موعود اور نبی تو کیا ہونگے۔ ادنیٰ مسلمان بھی نہیں۔ بلکہ انکو سچا انسان کہنا بھی انسانیت سے خارج ہے۔ ایسی مفید کتابیں اس پُرفتن زمانے میں ہر مسلمان کو دیکھنا ضرور ہیں۔ بلکہ اگر حامیان اسلام انکو خرید کر مفت تقسیم کرنیکا سلسلہ جاری کردیں تو یہ بھی صدقات جاریہ میں سے ہو۔

فیصلہ آسمانی حصہ اول	فیصلہ آسمانی حصہ دوم	تتمہ فیصلہ آسمانی	شہادت آسمانی
۳/	۳/	۱/	۲/
حقیقۃ المسیح	**معیار صداقت**	**معیار المسیح**	**تنبیہ قادیانی**	**سزیہ ربانی**
۴/	۱/	۱/	۲/

مسلمان ذیل کے پتہ سے ضرور طلب فرماکر پڑھیں اور دوسروں کو سنائیں:۔

مولوی محمد ابوالحسن صاحب مونگیر محلہ مخصوص پور

القول الصحیح فی مکائد المسیح

یہ رسالہ بھی اس فرقہ کے رد میں جناب مولانا مولوی محمد سہول صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند نے شائع کیا ہے جس میں بہت اختصار کے ساتھ مرزا غلام احمد کے وہ اقوال جمع کئے ہیں جنکو پڑھکر کسی سمجھدار کو بشرطیکہ منصف ہو اُسکی تکفیر سے انکار نہیں ہوسکتا۔ اسکے ساتھ مذہبی برتاؤ کرنیکے طریقے بھی بتائے گئے ہیں اور ہندوستان کے اکثر علماء کے دستخط ہیں۔ یہ مجموعہ ما قل و دل کا مصداق ہے مناسب تھا کہ اس قسم کے رسالے مفت تقسیم کئے جاتے مگر چونکہ بغرض اشاعت عامہ ہزاروں کی تعداد میں طبع کرانیکی وجہ سے اسپر رقم کثیر صرف ہوئی ہے اسلئے تین پیسہ رکھی گئی ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعض جزئیات انقلاب آبتن سے اصلاح

(اصلاح معاملہ بہ تعلیم نسواں)

ہرچند کہ بعد ورود حدیث طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ وغیر ذلک من النصوص الموجبۃ لتحصیل العلم علی الرجال والنساء اس مبحث پر مستقل کلام کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی خصوص جبکہ اسکے متعلق ابھی رسالہ القاسم کی جلد اول کے نمبر ا صفحہ ۱۹ و ۲۰ و نمبر ۲ صفحہ ۲ میں مجملاً اس سے تعرض بھی ہو چکا ہے لیکن بعض واقعات و خصوصیات کے (کہ زیادہ تر یہ ہندوستانی مستورات کے حالات ہیں جنکا مشاہدہ اکثر ہوتا رہتا ہے) اس بات میں مستقل اور کسی قدر مفصل گفتگو کئے جانے کو مقتضی ہونیکے سبب اسکا عدم ضرورت مکرر ذکر کیا جاتا ہے۔ سو جاننا چاہئے کہ اس مقدمہ میں جہانتک تتبع کیا گیا تین حال کے لوگ ہیں۔ ایک[1] وہ کہ تعلیم نسواں کے نہ مخالف ہیں نہ حامی مگر تعلیم کا اہتمام نہیں۔ دوسرے[2] وہ کہ اسکے مخالف ہیں تیسرے[3] وہ کہ اسکے حامی ہیں۔ اور ان سب سے مختلف کوتاہیاں واقع ہوتی ہیں۔ چنانچہ اول طبقہ کی کوتاہی جو سب کوتاہیوں سے اشد و اعظم ہے یہ ہے کہ سرے سے مستورات کو تعلیم دینے ہی کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی نہ مردوں کے نزدیک اور نہ خود ان مستورات کے نزدیک۔ اور دلیل ان لوگوں کی جو ان کے اشتباہ کا منشا ہو گیا ہے یہ ہے کہ کیا عورتوں کو کوئی نوکری کرنا ہے جو ان کے پڑھانے کا اہتمام کیا جاوے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے نہ تعلیم کی غرض سمجھی اور نہ ان نصوص و روایات میں غور کیا جو مردوں اور عورتوں دونوں کیلئے ایک درجہ میں تحصیل علم کو فرض و واجب قرار دے رہے ہیں اور نہ اس تعلیم کو سمجھا جو کہ فرض ہے سو سمجھ لینا چاہئے کہ علوم سے غرض نوکری نہیں ہے کیونکہ جو علم علی العین واجب التحصیل ہے وہ علم معاش نہیں ہے بلکہ وہ علم دین ہے جس سے انسان کے عقائد و اعمال و معاملات و معاشرت و اخلاق درست ہوں جسکا ثمرہ دنیا میں أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ کی دولت

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ شوال ۱۳۳۱ھ

مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۱۳ء

جو حضرت مولانا مولوی خلیل احمد صاحب و حضرت مولانا مولوی اشرف علی صاحب

(اور)

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے

۷) اہل مستورات کیا درستی کرینگی پھر جب معاملات کے ساتھ یہ طرز عمل ہے تو معاشرت کی
اصلاح تک تو کہاں ذہن جاویگا کیونکہ معاملات کو حقوق العباد تو سمجھا جاتا ہے بخلاف معاشرت
کے کہ اس میں یہ پہلو بھی ظاہر نہیں ہے اسلئے اسکا بالکل ہی اہتمام کم ہے پھر جب معاملات و معاشرت
سے اتنی بے پروائی ہے تو اخلاق باطنی مثل تواضع و اخلاص و خوف و محبت و صبر و شکر و
نحو ذلک کی طرف تو کیا توجہ ہوگی کیونکہ معاملات کا زیادہ اور معاشرت کا اس سے کم دوسروں
تک تو اثر پہونچنا معلوم ہی ہے نیز اس پر بعض اوقات نیکنامی و بدنامی کا ترتب بھی ہو جاتا ہے
بخلاف اخلاق باطنی کے کہ اسکا غالب اثر بھی اپنی ہی ذات تک محدود رہتا ہے اور بوجہ خفا کے
دوسروں کو ان کا علم بھی کم ہوتا ہے جس سے نیکنام یا بدنام کر سکیں اسلئے اسکا اہتمام تو
بالکل ہی ندارد ہے حتیٰ کہ بہت سے خواص میں بھی تا بعوام چہ رسد۔ بہرحال ان سب امور
دینیہ میں قلت مبالاۃ کا اصل منشاء و سبب قلت علم دین ہے پھر جہاں بالکل ہی علم نہ ہو
(اور اس سے بڑھکر یہ کہ فطرۃً عقل بھی کم ہو کیونکہ طبقہ اناث قدرتی طور پر ناقص العقل
ہوتی ہیں غرض جہاں نہ عقل ہو نہ علم ہو) تو وہاں تو امور مذکورہ میں کوتاہی کی کیا حد ہوگی
غرض عقل اور مشاہدہ دونوں شاہد ہیں کہ بدوں علم کے عمل کی تصحیح ممکن نہیں اور عمل کی تصحیح
واجب اور فرض پس تحصیل علم دین کا فرض ہونا جیسا اوپر دعویٰ کیا گیا ہے عقلاً بھی ثابت
ہوگیا اور سمعاً فرض ہونا اس سے اوپر بیان کیا گیا ہے تو دونوں طرح تحصیل علم دین فرض ہوا
پس ان لوگوں کا یہ خیال کہ جب عورتوں کو نوکری کرنا نہیں ہے۔ تو انکی تعلیم کیا ضرور ہے محض
غلط ٹھیرا۔ یہ جواب ہوا انکی مذکورہ کوتاہی کا۔ البتہ اس پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ علم دین کی فرضیت
سے تعلیم بطریق متعارف کا واجب ہونا لازم نہیں آتا کہ مستورات کو کتابیں بھی پڑھائی جاویں
بلکہ یہ فرض اہل علم سے پوچھ پاچھ رکھنے سے ادا ہوسکتا ہے سو اسکی تحقیق یہ ہے کہ واقعی یہ شبہ
صحیح ہے اور ہم تعلیم متعارف کو فی نفسہ واجب بھی نہیں کہتے لیکن یہاں تین مقدمے قابل غور
ہیں۔ اوّل یہ کہ مقدمہ واجب کا واجب ہوتا ہے گو بالغیر ہی جیسے جو شخص پیادہ سفر حج قطع کرنے پر
قادر نہ ہو اور اس شخص کے زمانہ میں ریل اور اگبوٹ ہی ذریعہ قطع سفر کا متعین ہو اور اسکے پاس
اسقدر وسعت و استطاعت بھی ہو تو اس شخص پر واجب ہوگا کہ سفر کا عزم کرے اور ریل اور

اور آخرت میں أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ کی بشارت ہے سو اس کا وجوب ظاہر ہے سمعاً بھی عقلاً بھی۔ دلائل سمعیہ یہ ہیں طلب العلم واجب علی کل مسلم (ہب عن انس) طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (الدیلمی عن علی) طلب الفقہ حتم واجب علی کل مسلم (ک فی تاریخہ عن انس) تعلموا العلم وعلموہ الناس (قط عن ابی سعید وہب عن ابی بکرۃ) تعلموا العلم قبل ان یرفع (الدیلمی عن ابن مسعود وعن ابی ہریرۃ) یا ایہا الناس علیکم بالعلم قبل ان یقبض (طب و الخطیب عن ابی امامہ) یا ایہا الناس خذوا من العلم قبل ان یقبض العلم (حم والدارمی طب و ابو الشیخ فی تفسیرہ وابن مردویہ عن ابی امامۃ) ویل لمن لا یعلم (حل عن حذیفۃ) کذا فی کنز العمال وغیر ذلک من النصوص العامۃ للرجل والمرأۃ۔

اور دلیل عقلی یہ ہے کہ اصلاح عقاید و اعمال کی فرض ہے اور وہ موقوف ہے ان کی تحصیل علم پر چنانچہ ظاہر ہے اور فرض کا موقوف علیہ فرض ہے۔ پس تحصیل علم فرض ہوا اور ہر چند کہ موقوف ہونا عمل کا علم پر بالکل بدیہی ہے مگر اس سے ترقی کرکے کہا جاتا ہے کہ حسی بھی ہے۔ چنانچہ بے علم عورتیں جس حالت میں ہیں سب دیکھتے ہیں کہ نہ انکو شرک و کفر کی کچھ تمیز ہے نہ ایمان و اسلام کی کچھ محبت ہے جو چاہیں خدا تعالیٰ کی شان میں بک دیتی ہیں جو چاہیں احکام شرعیہ کے مقابلہ میں زبان درازی کر بیٹھتی ہیں اولاد کیلئے یا شوہر کو مسخر کرنے کیلئے ٹونے ٹوٹکے جادو منتر جو کچھ کوئی بتلا دیتا ہے بلا امتیاز مشروع و نامشروع کے سب ہی کچھ کر گذرتی ہیں جب عقائد ہی میں یہ حالت ہے تو نماز روزہ کا تو کیا ذکر ہے سو بعض کی نوبت ترک سے گذر کر استخفاف بلکہ استہزاء و تنفر تک پہونچ جاتی ہے بعض تو باوجود فرض سمجھنے کے اسکو ترک ہی کر دیتی ہیں اور بعض اسکی وقعت بھی نہیں کرتیں کوئی ضروری امر نہیں سمجھتیں اور بعض اسکو منحوس و موجب مضرت اعتقاد کرتی ہیں اور یہ دو درجے کفر صریح ہیں اور اول فسق و کبیرہ ہے اور جب نماز و روزہ میں یہ کیفیت ہے جسمیں ایک پیسہ خرچ بھی نہیں ہوتا تو زکوٰۃ اور حج جس میں پیسے کا بھی خرچ ہے اسکو تو پوچھو ہی مت اور جب عقاید و اعمال دیانت کا یہ حال ہے تو معاملات کی درستی کا تو احتمال ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ نماز و روزہ کی صورت تو دین کی ہے اور معاملات تو عوام کی نظر میں بالکل دنیا ہی کی شکل رکھتے ہیں اسلئے ان کی درستی کا اہتمام تو خاص ہی خاص لوگ کرتے ہیں۔

طمع ہوتی ہے کہ اپنے نفسانی جذبات کو اُن تک بذریعہ تحریر پہونچا دیتے ہیں اور اُن کے پاس
جب ایسی تحریرات پہونچتی ہیں کبھی تو وہ بھی متاثر ہو کر برم جواب دیتی ہیں اور سلسلہ بڑھتا ہے یہانتک
کہ جو کچھ واقع ہونا ہے واقع ہوتا ہے اور کبھی جواب نہیں دیتیں اور سکوت کرتی ہیں تو مریض القلب
لوگ اس سے بھی استدلال کرتے ہیں ان کے نیم راضی ہونے پر پھر وہ لوگ آئندہ کے پیام و اعلام
و تحریر سے اس کمی کو پورا کرنا چاہتے ہیں چونکہ گوش زدہ اثر سے دارد قاعدہ اکثر یہ ہے پھر بعض
کا طرز بیان جادو اثر ہوتا ہے پھر نسوانی طبائع معمولی طور پر نرم بھی ہوتی ہیں تو شیطان کا
جال پھیل جانا زیادہ عجب نہیں ہوتا اور اگر کبھی مکتوب الیہا نے ناراضی بھی ظاہر کی اور اسی
ناراضی کا جواب کاتب تک بھی پہونچا دیا مگر اپنے شوہر یا خاندان کے خوف سے کہ خدا جانے کیا
گمان کرینگے اور کیا معاملہ کرینگے اپنے گھر والوں سے اُس کا اخفا کرتی ہیں اور اس طور پر وہ
کاتبین ہر طرح کی مضرت سے محفوظ رہتے ہیں اسلئے اُنکی جسارت بڑھتی ہے اور پھر دوسرے موقع
پر اسکی سلسلہ جنبانی کرتے ہیں اور ان سب واقعات کا علت اُن مستورات کا تعلیم یافتہ ہونا ہے
اگر وہ ناخواندہ ہوں تو اُن کے پاس کوئی مضمون بھیجنے سے اندیشہ ہوگا دوسرے کے مطلع ہو سکنے کا اور
یہ سبب ہوجاویگا اس باب کے مسدود ہوجانیکا اور یہ مفسدہ اُس صورت میں زیادہ محتمل ہے
جب کہ کسی عورت کے مضامین اخباروں میں بھی چھپنے لگیں تو اُن مضامین کو دیکھکر سخن شناس
شیاطین اندازہ کرتے ہیں کاتبہ کے رنگ طبیعت اور جذبات اور خیالات کا تو اس شرارت کے شرارے
وہاں زیادہ پھیلتے ہیں بالخصوص اگر وہ کلام نظم بھی ہو تو اور بھی آفت ہے اور اس زمانہ میں تو ایک
اور غضب ہے کہ افتخار کیلئے صاحب مضامین کا نام اور پتہ تک صاف لکھدیا جاتا ہے کہ فلانے کی بیوی
فلانے کی بیٹی فلاں جگہہ کی رہنے والی اور یہ تمام خرابیاں ان کے لکھے پڑھے ہونے سے پیدا ہوتی
ہیں اور اگر ان خفیہ ریشہ دوانیوں کی کسی طور پر شوہر یا اہل خاندان کو اطلاع ہی ہو گئی تو چونکہ لکھا
پڑھا آدمی ہوشیار اور سخن سازی پر زیادہ قادر ہوتا ہے وہ ایسی تاویلیں کریں گی کہ کبھی اُن
پر حرف ہی نہ آویگا اور اُلٹا منہ ناک بناوینگی مکاری سے رو دیں گی کہ ہمکو یوں کہا۔ کہیں خودکشی
اور کنوئیں میں ڈوبنے کی دھمکی دینگی حتی کہ اُس غریب بازپرس کرنیوالے کو خوشامد کرنا پڑیگی
اور ڈر کے مارے پھر کبھی زبان تک نہ ہلاویگا۔

آگبوٹ کا ٹکٹ خرید کر اُس میں سوار ہو۔ سو ریل اور آگبوٹ کا ٹکٹ خریدنا اور اُس پر سوار ہونا
فی نفسہٖ شرعًا فرض نہیں لیکن چونکہ ایک فرض کا ذریعہ ہے اسلئے یہ بھی فرض ہوگا مگر بالغیر۔
پس یہ مقدمہ تو ثابت ہوچکا۔ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ تجربہ سے معلوم ہوگیا ہے کہ علم کا اذہان
میں قابل اطمینان درجہ میں محفوظ رہنا موقوف ہے کتب کے پڑھنے پر جو کہ تعلیم کا متعارف طریق
ہے اور محفوظ رکھنا علم دین کا واجب ہے پس بنا بر مقدمہ اولی بطریق متعارف تعلیم کا جاری
رکھنا بھی واجب ہے البتہ یہ واجب علی الکفایہ ہے یعنی ہر مقام پر اتنے آدمی دینیات پڑھے ہوئے
ہونے چاہئیں کہ اہل حاجت کے سوالونکا جواب دیسکیں۔ تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ یہ بھی تجربہ سے
ثابت ہوا ہے کہ مردوں میں علماء کا پایا جانا مستورات کی ضروریات دینیہ کیلئے کافی وافی نہیں
دو وجہ سے اولاً پردہ کے سبب (کہ وہ بھی اہم الواجبات ہے) سب عورتوں کا علماء کے پاس
جانا قریبًا ناممکن ہے اور گھر کے مردوں کو اگر واسطہ بنایا جاوے تو بعض مستورات کو تو گھر کے
ایسے مرد بھی میسر نہیں ہوتے اور بعض جگہ خود مردوں ہی کو اپنے دین کا بھی اہتمام نہیں ہوتا
تو وہ دوسروں کیلئے سوال کرنیکا کیا اہتمام کرینگے پس ایسی عورتوں کو دین کی تحقیق ازبس دشوار
ہے اور اگر اتفاق سے کسی کی رسائی بھی ہوگئی یا کسی کے گھر ہی میں باپ بیٹا بھائی وغیرہ عالم
ہیں تب بھی بعض مسائل عورتیں ان مردوں سے نہیں پوچھ سکتیں ایسی بےتکلفی شوہر سے ہوتی ہے
تو سب شوہروں کا ایسا ہونا خود عادۃً ناممکن ہے تو انکی عام احتیاج رفع ہونے کی بجز اس کے
کوئی صورت نہیں کہ کچھ عورتیں پڑھی ہوئی ہوں اور عام مستورات اُن سے اپنے دین کی ہر قسم
کی تحقیقات کیا کریں پس کچھ عورتوں کو بطریق متعارف تعلیم دین دینا واجب ہوا پس اس شبہ
کا بھی جواب ہوگیا اور ثابت ہوگیا کہ لکھے پڑھے مردونکی طرح عورتوں میں ایسی تعلیم ہونا ضرور ہے
اور اس غلط خیال عدم ضرورۃ تعلیم النسوان کا بالکلیہ استیصال ہوگیا۔

اب دوسرے طبقہ کے متعلق کچھ لکھا جاتا ہے جو تعلیم نسواں کے مخالف ہیں اور اسکو سخت
ضرررساں سمجھتے ہیں دعویٰ اُن کا یہ ہے کہ ہمنے لکھی پڑھی عورتوں کو اکثر آزاد اور بیباک اور
قلیل الحیاء اور مکار اور عفت سوز دیکھا ہے خاصکر اگر لکھنا بھی جانتی ہوں تو اور بھی شوخ چشم
ہوجاتی ہیں جسکو چاہا خط لکھ بھیجا جسکو چاہا پیام وسلام پہونچا دیا اسی طرح دوسروں کو بھی

کا مضمون ہے یہ گفتگو تو اُن کے احوال و اعمال کے متعلق تھی اور جو اسباب دوسرے نمبر پر
لوگوں کے شمار کرائے ہیں اُن کا منشا سوء تدبیر سے ہوتا ہے اسکی اسناد کی ایک تدبیر یہ ہے کہ عورتوں
کے ساتھ نہایت سختی کیجاوے اور اپنے مردوں کو بالکل صاف صاف اطلاع دیدی جاوے غرض
مفاسد کے اسباب تین ہیں جب یہ ہے تو اسمیں عورتوں کی کیا تخصیص ہے یہی اسباب فساد اگر مردوں کو
پیش آویں وہ بھی ایسے ہی ہوں گے پھر کیا وجہ کہ عورتوں کو تعلیم سے روکا جاوے اور مردوں کی
تعلیم میں ہر طرح کی آزادی دیجاوے بلکہ اہتمام کیا جاوے اس فرق کی وجہ بعد تامل بجز اسکے
کچھ نہیں معلوم ہوتی کہ عورت سے صدور قبائح یا اُسکی طرف نسبت قبائح عرفاً موجب ذلت و رسوائی ہے اور
وہی امور اگر مرد سے صادر ہوں یا اُسکی طرف منسوب ہوں تو وہ عرفاً موجب ذلت اور رسوائی نہیں ہے
اس لئے عورت کیلئے اُن مفاسد کے احتمال کو موانع تعلیم سے قرار دیا ہے اور مردوں کیلئے نہیں۔
باقی شرعاً ظاہر ہے کہ اس بات میں مرد و عورت یکساں ہیں اگر عورت کیلئے معصیت مذموم و قابل
لوم ہے تو اُسی درجہ میں مرد کیلئے بھی اور اگر مرد کیلئے تو یہ موجب طہارت ونزاہت ہے تو اُسی درجہ
میں عورت کیلئے بھی بس جب شرعاً دونوں برابر ہیں اور عرفاً متفاوت ہیں اس تفاوت کے عملاً متاثر
ہونا یعنی ایک کیلئے ان احتمالات کا اعتبار کرنا دوسرے کیلئے نہ کرنا صاف عرف کو شرع پر ترجیح
دینا ہے جو بہت بڑا شعبہ ہے جاہلیت کا جس کا منشا کبر اور ترفع ہے وبس اور یہ صرف ہمارا ہی دعوے
نہیں بلکہ مدعا علیہم کا اقرار بھی ہے چنانچہ بکثرت ان لوگوں کی زبان سے سنا گیا ہے کہ میاں مرد کا
کیا ہے اسکی مثال تو برتن کی سی ہے کہ دس دفعہ سَن گیا اور جب دھو دیا صاف ہوگیا اور عورت
کی مثال موتی کی آب کی سی ہے کہ اگر ایک دفعہ اُتر گئی پھر چڑھ ہی نہیں سکتی اس کے یہی دوسرے
لفظوں میں صاف یہ معنی ہیں کہ مردوں کیلئے معصیت کو خفیف سمجھتے ہیں اور عورتوں کیلئے
شدید تو علاوہ کبر کے اسمیں تو فتوی استخفاف کے جاری ہونیکا بھی اندیشہ اور سخت اندیشہ ہے
اب صرف تیسرے طبقہ کے متعلق کلام باقی رہگیا جو تعلیم کے حامی تو ہیں لیکن اُس تعلیم کی تعیین میں
یا اُس کے طریقہ کی تجویز میں اُن سے غلطی ہوئی چنانچہ اُن میں سے بعض کا بیان بعنوان اصلاح خیال
طبقہ ثانیہ کے اوپر ہو چکا ہے مثلاً اُن کو صرف حرف شناس بنا کر چھوڑ دینا پھر اُن کا اپنی رائے سے
مختلف رسالوں کا مطالعہ کرنا اور مثلاً بعد تعلیم کے عمل کی نگرانی نہ کرنا جس کی متعدد مثالیں بھی

ایک خرابی اس تعلیم یافتہ طبقہ اناث میں یہ ہوئی ہے کہ ہر طرح کی کتابیں منگا کر پڑھی ہیں عشقبازی
کے قصے سازش اور لگاوٹ کے ناول شوق انگیز غزلیں پھر اُن سے طبیعت بگڑتی ہے کبھی آپ ہی
غزلیں ذرا کھل کر پڑھتی ہیں کہ دروازہ میں تا پڑوسن اور محلہ میں تا سڑک پر آواز جاتی ہے اور آواز
پر کوئی فریفتہ ہو کر در پے ہو جاتا ہے اور اگر وہ ناکام بھی رہا تاہم رسوائی اور پریشانی کا سبب تو ہو ہی
جاتا ہے یہ ہیں خلاصہ ان صاحبوں کے خیالات کا اور میں ان واقعات کی تکذیب نہیں کرتا
لیکن یہ ضرور کہونگا کہ ان صاحبوں نے کوتہ نظری سے کام لیا واقعات کے حقائق میں غور نہیں
کیا۔ اصل یہ ہے کہ ان سب خرابیوں کی ذمہ دار تعلیم نہیں ہے بلکہ طرز تعلیم ہے یا نصاب تعلیم ہے
یا طرز عمل ہے یا سوء تدبیر ہے یعنی یا تو یہ ہوا ہے کہ ایسی کتابیں نہیں پڑھائی گئیں جس سے احکام
حلال و حرام اور تفصیل ثواب و عقاب اور طریقہ تہذیب اخلاق معلوم ہو اور جس سے خوف
و خشیت و معرفت و عظمت حق حاصل ہو اُن کو صرف حرف شناس بنا کر چھوڑ دیا ہے اور انھوں نے
اپنی رائے سے اُردو کے مختلف رسالوں کا مطالعہ کر کے لکھنے پڑھنے کی مہارت بڑھائی ہے اور
تعلیم یافتہ کا لقب پا کر اس طرح تعلیم کو بدنام کیا ہے تو ظاہر ہے کہ محض حرف شناسی کو نہ تعلیم
کہہ سکتے ہیں اور نہ حرف شناسی اصلاح اعمال و احوال کی کفالت کر سکتی ہے اور یا یہ ہوا ہے
کہ باوجود نصاب تعلیم کے مفید و کافی ہونے کے اُس نصاب کے مضامین کو قلب میں جمانے کی
کوشش نہیں کی گئی اور عمل کی نگرانی نہیں کی گئی۔ مثلاً اس کی ضرورت تھی کہ جس روز کسی لڑکی
نے یہ سبق پڑھا کہ غیبت گناہ ہے اُس کے بعد اگر وہ غیبت کرے تو فوراً اسکو یاد دلا دے کہ
دیکھو تمنے کیا پڑھا تھا اُس کے خلاف کرتی ہو اور مثلاً اُن کو پردہ کی ضرورت یا پست آواز سے
بولنے کی تاکید پڑھائی گئی اور پھر انہیں کوتاہی یا غفلت کا مشاہدہ ہوا فوراً اسکو روکنا چاہئے
یا اُن کو حرص مال و زیور کی مذمت پڑھائی تھی پھر انھوں نے کسی تکلف کے کپڑے یا غیر ضروری
زیور کی ہوس کی تو فوراً ان کو متنبہ کیا جاوے اسی طرح امید ہے کہ اخلاق فاضلہ و اعمال صالحہ
کا ملکہ انہیں پیدا ہو جاویگا۔ اور یا یہ ہوا ہے کہ اُن کی خود طبیعت اور طینت ہی میں صلاحیت
اور قابلیت نہیں ہے تو اس صورت میں مصرعہ "تربیت نا اہل را چوں گردگان بر گنبد است"
کا اور شعر ۔ شمشیر نیک ز آہن بد چوں کند کسے ٭ ناکس بتربیت نہ شود اے حکیم کس

اور کوئی تعلیم شائستگی اور تہذیب نہیں سکھلاتا چنانچہ ایک وہ شخص لیجئے جس پر علم
دین کا پورا اثر ہوا ہے اور ایک وہ شخص لیجئے جس پر تہذیب جدید کا پورا اثر ہوا ہے
پھر دونوں کے اخلاق اور معاشرت و معاملہ کا موازنہ کیجئے تو آسمان و زمین کا
تفاوت پائیے گا البتہ اگر تصنع و تکلف کا نام کسی نے تہذیب رکھ لیا ہو تو اس کی
یہی غلطی ہوگی کہ ایک مفہوم کا مصداق اس نے غلط ٹھہرا لیا اور اگر کسی کے ذہن
میں اس وقت کوئی دیندار ایسا آیا ہو جس میں تہذیب حقیقی کی کمی ہو سو اس کی
وجہ یہ ہوگی کہ اس نے علوم دینیہ کا پورا اثر [illegible] دین کے اجزاء [illegible]
ہیں عقائد و اعمال و معاملات و معاشرت و اخلاق باطنہ۔ بعضے لوگ صرف نماز
روزہ کے احکام کے جاننے کو علم دین اور ان احکام کی پابندی کرنے والے کو دیندار
لقب دیدیتے ہیں سو یہ بھی غلط ہے سب اجزاء مذکورہ کے احکام ضروریہ کا اچھی طرح
جاننا علم دین اور سب کی پابندی دینداری ہے سو جس کو دیندار بدون دیگر قلیل التہذیب
قرار دیا گیا ہے وہ واقع میں سب اجزاء دین کا متبع نہیں اور کلام اس میں ہے جس نے
سب اجزاء کا اثر لیا ہو پس وہ شبہ رفع ہو گیا بندہ نے اس قسم کے شبہات کے جواب
کیلئے رسالہ حقوق العلم لکھا ہے (جو قابل ملاحظہ ہے)[عہ] غرض تہذیب علم دین کی برابر
کسی علم سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہی علم دین تو تھا جس نے سلف میں ایسے اثر سے
وہ اخلاق و شائستگی پیدا کی کہ خود یورپ کو بھی اس کا اعتراف بلکہ اس سے اعتراف
بھی ہے مگر ہم اپنے گھر کی دولت سے بے خبر ہو کر دوسروں سے اس کی دریوزہ گری
کر رہے ہیں وللہ در العارف الرومی حیث قال ؎

یک سبد پر نان ترا بر فرق سر — تو ہمی جوئی لب نان در بدر
تا بزانوئے میان قعر آب — وز عطش وز جوع گشتستی خراب

بعضے آدمی اپنی لڑکیوں کو آزاد و بے باک عورتوں سے تعلیم دلاتے ہیں یہ تجربہ ہے
کہ ہم صحبت کے اخلاق و جذبات کا آدمی میں ضرور اثر آتا ہے۔ خاص کر جب وہ شخص

عہ یہ مکرر شائع ہو کر رسالہ ضیاء الاسلام مراد آباد میں چھپا ہے ۱۲ منہ

ساتھ ساتھ مذکور ہوئی ہیں اور بعض کا بیان اب کیا جاتا ہے مثلاً لڑکیوں یعنی مستورات کو بجائے علوم
دینیہ پڑھانے کے اُن کو تاریخ و جغرافیہ یا اس سے بڑھکر انگریزی پڑھاتے ہیں اور سب سے بڑھکر یہ کہ ناول
پڑھاتے ہیں جسکی وجہ صرف تقلید اہل یورپ کی ہے یعنی اُن کے نصاب تعلیم میں شائستگی کو منحصر
سمجھا اس کی بنا یہ ہے اگرچہ خیال نہیں کرتے کہ ہم میں اور اُن میں اگر رسوم و عادات و طبائع و خواص
کا کچھ فرق ہو تاہم سب سے بڑا فرق مذہب ہی کا ہے کہ ہم مذہب اسلام کا التزام کئے ہوئے ہیں اور وہ
یا تو کوئی مذہب نہیں رکھتے اور زیادہ اُن میں ایسے ہی ہیں اور یا ہمارے مذہب کے مغائر دوسرا
مذہب رکھتے ہیں اسلئے اُن کے یہاں یا تعلیم مذہبی بالکل ہو گی صرف زبان کی تعلیم ہو گی یا
دنیوی معلومات کی تعلیم ہوگی اور یا دوسرے مذہب کی تعلیم ہوگی بہرحال اُن لوگوں کے اس
تعلیم کا تو ایک خاص مبنیٰ ہے لیکن ہم لوگ اگر اُن کی تعلیم کو اختیار کریں تو اس کا کیا مبنیٰ ہے
جب غرض تعلیم سے اُنکی اور ہے جس کا ابھی ذکر ہوا اور ہماری غرض اور ہے جس کا منحصر بیان طبقہ
اولیٰ کے اصلاح خیال کے ذکر میں ہوا ہے یعنی اصلاح عقائد و اعمال و معاملات و معاشرت
و اخلاق اور یہ غرض منحصر ہے علم دین میں تو ظاہر ہے کہ ہمکو اُن کی تعلیم کا اختیار کرنا ہر طرح سے غلط
ہے البتہ اگر کسی کو تحصیل معاش کی بھی حاجت واقع ہو یا ہوئی ہو تو بعد علوم دینیہ کے اُس کو اُن
علوم کا حاصل کر لینا بھی مضائقہ نہیں جو اُس زمانہ میں معاش کا موقوف علیہ ہو جیسے اس وقت
انگریزی و تاریخ و جغرافیہ وغیرہ باقی آجکل کی اُس شخص کو بھی ضرورت نہ ہوگی اور ظاہر ہے کہ کسب
معاش کی حاجت صرف مردوں کو ہوتی ہے اور عورتیں اول اس وجہ سے کہ اُن کا نان و نفقہ دوسروں کے
ذمہ ہے دوسرے اس وجہ سے کہ اسلام میں پردہ کی تاکید ہے اور وہ انواع خاصہ معاش کے جو
خاص علوم پر موقوف ہیں پردہ کے ساتھ حاصل نہیں کئے جا سکتے اس لئے عورتوں کیلئے یہ تعلیم
بالکل فضول اور اُن کے وقت کی اضاعت ہوگی بلکہ فضول سے تجاوز ہو کر ہر طرح مضر ہوگی
جیسا کہ عنقریب اُن مضار کا بیان بھی آویگا۔ بہرحال یہ علوم جن کا لقب تعلیم جدید ہے عورتوں کیلئے
ہرگز زیبا نہیں۔ البتہ فنون دنیا میں سے بقدر ضرورت لکھنا اور حساب اور کسی قسم کی دستکاری
کہ اگر کسی وقت کوئی سرپرست نہ رہے تو عزت کے ساتھ چار پیسے کما سکے مناسب ہے۔ رہا قصہ
شائستگی کا تو جس کا دل چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے کہ علم دین کی برابر دنیا بھر میں کوئی دستور العمل

اگر ایسی استانی ملجاوے جو تنخواہ نہ لے تو تجربہ سے یہ تعلیم زیادہ بابرکت اور باانر ثابت ہوئی ہے اور بدرجہ مجبوری اس کا بھی مضائقہ نہیں اور جہاں کوئی ایسی استانی نہ ملے اپنے گھر کے مرد پڑھا دیا کریں۔ پڑھانے کا تو یہ طرز ہو اور نصاب تعلیم یہ ہو کہ اول قرآن مجید حتی الامکان صحیح پڑھایا جاوے پھر کتب دینیہ سہل زبان کی جن میں تمام اجزاء دین کی مکمل تعلیم ہو (میرے نزدیک اس وقت بہشتی زیور کے دسوں حصے ضرورت کیلئے کافی ہیں) اور اگر گھر کا مرد تعلیم دے تو جو مسائل شرمناک ہوں اُن کو چھوڑ دے اور اپنی بی بی کے ذریعہ سے سمجھوادے اور اگر یہ انتظام بھی نہو سکے تو اُن پر نشان کردے تاکہ اُن کو یہ مقامات محفوظ رہیں پھر وہ سیانی ہو کر خود سمجھ لینگی یا اگر عالم شوہر میسر ہوا اُس سے پوچھ لیگی یا شوہر کے ذریعہ سے کسی عالم سے تحقیق کرالیگی (چنانچہ بندہ نے بہشتی زیور کے دستور العمل میں جو ٹائیٹل پر مطبوع ہوا ہے اس کا خلاصہ لکھدیا ہے مگر بعضے لوگ اُن کو دیکھتے نہیں اور اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ اگر کوئی مرد پڑھانے لگے تو ایسے مسائل کس طرح پڑھا دے اسلئے ان کا لکھنا ہی کتاب میں مناسب نہ تھا کیسی کچی سمجھ ہے) بہشتی زیور کے اخیر میں مفید رسالوں کا نام بھی لکھدیا گیا ہے جس کا پڑھنا اور مطالعہ عورتوں کو مفید ہے اگر سب نہ پڑھیں ضروری مقدار پڑھکر باقیوں کو مطالعہ میں ہمیشہ رکھیں اور تعلیم کے ساتھ اُن کے عمل کی بھی نگرانی رکھیں اور اس کا بھی انتظام کریں کہ اُن کو تدریس کا شوق ہو تاکہ عمر بھر علمی شغل رہے تو اس سے علم و عمل کی تجدید و تحریص ہوتی رہتی ہے اور اسکی بھی ترغیب دیں کہ مطالعہ کتب مفیدہ سے کبھی غافل نہ رہیں اور ضروری نصاب کے بعد اگر طبیعت میں قابلیت دیکھیں عربی کی طرف متوجہ کریں تاکہ قرآن و حدیث و فقہ اصلی زبان میں سمجھنے کے قابل ہو جاویں اور قرآن کا خالی ترجمہ جو بعض لڑکیاں پڑھتی ہیں میرے خیال میں سمجھنے میں زیادہ غلطی کرتی ہیں اس لئے اکثر کیلئے مناسب نہیں یہ تو سب پڑھنے کے متعلق بحث تھی رہا لکھنا تو اگر قرائن سے طبیعت میں بیباکی معلوم ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ضروریات خانگی کے لئے اس کی بھی حاجت ہو جاتی ہے اور اگر اندیشہ خرابی کا ہو تو مفاسد سے بچنا جلب مصالح غیر واجبہ سے اہم ہے ایسی حالت میں لکھنا نہ سکھلاویں اور نہ خود لکھنے دیں

ہم صحبت ایسا ہو کہ متبوع اور معظم بھی ہو اور ظاہر ہے کہ استاد سے زیادہ ان خصوصیات
کا کون جامع ہوگا تو اس صورت میں وہ آزادی وسے ماکی ان لڑکیوں میں بھی آرہی
اور میری رائے میں سب سے بڑھکر جو عورت کا حیا اور انقباص طبعی ہے اور یہی مفتاح ہے
تمام خیر کی حسب یہ نہ رہا تو اس سے پھر نہ کوئی خیر متوقع ہے نہ کوئی مستبعد ہے ہر چند کہ
اذا فاتك الحياء فافعل ماشئت حکم عام ہے لیکن میرے نزدیک ماشئت کا
عموم نساء کیلئے بہ نسبت رجال کے زیادہ ہے اس لئے کہ مردوں میں پھر بھی عقل کسی قدر
مانع ہے اور عورتوں میں اس کی بھی کمی ہوتی ہے اس لئے کوئی مانع ہی نہ رہیگا اسیطرح
اگر استانی ایسی نہ ہو لیکن ہم سبق اور ہم مکتب لڑکیاں ایسی ہوں تب بھی اسی کے
قریب مضرتیں واقع ہونگی۔ اس تقریر سے دوسری کا حال بھی معلوم ہوگیا ہوگا جسکا
اس وقت بے تکلف شیوع ہے ایک لڑکیوں کا عام زنانہ اسکول بنانا اور مدارس عامہ
کی طرح اس میں مختلف اقوام اور مختلف طبقات اور مختلف خیالات لڑکیوں کا روزانہ
جمع ہونا گو معلمہ مسلمان ہی ہو اور یہ آنا ڈولیوں ہی میں ہو اور گو یہاں آکر بھی پردہ ہی کی مکانمیں رہنا ہو
لیکن تاہم واقعات نے دکھلا دیا ہے اور تجربہ کرا دیا ہے کہ یہاں ایسے اسباب جمع ہوجاتے
ہیں جن کا اُن کے اخلاق پر بُرا اثر پڑتا ہے اور یہ صحبت اکثر عفت سوز ثابت ہوئی ہے
اور اگر استانی بھی کوئی آزاد یا بکار ملگئی تو کریلا اور نیم چڑھا کی مثال صادق آجاتی ہے
اور دوسری جزئی یہ کہ اگر کہیں مشن کی میم سے بھی روزانہ یا ہفتہ وار مگر انی تعلیم یا صنعت
سکھلانیکے بہانہ سے اختلاط ہونے لگے تب تو نہ آبرو کی خیر ہے اور نہ ایمان کی مگر افسوس
صد افسوس ہے کہ بعضے لوگ ان آفات کو مایۂ افتخار سمجھکر خود اپنے گھروں میں بلاتے
ہیں میرے نزدیک تو ان آفات محسہ سے بچی تو بچی اور تابع ہو کر تو کیا ذکر کسی بڑی بوڑھی
مسلمان عورت کا متبوع ہو کر بھی عمر بھر میں ایک بار ہم کلام ہونا بھی خطرناک ہے جن مضرتوں
کے ذکر کا اوپر وعدہ تھا اُن میں سے بعض یہی ہیں اور بعض کا ذکر اوپر دوسرے طبقہ کے متائ
حیاں کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ اسلم طریق لڑکیوں کے لئے یہی ہے جو زمانہ دراز سے چلا آتا ہے
کہ دو دو چار چار لڑکیاں ایسے اپنے تعلقات کے مواقع میں آویں اور پڑھیں اور حتی الامکان

سیرۃ النبیؐ

(سلسلہ کے لئے دیکھو القاسم نمبر ۳ جلد ۴)

بالخصوص آنحضرت علیہ السلام کے متعلق کسی غیر تحقیق شدہ محتمل روایت کا بیان کرنا خصوصاً صحابہ سے جن کے کان کبھی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع سنتے ہوئے تھے۔ اور جن کو من کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار نے تدوین احادیث سے روک رکھا تھا، بالکل بعید ہے۔ روایت میں انکی یہ احتیاط ہمکو ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ اُن کی ایسی احادیث کو منقطع کہکر صرف اسوجہ سے ضعیف اور غیر قابل قبول ثابت کریں۔

ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ایسی روایات میں بھی اور روایتوں کی طرح نیچے کے رجال میں ضعف ہو اور اسکی وجہ سے روایت ضعیف، یا منکر، یا موضوع کی حد تک پہونچ جاوے، اس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ بلکہ واقعی امر یہی ہے کیونکہ ایسی ہی روایات جنکو علامہ نے منقطع ثابت کرکے ضعیف بنایا ہے، اُن کے نیچے کے رجال ضعیف یا غیر مشہور ہیں۔ اب علامہ خود فیصلہ کریں کہ باوجود ضعف روایت کے حقیقی وجہ ہوتے ہوئے صحابی کے انقطاع کو دلیل ضعف بنانا؛ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جنکو الصحابۃ کلھم عدول یا اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم کا پروانہ اور جامع خطاب دربار نبوی سے مل چکا ہے، کی نسبت ضعف عقیدت ہوتا، یا (نعوذ باللہ) اُن کو غیر معتمد سمجھنا نہیں تو اور کیا ہے۔

حافظ ذہبی اس امر کو بیان کرتے ہوئے کہ بہت ضعیف روایتوں کا ضعف نیچے کے رواۃ کی وجہ سے ہوتا ہے، لکھتے ہیں۔

فانی اسقطھم لجلالۃ الصحابۃ ولا اذکرھم فی ھذا المصنف فان الضعف انما جاء من جھۃ الرواۃ الیھم۔ دیباچہ میزان الاعتدال۔

چونکہ صحابہ کرام کی شان اشرف و اعلیٰ ہے اسلئے میں اُنکو اپنی ایسی کتاب میں ذکر نہیں کرتا اور چونکہ روایتوں میں ضعف اُن لوگوں کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جو اُنسے روایت کرتے ہیں یعنی نیچے کے درجہ کے راویوں سے اسلئے انہی کا ذکر کرتا ہوں۔

اور یہی فیصلہ ہے عقلاء کے اس اختلاف کا کہ لکھنا عورت کیلئے کیسا ہے۔ اب مضمون کو ختم کرتا ہوں اور غالباً اس مضمون کو بعنوان مسلسل اعادہ کی حاجت نہ ہوگی۔

کتبہ اشرف علی تھانوی

سلخ شوال ۱۳۳۱ ہجری

تقریظ

یہ کتابیں دفتر القاسم میں بغرض تقریظ موصول ہوئی ہیں۔ بر عایت وقت اختصار سے ان کتابوں کے متعلق صرف اسقدر لکھا جاتا ہے کہ مرزا قادیانی کے دلائل کا واضح طور پر ابطال کیا گیا ہے اسکے داؤ گھات کی حقیقت کو اچھی طرح کھولدیا ہے اسکے زعم میں جو دلائل قاطعہ ہیں انکو مکڑی کا جالا کر دکھایا ہے۔ بیشک مسلمانوں کو ایسی کتابوں کی ضرورت ہے کتب کے اسماء بشرح قیمت ذیل میں درج ہیں۔

مسیح کاذب ۲/ - حق طلب کی سچی فریاد ۱/ - حق نما ۱/ - تائید ربانی بجواب ہزیمت قادیانی ۳/

ملنے کا پتہ - حاجی لیاقت حسین صاحب مونگیر محلہ مخصوص پور

تصحیح غلطی } القاسم ماہ گذشتہ میں بجائے مولوی ابوالحسن صاحب حاجی لیاقت حسین صاحب پڑھا جائے۔

اس سے بھی کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ جس طرح عام روایت کے مدارج مختلف ہیں۔ کوئی نہایت دقیقہ رس اور ضابط ہوتا ہے صحابہ میں بھی یہ مدارج اور اختلاف مراتب تھا لیکن جبتک احادیث میں تعارض نہو، اس تفریق کا کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوسکتا۔ ایک روایت ایک معمولی طبقہ کے صحابی کی ہے اور فرض کرو کہ وہ نہایت دقیق مسئلہ بیان کررہا ہے، اور کسی دوسرے صحابی سے چاہے وہ بھی اسی درجہ کا ہو، کوئی روایت اسکے خلاف مروی نہیں، تو کس انصاف کا اقتضا ہے کہ صرف اس شبہ پر، کہ یہ بڑے دقیقہ رس، اور نکتہ سنج نہیں، اسلیئے ضرور ان سے اس باریک اور پیچیدہ مسئلہ کے سمجھنے میں غلطی ہوگئی ہوگی، اس روایت کو کمزور، غیر قابل اعتبار، یا ضعیف بنادیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی صغر سنی کی روایت صرف اسوجہ سے کمزور بتائی جاتی ہے، کہ وہ چھوٹی تھیں، اسلیئے دقیق مسئلہ کے ہر قابل ادا پہلو کو ادا نہ کرسکی ہونگے، یہ کس قاعدہ کا تقاضا ہے؟ ہاں اگر ان کی ساتھ کسی دوسرے صحابی کی روایت اسکے خلاف ثابت ہو، تو بیشک اس کا ثمرہ مرتب ہوگا۔ اور اصول محدثین کیموافق تطبیق یا ترجیح دیجائیگی۔

علاوہ ازیں ایسے فرضی احتمالات کا لکر اپنے ذہن میں اعتراض پیدا کرلینا اور پھر اسپر محدثین کی غفلت یا روایات میں "حاطب لیل" بتانا، انصاف اور تحقیق دونوں سے بعید ہے۔ کوئی ایسی روایت فرض کرلینا کہ بہت باریک مسئلہ بیان کیا گیا اور اسکا ایک مدعی ایسے روایت کی ہو جسنے صرف ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو، محض ایک فرضی اور وہمی امر ہے شاید ہی کہیں احادیث میں کوئی ان تمام صفات کی جامع حدیث موجود ہو۔ مگر واہ رے محدثین کی بیدار مغزی، کہ انھوں نے پھر بھی اس تفریق کو نظرانداز نہیں کیا۔

امام نووی شرح مسلم کے مقدمہ میں۔ روایہ بالمعنی کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

اذا اراد روایۃ الحدیث بالمعنی فان لم
یکن خبیرًا بالالفاظ ومقاصدھا عالمًا بما
یحیل معانیھا لم یجز لہ الروایۃ بالمعنی بلاخلاف
بین اہل العلم بل یتعین اللفظ وان کان
عالمًا بذلک فقالت طائفۃ من اصحاب الحدیث

جب حدیث کی روایت کیجائے تو دیکھنا چاہیئے کہ راوی
الفاظ ومقاصد سے ماہر ہے یا نہیں نیز الفاظ سے معنی کے
اختلال کی فہم ہے یا نہیں اگر نہیں تو ایسے شخص کی روایت
بالمعنی جائز نہیں اور اگر وہ ان کل امور سے واقف ہے تو بھی
بعض علماء حدیث وفقہ واصول کے نزدیک یہ مطلقا جائز نہیں

نہ جانے پر اصرار کیا، اور سب سے بڑھکر یہ کہلا بھیجا کہ ہم ہرگز نہ جائینگے آپ جو چاہیں کرلیں ہم آپ سے لڑائی کیلئے مستعد ہیں، یہ تمام واقعات سیرت کی ہر کتاب میں مذکور ہیں۔ اب علامہ فرمائیں کہ کیا یہ اسباب اُن کے کھجور کاٹنے کیلئے کافی نہیں۔ کیا اب بھی علامہ بیچارے محدثین کے سر یہی تھوپینگے کہ اُن کے نزدیک صرف یہودی ہونا کھجور کاٹنے کیلئے کافی تھا، اہل انصاف فرمائیں کہ علامہ کا یہ الزام محدثین پر کس حد تک واقعیت لئے ہوئے ہے۔

واقعات کے ساتھ (بالفرض) علل و اسباب مذکور نہ ہونیکی وجہ سے یہ سمجھ لینا کہ "حسب تعصب مذہبی اور غیر مذہب والوں سے نفرت عام ہوئی تو تمام مذہبی اور تاریخی تصنیفات میں اس کا اثر پڑا" بالکل بے انصافی ہے۔ سیرت میں جو علل و اسباب کی بحث ہے اس کا ذکر تو میں کر ہی چکا، اُسکے علاوہ اور فنون ایسے ہیں جو صرف احکام شرعیہ اور اُسکے اسباب و علل سے بحث کرنیکے لئے مدون کئے گئے ہیں اگر مذہبی تعصب کا اثر تصانیف پر پڑتا اور پھر وہ بھی اس طرح پر جیسا کہ علامہ نے بیان فرمایا ہے۔ تو آج علامہ کو یہ علم نہ ہوتا کہ حضرت فاروق اعظم نے کفار کے تبدیل لباس کا حکم کس لئے نافذ فرمایا تھا یا حضرت ابو عبیدہ نے جزیہ کس لئے واپس کیا تھا۔ جب فقہا و محدثین جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور دین متین کے حامل ہیں، اس اثر سے محفوظ نہ رہ سکے تو علامہ فرمائیں کہ شریعت غرا کے سچے حامل بننے کے کون لوگ مستحق ہیں۔ یہ اثر بیشک ہوا مگر اُن لوگوں پر جو شریعت غرا کی حقائق سے بے بہرہ تھے، اُن پر جو عوام کالانعام کے مصداق تھے نہ کہ علما و فقہا و محدثین پر۔

امام ابو یوسف نے ہارون الرشید کو اُن احکام کی طرف توجہ دلائی ہے جو فاروق اعظم نے ذمیوں کیلئے نافذ فرمائے تھے۔ مگر اُس میں یہ کہاں لکھا ہے کہ توہین کیلئے کیا جاوے۔ اور اگر بقول علامہ متقشف فقہا نے اسکی یہ وجہ نکالی بھی تو کیا قصور؟ خود قرآن مجید میں ارشاد ہے حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون۔ اگر اسلام نے ذمیوں کو اپنے برابر میں ذلیل سمجھا تو کیا اعتراض کیا علامہ اسلام کو یہ مشورہ دینا چاہتے ہیں کہ کفر کو اپنے ذہن میں معزز سمجھے۔ اسلام تو آیا ہی اسلئے ہے کہ کفر کو ہستی سے مٹا دے باطل اور مثلث خدا کی تثلیث توحید پرستی سے دُنیا کو نجات دلوائے دنیاوی معاملات اور سیاست میں دیکھئے کہ اسلام نے کسی ظلم کو روا رکھا ہے یا نہیں؟ جب نہیں تو اُس پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔

کی صرف دیا ہے؟ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر فن معازی کے اوراق عِلل واسباب کیلئے وقف کئے گئے اور اپنی تحقیقوں کو دخل دیا گیا، تو رفتہ رفتہ یہ فن خالص سیرت و سوانح کی حیثیت سے الگ ہو جائیگا اور پھر واقعات مصنفین کے آراء و اختلافات سے مخلوط ہو کر بدل جائینگے - یہ اُسی دور اندیشی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم واقعات کو اپنے سامنے اُسی صورت میں دیکھ رہے ہیں، جیسی وہ سب سے اوّل روایت کئے گئے تھے۔

اگر محدثین بھی عِلل و اسباب کا اعتکاف کر لیتے تو آج اسلامی تواریخ، یورپ کی تاریخ کی طرح، مورخین کی من بھاتی تحقیقوں کے مجموعہ کا نام ہوتا۔ اور وہ بات جو آج اسلامی تصانیف کو یورپ کی تواریخ سے بالکل ممتاز اور الگ الگ دکھا رہی ہے، ہم سے مفقود ہو جاتی۔

یورپ کی تاریخ نویسی کا یہ حال ہے کہ آج ہم کسی واقعہ کو مورخ کی رائے سے علیحدہ کر کے نہیں دیکھ سکتے، اسکی وجہ اور حقیقی علت پر علامہ نے توجہ کی ورنہ کبھی محدثین کو اپنی اس خام رائے کا مخاطب نہ بناتے۔ ظاہر ہے کہ یورپ میں یہ افراط اوّل ہی نہیں ہوا۔ رفتہ رفتہ ہوتے ہوتے آج انکی تاریخ نویسی کا معیار ہی افراط ہے۔ پھر علامہ کچھ دیر کیلئے اپنے مسودہ کو واپس لیکر دو فرماویں کہ کیا یہ ممکن تھا کہ محدثین بھی یہ طرز اختیار کرتے اور آج ہم کو اس کا وہی نتیجہ دیکھنا پڑتا۔

غزوہ بنی النضیر میں حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کٹوا ڈالی، یہودیوں نے اس پر اعتراض کیا محدثین نے دونوں واقعہ کو نقل کر دیا، غور کرو واقعات ایک دوسرے پر ہرگز موقوف نہیں ہوسکتے اگر وہ اس اعتراض کو نقل نہ کرتے تو انکی تاریخ نویسی پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ مگر اُن کی دیانت نے ہرگز یہ گوارا نہ کیا کہ کسی بات کو چھپا لیا جائے۔

اب کلام یہ ہے کہ اسکے سبب سے کیوں تعرض کیا گیا؟ اوّل تو جو سبب اس لڑائی کا بیان کیا گیا ہے وہ ایسا ہے کہ اسکیلئے کافی ہے۔ اُن لوگوں نے دھوکہ دیکر بلایا پھر پتھر گرا کر آنحضرت کو تکلیف پہونچانی چاہی اور اس ارادے کیلئے ایک شخص کو تیار کر کے اس کام کیلئے چھت پر بیٹھنے کی تجویز بھی ہو گئی۔ ہر ایک صاحب انصاف کے نزدیک یہ اسکا اتنا بڑا جرم تھا کہ انکی جہاں تک سزا کیجاتی کم تھی۔ اوّلاً غدر اور پھر وہ بھی گھر میں بلا بلا کر۔ علامہ فرمائیں کہ غدر کی سزا کیا ہونی چاہئے تھی۔ مگر پھر بھی اُس رحمۃ للعالمین کا رحم اور نرمی دیکھئے کہ اس پر کچھ سزا مقرر نہیں کی، صرف یہ حکم دیا کہ تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ۔ اس پر اُن لوگوں نے مخالفت کی۔

کہ وضعی صورت، وضع لباس میں مسلمانوں کے مشابہ نہو جائیں" مگر میرے علامہ ممدوح کہتے ہیں کہ
قاضی صاحب کے کسی لفظ سے ان احکام کے منشا کا پتہ نہیں لگتا۔

میں نہیں سمجھ سکتا کہ علامہ کی سیرت نویسی نے اتنی ناقابل معافی فروگذاشت ... اور
دیگر غلطی نقل کو کس بنا پر جائز رکھا۔ کاش علامہ اس تعصب اور ... سے ... کتاب
الخراج کی عبارت کو سرسری طور پر ایک ہی دفعہ دیکھ لیتے تو میرا خیال ہے کہ ... اور
... رکھنے والا قلم اس غیر واقعی اور بے بنیاد الزام کے لکھنے کی جرأت نہ کرتا۔

میں اسکے بعد علامہ کے امام ابو یوسف پر ایک ... اور الزام ... الزام ... کے نمبر ... ہو
کو ایک معمولی لیاقت کا آدمی بآسانی سمجھ سکتا ہے ذکر کرتا ہوں جو میں نہیں سمجھ سکا کہ کتاب الخراج
کی نہایت صاف اور کھلی ہوئی تحریر پر نظر نہ کرنے کی وجہ سے قائم کیا گیا۔ یا کیا ... اپنے
اپنے مباحثہ میں پڑا۔ یا کاش علامہ کی ایک ایسی تصنیف جو کہ دو تین ... کے ... میں
ہو چکی اس عصبیت اور جلد بازی کا نتیجہ نہ ہوتی۔ اور کاش علامہ کا قلم قاضی ابو یوسف کی نہایت
واضح عبارت پر غور کر لینے کے بعد اٹھتا!!

میں احقاق حق اور ابطال باطل کی وجہ سے اگر اسکے متعلق کچھ لکھوں تو مجبور ہوں اور اگر
میرا کوئی لفظ سلاطین مرحوم کے ایک بہت بڑے جلیل القدر معتقد کی حق گوئی کی حمایت میں علامہ
کے مطبوع خاطر نہ ہو۔ تو میں معذور سمجھا جاؤں۔ ما علی المحسنین من سبیل!

ناظرین یہ سنکر تعجب کرینگے کہ علامہ نے ایک مخترع اصول کو واقعیت، اور صداقت کا جامہ
پہنانے کیلئے، ایک مسلم امام پر بالکل از سرتاپا باطل اعتراض قائم کیا ہے جسکو میں، علامہ کی
قاضی ابو یوسف کیساتھ اس خوش اعتقادی کو دیکھکر، جو سیرۃ النعمان کے صفحہ ۲۸۴ و ۱۵۹ کے الفاظ
ادا کر رہے ہیں، بہتان کہنا پسند نہیں کرتا۔ مگر اتنا ضرور کہونگا کہ "کبرت کلمۃ تخرج من افواههم
ان یقولون الا کذبا"

ایک معمولی طبقہ کے مورخ بالخصوص سیرت نویس کی شان اس سے نہایت درجہ اعلیٰ اور
ارفع ہونی چاہیے کہ، قوم کے نزدیک اپنی مخترعہ اصول کو صحیح ثابت کرنے کیلئے اپنے زور قلم میں آکر
امت کے مسلم پیشواؤں پر ناجائز حملے کرے۔ اور ایک ایسے علامہ سے جس کو اس کی

تصریح ابو عبیدہ نے جزیہ واپس کیا۔ اسکی جو وجہ انھوں نے بیان فرمائی بیشک وہی وجہ ہے لیکن فرض کرو اگر امام ابو یوسف نے ایک اور واقعی سبب بیان کردیا تو اس سے پہلی علت کا رد کس طرح لازم آیا۔ ایک امر کے متعدد علل واسباب ہوتے ہیں کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ باقی صرف ابو عبیدہ کا بیان نہ کرنا اسکی نفی کی دلیل نہیں بن سکتا۔

تعجب ہے کہ علامہ نے کتاب الخراج جس کی عبارت دیکھکر قاضی ابو یوسف پر شبہ پیش آیا اور جسکو وہ ایک نہایت اہم الشان ماخذ سمجھ کر بیان کرنا چاہتے ہیں، دوسری مرتبہ مفصل نظر نہ ڈالی ورنہ کبھی [illegible] اس کا انکار کردیا اور علامہ نے بلا تحقیق امام ابو یوسف پر جو الزام ان کے [illegible] کے پہلے بار [illegible] یہی تعصب کا الزام لگا رہے ہیں

[illegible] کوئی انتہا نہیں رہتی جب دیکھتا ہوں کہ الاسلام علی الکفر تعصب کا اثر [illegible] بیان کرتے ہوئے یوں تحریر فرماتے ہیں "مثلاً حضرت عمر نے غیر مسلم رعایا کی نسبت بہت سے احکام صادر کئے تھے جن کا منشا یہ تھا کہ وہ صورت اور وضع ولباس میں مسلمانوں سے مشتبہ ہونے پائیں۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ان احکام کو نقل کیا ہے قاضی صاحب اگرچہ نہایت سختی کے ساتھ ان احکام کی تعمیل کی تاکید کرتے ہیں لیکن اُنکے کسی لفظ سے یہ پتہ نہیں لگتا کہ ان احکام کا منشا کیا ہے یا اس سے ذمیوں کی توہین مقصود تھی" اور خود امام ابو یوسف اسی کتاب الخراج میں لکھا فرمایا ہے

وان یتقدم فی ان لا یترک احد منھم یتشبہ بالمسلمین فی لباسہ ولا فی مرکبہ ولا فی ہیئتہ۔	ذمی لوگ اپنے لباس اور [illegible] میں مسلمانوں سے مشابہت نہ رکھنے پائیں۔

پھر آگے چلکر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں۔

فمر عمالک ان یاخذوا اھل الذمۃ بھذا الزی کان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ امر عمالہ ان یاخذوا اھل الذمۃ بھذا الزی وقال حتی یعرف زیھم من زی المسلمین کتاب الخراج صفحہ ۷۳	اپنے اہلکاروں کو حکم کردیجئے کہ یہ ہیئت ولباس وغیرہ اختیار کردیں کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اہلکاروں کو یہی حکم کیا تھا کہ اہل ذمہ ایسا لباس پہنا کریں کہ مسلمانوں سے بالکل ممتاز رہیں۔

امام ابو یوسف اپنی ان عبارتوں میں خود صاف فرمارہے ہیں کہ یہ احکام اسلئے جاری کئے جائیں

واقعہ کی اصلی تصویر ہے، لیکن قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں اس غلط رائے کی پامال کردی کہ حضرت ابو عبیدہ نے بالیقین فتوحات کیلئے ایسا کیا تھا۔"

حضرت امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں حضرت ابو عبیدہ کی صلح کے اُس وعدہ کو نقل کیا ہے جو اہل شام کے ساتھ واقع ہوا تھا، شرائط صلح وغیرہ نقل کرنیکے بعد جس میں مسلمانوں کی محلے میں صلیب نہ نکالنا عید میں جھنڈے نہ نکالنا، اور پھر صلح مکمل ہو جانیکے بعد اُن کا عید کے دن صلیب نکالنے کی اجازت طلب کرنا، حضرت ابو عبیدہ کا اجازت دینا۔ اور دوسرے دوسرے امور مذکور ہیں، لکھتے ہیں:

وتتابعت الاخبار علی ابی عبیدة فاشتد ذلک علیه وعلی المسلمین فکتب ابو عبیدة الی کل والٍ ممن خلفه فی المدن التی صالح اهلها یامرهم ان یردوا علیهم ما جبی منهم من الجزیة والخراج وکتب الیهم ان یقولوا لهم انما رددنا علیکم اموالکم لانه قد بلغنا ما جمع لنا من الجموع وانکم قد اشترطتم علینا ان نمنعکم وانا لا نقدر علی ذلک وقد رددنا علیکم ما اخذنا منکم ونحن لکم علی الشرط وما کتبنا بیننا وبینکم ان نصرنا الله علیهم

جب پے در پے یہ خبریں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پہونچیں اُن کو اور دیگر مسلمانوں کو یہ بات نہایت گراں گذری حضرت ابو عبیدہ نے اپنے حکام کے نام جو اُن شہروں میں حاکم تھے جہاں صلح کر لیگئی تھی فرمان لکھے کہ جو جزیہ اور خراج اُن سے وصول کیا گیا ہے اُن کو واپس کر دیا جاوے کہ چونکہ ہم پر اس وقت لشکروں کی چڑھائی ہے اور تمنے ہم سے شرط کر لی ہے کہ ہم تمہاری حفاظت کریں اس وقت ہم چونکہ حفاظت پر قادر نہیں ہیں لہذا وصول کیا ہوا جزیہ اور خراج واپس کرتے ہیں اگر ہمکو خدا نے فتح دی تو ہمارا اور تمہارا معاملہ پہلی شرط کے موافق قائم ہے

حضرت ابو عبیدہ کے فرمان سے ظاہر ہے کہ وہ جزیہ اور خراج کو واپس اسلئے کرا رہے ہیں کہ صلح کی شرائط میں اُن کی حفاظت کو بھی داخل کر لیا گیا تھا جیسا کہ انکم قد اشترطتم اس مضمون کو کھلے لفظوں میں ادا کر رہا ہے۔ اگر جزیہ صرف حفاظت کے بدلے کا نام ہوتا، تو حضرت ابو عبیدہ شرط صلح یاد دلا کر نہ واپس کرتے، علاوہ ازیں شرط صلح کو اگر ملحوظ نہ رکھو، تو پھر خراج کے واپس کرنیکی کوئی وجہ نہیں، وہ تو حفاظت کا بدلہ نہیں ہے۔ اور سب سے بڑھکر قابل غور یہ بات ہے کہ جزیہ اور خراج لینے کے بعد جتنے دنوں تک اُنکی حفاظت کیجا چکی اُس کا حصہ حضرت ابو عبیدہ نے کیوں نہ رکھ لیا سب کا سب کیوں واپس کر دیا گیا۔

بھولی بھالی قوم نے فرط عقیدت میں آکر آسمان علوم کا آفتاب سنار کھا ہو، بہت بعید ہے کہ اُسکی سیرت نویسی، مذہبی مقتداؤں کی اُس عقیدت کو، جو تمام دنیا کے مسلمانوں کے رگ و پے میں بجائے خون سرایت کئے ہوئے ہو، اپنی جدت کے بھینٹ چڑھائے، اور اپنی عام مقبولیت کیلیے سرمایہ بنائے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری کی شان عام تواریخ سے ایسی اعلیٰ و برتر و مہتم بالشان نہیں جسکو ہمارے یا آپ کے محدود المعانی الفاظ کسی صورت سے ادا کر سکیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب کسی نے سوال کیا کہ آنحضرت کے اخلاق آپ مجھے بتائیں تو صدیقہ نے جواب میں کان خلقہ القرآن کہتے ہوئے یہ اشارہ کر دیا کہ خلق نبوی کی روداد، ایسی ہیں، جسکو ہم تمہارے اس دو حرفی سوال کی طرح، دو لفظوں میں ابھی بیان کر دیں، بس یوں سمجھ لو آپ کا خلق بس قرآن تھا، غور کرو تو معلوم ہو گا کہ صدیقہ رض نے رسالتمآب کی سوانح عمری کے اصول کو انہی دو جامع لفظوں میں بیان کر دیا ہے، کہ سب سے پہلی شرط عارف بالقرآن ہونا اور کلام پاک کے حقائق سے واقفیت حاصل کرنا ہے، مگر افسوس یہ ہے کہ ہماری قوم کو ان شروط کی اہمیت معلوم نہوئی اور عام محدود تاریخ دانی کو، جناب رسالتمآب مجمع موجودات حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک اور مقدس سوانح عمری لکھنے کیلیے کافی سمجھ لیا گیا۔ طوالت کا خوف میرے قلم کو روک رہا ہے اسلیے میں ناظرین سے اس تطویل کی معافی چاہتے ہوئے علامہ کے اُس الزام کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جو ابھی بیان کرنا ہے اور اسلیے ضرورت ہے کہ میں علامہ کی مختصر عبارت کتاب الخراج کی مختصر عبارت کے ساتھ نقل کروں۔ اور پھر فیصلہ ناظرین کے منصف ضمیر پر چھوڑ دوں۔

علامہ اُسی عام تعصب کی جھلک کتاب الخراج میں دوسری جگہ ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں "جنگ یرموک میں جب حضرت ابو عبیدہ نے تمام مفتوحہ مقامات سے فوجیں واپس بلالیں تو افسران فوج کو حکم بھیجا کہ جسقدر جزیہ جہاں جہاں سے وصول کیا گیا ہے سب واپس کر دیا جائے اور رعایا سے کہدیا جائے کہ جزیہ حفاظت کی غرض سے لیا جاتا ہے۔ لیکن اب ہم تمہاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں اس لئے تمام رقم واپس کر دی جاتی ہے" پھر لکھتے ہیں "یہ اسلام کے عدل

معنی ہی تحریف کر دی ہو گئی یہ لکھ دیا گیا کہ جزیہ اس لئے لیا جاتا ہے کہ کوئی دشمن چڑھ آئے تو تمہاری حفاظت کریں" علامہ نے مہربانی فرما کر بتلائیں کہ یہ الفاظ کس لفظ کا ترجمہ یا مطلب ہے۔ اسکے بعد اب میں اس بات کا فیصلہ ناظرین کے انصاف پر چھوڑتا ہوں کہ امام ابو یوسف نے مذہبی تعصب میں آکر اپنی رائے کو روایت میں داخل کر دیا ہے یا علامہ کے کسی اور تعصب نے اُن کے قلم کو یہ اختیار دیا کہ ایسے غیر واقعی الزامات اور ایسے ناقابل ذکر اعتراضات لکھوا دئیے ہیں۔

حریت کی ایک نہایت مستقل بحث ہے جو اس مختصر اور نہایت مختصر تحریر میں نہیں آسکتی، ہم علامہ سے آخر میں صرف اسقدر عرض کرتے ہیں کہ اپنی اس تحریر اور سیرت النعمان کے صفحہ ۱۴۱ کے الفاظ کو دوبارہ دیکھکر ذرا دیر کے لئے شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ کو جسکے متعلق خود علامہ سیرۃ النعمان کے صفحہ ۲۰۳ میں یوں فرماتے ہیں "علمائے اسلام میں جو لوگ عقلی اصول کے جامع تھے مثلاً امام غزالی، عزالدین بن سلام، شاہ ولی اللہ وغیرہ" کے صفحہ ۱۲۶ و ۱۲۷ جلد ثانی مطبوعہ مصر پر ایک نظر ڈال کر خود اپنے انصاف سے فیصلہ پوچھ لیں۔

علامہ نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ سیرۃ النعمان صفحہ ۲۴۵ میں علامہ بڑے زور و کلی آکر لکھتے ہیں۔

"بلاشبہ یہ حضرت عمر کے احکام ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ احکام ذمیوں کی تحقیر کی وجہ سے صادر ہوتے تھے سخت غلطی ہے اگرچہ افسوس ہے کہ اس غلطی کا ارتکاب اکثر متاخرین نے کیا"۔ اسلئے ان احکام کو مذہبی پہلوؤں سے علیحدہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"بے شبہ حضرت عمر کا ایک طبعی مذاق تھا کہ وہ قومی امتیاز کو پسند کرتے تھے انہوں نے اہل فوج کو اپنے فرمانوں میں لکھا ہے کہ "جاڑوں میں دھوپ کھانا، عربی گھوڑوں پر رکابوں کے سہارے سے سوار نہ ہوں، موٹے کپڑے استعمال کریں" جس سے مقصد یہ تھا کہ اپنے ملک اور وطن کی خصوصیتوں کو محفوظ رکھیں اسی بنا پر انہوں نے اہل عجم کو جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا تاکید کی کہ وہ اپنی قومی خصوصیتوں کو ضائع نہ ہونے دیں اہل عجم زمانہ اسلام سے پہلے زنار باندھتے تھے لمبی ٹوپیاں اوڑھتے تھے انکی زین آجکل کی انگریزی زین کے مشابہ ہوتی تھی انکی عورتیں اونٹوں پر سوار نہیں ہوتی تھیں چنانچہ ان رسوم و عادات کی نسبت حضرت عمر نے حکم دیا کہ اہل ذمہ اس کی

کو دیکھیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں۔

ومنها ما يرجع إلى الملة وذلك أن تنويه الإسلام على سائر الأديان لا يتصور إلا بأن يكون في المسلمين خليفة ينكر على من خرج من الملة وارتكب ما نصت على تحريمه أو ترك ما نصت على افتراضه أشد الإنكار ويذل أهل سائر الأديان ويأخذ منهم الجزية عن يد وهم صاغرون وإلا كانوا متساوين في المرتبة لا يظهر فيهم رجحان إحدى الفريقين على الأخرى ولم يكن كابح يكبحهم عن عدوانهم

دوسری حکمت جزیہ کی وہ ہے جسکا تعلق ملت اور مذہب سے ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام کی عظمت دوسرے ادیان پر جب ہی متصور ہے کہ مسلمانوں میں کوئی خلیفہ ہو کہ مذہب سے نکلنے والوں اور کبائر محرمات کے ارتکاب کرنے والوں اور فرائض کے ترک کرنے والوں کی خوب خبر لے اور نہایت ذلیل کرے اور دوسرے دین والوں کو ذلیل کرے اور اُن سے جزیہ لے کہ اُن کی ذلت کا پورا اظہار ہو جائے ورنہ سب مرتبہ میں برابر ہو جائیں گے اور نہ ایک فریق کو دوسرے پر ترجیح ہو گی اور کوئی اُن کی عداوت اور سرکشی سے اُن کو روکنے والا نہ ہو گا۔

شاہ صاحب نے فرمایا کہ جزیہ کی غرض یہ ہے کہ اہل اسلام کو ذمیوں پر ایک اعزازی امتیاز حاصل رہے۔ اس لئے صاغرون فرمایا گیا۔ گو اس کے ضمن میں حفاظت بھی ضروری ہو جاتی مگر وہ مقصود نہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

الثالثة أن يكون أمن أهل الذمة ويؤدوا الجزية عن يد وهم صاغرون۔

تیسری مصلحت یہ ہے کہ وہ اہل ذمہ سے ہوں ذلیل ہو کر جزیہ ادا کریں

پھر آگے چلکر اس تیسرے امر کی غایت یوں لکھتے ہیں۔

والثالثة زوال شوكة الكفار وظهور شوكة المسلمين ولما بعث

تیسری حکمت کفار کی شوکت کا ازالہ اور مسلمانوں کی شوکت کا ظہور مقصود ہے اور جب کہ نبی صلی اللہ

پابندی کریں"

گویا علامہ کے نزدیک یہ تمام احکام حضرت حضرت فاروق اعظم کے طبعی مذاق کا نتیجہ تھے جس میں مذہب کو کوئی دخل نہ تھا اور بعد کے لوگ قوم اور وطن کی خصوصیت کو ملحوظ رکھنے کی بنا پر کئے گئے تھے۔

کہ تمام اہل عجم ربار بار پہنتے تھے یا سب کے سب لمبی ٹوپیاں پہنتے تھے یا تمام عجمی عورتیں اونٹوں پر سوار ہوتی تھیں۔ علامہ فرمائیں کہ اگر یہی قومیں مسلمان ہو جاتیں تو انہی قومی اور وطنی خصوصیت کا لحاظ فاروق اعظم کے طبعی مذاق کو باقی رہنے دیتا یا نہیں؟ علامہ کتاب الخراج کی اس روایت کو بھول گئے جس میں حضرت عمر رضی اللہ کی نسبت یہ لکھا ہے کہ انہ کتب الی عمالہ ان یختموا رقاب اہل الذمۃ۔ دوسری صحیح روایت ختم علی علوج السواد فختم خمسمائۃ الف علج اور تیسری صحیح روایت امرات یختم فی اعناقھم علامہ فرمائیں کہ یہ کس قوم کی خصوصیت فاروق اعظم بیان فرما رہے ہیں سخت تعجب ہے کہ صریح اور صحیح امور میں علامہ اپنی رائے لگا کر کچھ کا کچھ بنا دیتے ہیں کسی روایت میں کہیں عجمیت کی تخصیص نہیں کہیں قومی یا وطنی خصوصیت کا نہ اور نہ کوئی عقل اسکی مساعدت کرتی ہے مگر علامہ خواہ مخواہ اپنی رائے کو داخل کر رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ اپنی رائے کے مقابلہ میں روایات اور وا صریح قرآنی آیت کا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا ہے۔ اور مخالفین کے اعتراضات سے مرعوب ہو کر خود اپنا گھر بگاڑنے کیلئے مستعد ہو بیٹھتے ہیں۔

جو مسئلہ جس فن کا ہو اسکی تحقیق اس فن سے کرنی چاہیئے جو اسکے لئے موضوع ہے۔ جزیہ جو ایک شرعی حکم ہے، اسکی تحقیق علامہ فن سیرت سے کرنی چاہتے ہیں۔

جزیہ کی تحقیق اس فن میں کیجئے جس کا موضوع صرف احکام شرعیہ ہوں اس کیلئے اسکی ضرورت ہے کہ فقہ و احکام کی کتابیں دیکھیں اور وہ بھی نہ اس طرح کہ دو ایک متن ہو جزیہ کو دیکھکر حکم لگا دیا جائے بلکہ اسکی پوری تحقیق مفصل کتابوں سے کرنی چاہئے۔

اگر علامہ جزیہ کی حقیقت کی طرف توجہ فرماتے تو اس طرح ترجمہ میں صاف عبارت کی تحریف جائز نہ رکھتے۔ علامہ اپنی سیرت النعمان صفحہ ۱۶۳ کو دیکھکر حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۳۶

اسلام اور اتفاق

(سلسلہ کے لئے القاسم نمبر ۲ جلد ۱ ملاحظہ ہو)

میرے نزدیک اِن سوالوں اور اسی قسم کے اور سوالوں کا جواب یہی ہے جو میرے مضمون کا موضوع ہے یعنی جماعت ذریعہ ہے اتفاق کا اور اتفاق عقلاً و شرعاً نہایت مہتم بالشان ہے لہذا جماعت کا اہتمام اور تاکید اُس ہی قدر ضروری ہے جیسے کہ اتفاق کی پس جماعت کا ترک کرنیوالا اتفاق کی اور اُسکے ساتھ اخلاق کی (جو جماعت سے مقصود تھے) جڑوں کو کھود رہا ہے اور اندیشہ ہے کہ یہ اثر متعدی ہو کر دوسروں تک نہ پہنچے اور اسلامی قومی وحدت کو متزلزل کر دے۔ اگر ایک ڈاکٹر اور ایک مالی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ گلے ہوئے عضو اور سڑی ہوئی شاخوں کو کاٹکر پھینکدے تاکہ باقی حصہ جسم اور درخت کا محفوظ رہے تو حکیم امت بھی مستحق ہے کہ تارک جماعت کو گھر جلائے جانیکا مستحق ٹھہرائے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہمارا جواب دو مقدموں پر مبنی ہے ایک یہ کہ اتفاق شرعاً و عقلاً نہایت مہتم بالشان ہے اس ہی لئے اتفاق کے ذرائع پر شریعت نے بہت زور دیا ہے اور اُسکے خلاف امور پر سخت وعیدیں بیان فرمائی ہیں۔ دوسرا یہ کہ جماعت بھی اتفاق کا ذریعہ ہے۔ اتفاق کا عقلی طور پر مہتم بالشان ہونا تمہید مضمون میں بیان کر چکے ہیں یہاں صرف شرعاً اتفاق کی تاکید مختصراً تحریر کرتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے اتفاق کو بہت بڑی نعمت قرآن پاک میں قرار دی ہے ارشاد ہوتا ہے اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً دوسری جگہ ارشاد ہے واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً ولا تفرقوا آنحضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا تدخلوا الجنۃ حتی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتی تحابوا اہل علم جانتے ہیں کہ اتفاق کے متعلق بکثرت نصوص شرع میں موجود ہیں زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں البتہ اسکی تفصیل کی ضرورت ہے کہ جن امور سے اتفاق کی جڑ کٹتی تھی اُن کو شرع

النبی صلی اللہ علیہ وسلم لہداہ المصالح | علاج علمائی مصالح کے لئے مبعوث ہوتے ہیں ۔

اب علاوہ تھوڑی دیر کے لئے شاہ ولی اللہ صاحب ۔۔ کی تو آپ کے نزدیک جامع عقل و نقل ہیں اور بڑا پاس رکھتے ہیں، تحریر کو مقدمہ سے علیحدہ ہو کر ملاحظہ فرماویں ۔ میں انصاف انہیں کے ہاتھوں سپرد کرتا ہوں ؎ ۔

(باقی آئندہ) ۔۔ شائق احمد عثمانی ۔ بھاگلپوری

جونپور سے منشی عبد المجید صاحب دماغ نے

تاریخ وفات حضرت مولانا مولوی سید احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ امروہی القاسم میں طبع ہونیکے لئے بھیجا ہے ۔ جو بپاس خاطر مشتاقان موصوف درج ذیل کیا جاتا ہے اور بھی قطعات ہیں جو کبھی کبھی شائع ہوتے رہیں گے ۔

آج امروہے میں ہے کیوں اندھیر — اٹھ گیا کون رشکِ ماہ مبین
مجلسِ علم کیوں ہوئی سونی — کیا ہوا اس کا آج صدر نشین
چل بسا ہائے کون جانِ جہاں — کس کے غم میں زمانہ ہے غمگین
سید احمد حسن نبیرۂ فقیہ — یادگار اکابر پیشین
حسنِ باطن میں حسن ظاہر میں — نہیں دیکھا ہے کوئی ایسا حسین
پھر سنے ان کے خواب میں آ کر — سبقِ آخرت کی ۔ کی تلقین
کہہ گئے ہوشیار ہو جاؤ — وقت رحلت کا آگیا ہے قریں
ہیچ دنیا ہوئی نگاہوں میں — آپ رکھتے تھے چشم باطن بیں
[illegible] سے جنبیاں کیا — یہ خبر سن کے ہو گئیں وہ حزیں
جا کے پھر مدرسہ میں حضرت نے — درس آخر دیا بصد تسکین
کر چکے جب ادا نماز عشا — بہ خضوع و خشوع و صدق و یقین
کار فرشتے ہوئے بشوق تمام — پڑ کے بستر پہ آنکھیں بند جو کیں
کہا کہ پھر تو باب رحمت کا — روح اقدس تھی ۔ اور خلد بریں
رحمت حق نے آ کے گھیر لیا — جیسے خاتم کے بیچ میں ہو نگیں
[illegible] اگر ہے دماغ — لکھدے تو ۔ گل ہوا چراغ دیں

۵ ۱۳ ۳۰

تمام وہ وعیدیں جو تارک جماعت کے لئے ارشاد فرمائی گئیں۔

ہمارا جواب دو مقدموں پر موقوف تھا بحمد اللہ کہ ہم پہلے مقدمہ کو اسی سبب تضاشتی کے موافق ثابت کر چکے لیکن یہ ابھی عرض کرنا ہے کہ جماعت اتفاق کا ذریعہ ہے اب وقت آگیا ہے کہ اسکو بھی سبب ثابت کیا جائے۔

جماعت کی حالت پر ایک ظاہری نظر ڈالو تو یہ بات حل ہو جائیگا۔ کیونکہ جماعت نام ہے اسکا کہ ایک امام کے پیچھے تمام مقتدی نمازی ہیں اگر امام رکوع کرے تو مقتدی بھی رکوع کریں اگر وہ سجدہ میں جائے تو نمازی بھی سجدہ میں جائیں غرض یہ کہ نماز میں تمام حرکات و سکنات کا مقتدی امام ہے اور باقی تمام نمازی اُسکے تابع ہیں اگر بہت اہلِ علم کا ریا سروا بھی ہو اور وہ امامت کرے تو پیری فرمانبرداری کر تو سب بیعت ہوا۔ دیکھو کہ وقت تیری اطاعت کا ہے یہ امام کی تیری حیثیت اُن کیلی پوستین فقیر سے زیادہ اس دربار میں نہیں جو تیری برابر کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہے۔

یہ بات کوئی معمولی بات نہیں غور کرنیوالوں کو بہت بڑے نتیجہ پر پہونچا سکتی ہے جس قوم کی اطاعت و فرمانبرداری کی یہ حالت ہو کہ اپنے قیام و قعود حرکات و سکنات تک اور دست برع امام کے سپرد کر دے تو بھلا اُس قوم کے اتفاق کا کیا ٹھکانا ہے۔ پھر تماشہ یہ کہ خواہ ہزار ہوں یا دس ہزار لاکھ ہوں یا دس لاکھ۔ کروڑ ہوں یا دس کروڑ کسی کو امام کے خلاف کرنیکی مجال نہیں گویا اطاعت کی ایک رسی ہے جو سب کے گلے میں پڑی ہوئی ہے۔

اب غور کرو کہ باتفاق کا ایک بہت بڑا راز یہی تو ہے کہ اپنے سب کام ایک معتمد علیہ کے سپرد کر دئیے جائیں اگر وہ چاہے تو آسمان پر بٹھا دے اور چاہے تو غاروں میں دھکیل دے۔ یہ قیامت خیز نااتفاقی مسلمانوں میں کیوں ہے اس ہی لئے تو کہ انکا رہنما کوئی ایک شخص نہیں۔

چاہیے ہم جماعت کی اس حالت سے کوئی سبق حاصل کریں لیکن بہتر ہے کہ اُن لوگوں سے پوچھو جنہوں نے عیدگاہ یا کسی میدان میں مسلمانوں کو خدائے عزوجل کے سامنے سربسجود ہوتے دیکھا ہے اُسوقت اُن کے دل سے سوال کرو اور اُن کی صورت کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ وہ حیرت و استعجاب کا بت ہیں جن کو اسلامی اتفاق کے مہیب منظر نے بےحس و حرکت کر دیا ہے۔

دوسرا ذریعہ اتفاق کا برابری و مساوات ہے اور یہ بھی جماعت میں بخوبی موجود ہے عربستان کا

سے نہایت سختی سے روکا ہے حسد وکینہ کے متعلق ارشاد ہے کہ وہ دل جنت میں ہرگز نہ جائیگا جسمیں رائی کے دانہ کی برابر بھی کینہ ہوگا۔ غیبت جو اکثر نااتفاقی کا ذریعہ ہوجاتی ہے اُسکو قرآن شریف نے بھائی مسلمان کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے اور ارشاد فرمایا ہے

ولا یغتب بعضکم بعضا ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ

کامل وحی کے شارح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے الغیبۃ اشد من الزنا

(غیبت زنا سے زیادہ بری ہے)

بعض لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ گذریگا کہ زنا جیسی قبیح اور فحش گناہ سے غیبت کیوں زیادہ قبیح ہے اسکی دو وجہ میرے خیال میں آتی ہیں۔ اول یہ کہ زنا حقوق اللہ میں سے ہے اور غیبت حقوق عباد میں سے۔ زانی خدا کا گناہ کرتا ہے اور اسلئے توبہ کرنے سے معاف ہوسکتا ہے لیکن غیبت کرنیوالا خدا کی نافرمانی کے ساتھ اُس شخص پر بھی ظلم کرتا ہے کہ جسکی غیبت کی ہے لہذا صرف توبہ سے یہ گناہ معاف نہیں ہوسکتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ زنا کا اثر فاعل و مفعول تک رہتا ہے اور غیبت کا اثر متعدی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ غیبت کرنیوالے اور جسکی غیبت کی گئی ہے دونوں میں سخت جنگ ہوئی ہے تو پھر ان دونوں کے احباب عزیز و اقارب اور تمام تعلق رکھنے والے بھی اس بلا میں پھنس گئے ہیں۔ فریقین کا سلام و کلام تک ترک ہوگیا ہے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے ہیں جن پر احادیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں

اب اسکو میں کہانتک طول دوں صرف اتنا لکھکر اس مضمون کو ختم کردینا چاہتا ہوں کہ جن حضرات نے تعلیم اسلامی پر غور فرمایا ہوگا وہ یہ جانتے ہونگے کہ صلہ رحمی حسن اخلاق الفت و محبت حسن اخلاق وغیرہ تمام وہ امور جو اتفاق کے مبادی ہیں شارع نے ان پر بڑے بڑے ثوابوں کا وعدہ فرمایا ہے۔ حسد کینہ غیبت قطع رحمی۔ نفاق بدخلقی وغیرہ تمام وہ امور جو نااتفاقی کا ذریعہ ہیں اُن کو شارع نے نہایت سختی سے منع کیا اور سخت سخت وعیدیں فرمائی ہیں

پس جب اتفاق کے تمام ذرائع کی یہ حالت تھی تو جماعت جو اتفاق کا سب سے بڑا ذریعہ اور باہمی محبت کی روح رواں ہے اُس کیلئے بھی اہتمام و تشدد ضروری تھا جو شارع نے کیا۔ اور اب بالکل درست ہیں تمام وہ ثوابات جو جماعت کیلئے بیان ہوئے اور عقل و نقل کے موافق ہیں

ہو سکتا ہے۔ ایک دن میں نماز پانچ مرتبہ ادا کی جاتی ہے اگر تمام مسلمان نماز پڑھیں اور بالالتزام جماعت کی پابندی کرنے لگیں تو کم از کم ہر محلہ کے آدمی اپنی مسجد میں پانچ مرتبہ آپس میں مل سکتے ہیں۔ اگر کوئی مسجد میں نہ آئے تو اسکے گھر جائیں اور دریافت کریں کہ آج تمھارے مسجد میں نہ آنے کی کیا وجہ اگر کسی حادثہ یا مصیبت کی وجہ سے وہ نہیں آسکا تو انھیں اسکی مدد کریں اور ساتھ دیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ اتفاق نہ ہو اور آپس میں الفت کے جذبات نہ پیدا ہوں چنانچہ وہ پاک نفوس جو شریعت اسماں کے ستارے اور ہدایت کے چراغ ہیں انکا عمل یہ تھا کہ اگر کسی سے جماعت ترک ہو جاتی تو سات روز تک اسکی تعزیت کیا کرتے تھے (احیاء العلوم) اسکا جہاں یہ فائدہ تھا کہ تارک جماعت کو شرم آتی تھی اور آیندہ وہ ترک جماعت کا مرتکب نہیں ہوتا تھا ایک دوسرا فائدہ یہ بھی تھا کہ تعزیت کرنیوالوں کی طرف سے انکے دلمیں جگہ ہوتی تھی اور آپس میں شفقت و محبت بڑھتی تھی جو اتفاق کا سنگ بنیاد ہے۔

شریعت نے صرف اس پر ہی اکتفا نہیں کیا کہ ہر محلہ کے آدمی روزانہ پانچ وقت جمع ہوا کریں بلکہ ہفتہ میں ایک دن جمعہ کا بھی مقرر کیا جہاں تمام شہر کے مسلمان ایک جگہ نماز پڑھیں اور آپس میں ملیں۔ ایک دوسرے کی حالت کو دیکھیں۔ تبادلہ خیالات کریں۔ اگر اپنے بھائیوں کی حالت مسرت کا ہو تو خوش ہوں ورنہ خود بھی انکے غم میں شریک ہو جائیں۔ اگر شرعی یا قومی ضرورتیں ہوں تو امام خطبہ میں انکا ذکر کردے اور مسلمان اسپر عمل کریں۔ کیا عجب ہے کہ جامع مسجد میں نماز پڑھنے سے پانچسو رکعت کا ثواب اس ہی لئے ملتا ہو۔

اسلام نے صرف اس ہی پر کفایت نہیں کی بلکہ سال بھر میں دو نمازیں عیدین کی بھی مقرر کیں جنمیں علاوہ شہر کے اطراف و اکناف اور دیہات کے مسلمان بھی اپنے شہری بھائیوں سے مل سکتے ہیں۔ اور اس ہی پر بس نہیں بلکہ ہر سال ایک وہ دن بھی آتا ہے جس میں ہندی، رومی حجازی و عراقی مصری و شامی چینی و جاپانی غرض دنیا کے ہر گوشہ کے مسلمان ایک جگہ جمع ہوتے ہیں جو عربستان کے تاجدار کا دربار اور نبوت کا مظہر ہے۔ اسکی تفصیل انشاء اللہ ہم حج میں بیان کریں گے۔

اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا کہ اسلام کے رکن اعظم نماز میں کیسے بے نظیر اتفاق کی تعلیم

بدوی ہو یا امریکہ کا فلاسفر افریقہ کا وحشی ہو یا یورپ کا متمدن مسند نشین ہو یا خاک نشین حکومت وسلطنت کا تاجدار ہو یا فقر وفاقہ کا علم بردار جب خدائی دربار میں پہونچگئے تو سب ایک ہیں کوئی کسی کسی میں امتیاز نہیں کیا خوب کسی نے کہا ہے۔

آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز | قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز | نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے | تیری سرکار میں پہونچے تو سبھی ایک ہوگئے

قربان جائیے ختم نبوت کے تاجدار کے جنہوں نے اس مساوات کا یہانتک اہتمام فرمایا کہ جب ایک صحابی کا سینہ صف سے ذرا نکلا ہوا دیکھا تو ارشاد فرمایا عباد اللہ لتسوون صفوفکم اولیخالفن اللہ بین وجوھکم (رواہ مسلم) خدا کے بندو صفوں کو برابر کرلیا کرو ورنہ خدا اولٹا تم میں مخالفت پیدا کردیگا۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ تم صفوں کو برابر کرلیا کرو یہانتک کہ درمیان میں کشادگی باقی نہ رہجائے کیونکہ والذی نفسی بیدہ انی لاری الشیطان یدخل من خلل الصف کانہا الحذف (قسم ہے اُس ذات پاک کی جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ میں شیطان کو بکری کے بچہ کی طرح صفوں میں گھستا ہوا دیکھتا ہوں) اگر شیطان کے داخل ہونیکے معنی مجازی ہوں اور استعارہ نا اتفاقی سے ہو (جیسا کہ بعض شراح حدیث نے تصریح کی ہے) تو مطلب صاف ہے لیکن اگر معنی حقیقی بھی مراد لئے جائیں جسکی تائید لفظ کانہا الحذف سے بھی ہوتی ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ صفوں میں خالی جگہ نہ چھوڑو ورنہ شیطان بکری کے بچہ کی طرح صفوں میں داخل ہو کر تمھارے دل میں وسوسہ ڈالیگا یا آپس میں لڑائی کرادیگا۔ بہرحال ہمارا مطلب دونوں صورتوں میں ثابت ہے ایک اور حدیث میں بالکل صاف ہے کہ استووا ولا تختلفوا فتختلف قلوبکم (رواہ مسلم)

صرف قیاس سے ہی نہیں بلکہ ان احادیث پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کا یہ خاصہ ہے کہ آپس میں ہمدردی و مساواۃ اور اتفاق رہے۔

تیسرا اتفاق کا ذریعہ یہ ہے کہ اختلاط زیادہ ہو اور آپس میں ایک دوسرے کی معاونت کیجائے اگر کسی پر کوئی مصیبت پڑے تو اُسکے دور کرنیکی فکر کیجائے چنانچہ یہ مقصود بھی جماعت سے حاصل

ایک نیک اور مفید مشورہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ اما بعد مسلمان اپنی بقا کے مسئلہ پر غور کرینگے تو انہیں اپنے مذہب اسلام کی ضرورت کا احساس پورے طور پر ہوجائیگا۔ اسمیں بھی کسی عاقل کو چون وچرا کی گنجایش نہیں کہ بقاء مذہب تعلیم علوم مذہب پر موقوف ہے۔ آج تعلیم علوم دینیہ کے کفیل مدارس اسلامیہ ہیں اگرچہ بہت سے ہندوستان میں مذہب اسلام کی جو خدمت ہورہی ہے دار العلوم دیوبند بھی ایک بیحد شاندار درسگاہ ہے جو ایک مقدس جماعت کی قائم کی ہوئی ہے۔ اسکی تعلیمی خدمات محتاج بیان نہیں۔ اس چشمہ سے علوم اسلامیہ کی آبیاشی کچھ ہندوستان ہی میں نہیں ہوئی دوسرے ملکوں میں بھی اسکی نہریں اور جدولیں جاتی ہیں جن سے علوم کے تشنہ لب سیراب ہوتے ہیں۔

مدینہ طیبہ سے مبارک شہر اور مسجد نبوی (علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتسلیم) سے مبارک مسجد میں آپکی دار العلوم کے ایک ہونہار مقبول عالم ربانی کا درس جاری ہونا مسلمانان ہندوستان کیلئے سرمایہ ناز ہوسکتا ہے۔

اللہ اکبر جس بااخلاص جماعت کی عطایا سے ایسے طلبہ متمتع ہو رہے ہوں جو [illegible] سے مستفیض ہوں ہندوستان اور دیگر اقالیم میں تعلیم واشاعت اسلام کی گراں قدر خدمات میں مصروف ہوں اُن کی قبولیت میں کیا شک ہوسکتا ہے؟

مسلمانان ہندوستان کو اپنے ایسے دینی چشمہ کی بقا کا خیال چاہیئے۔ ہم خدام دار العلوم کا فرض ہے کہ مسلمانوں کو اسکی ضرورتوں کا احساس کرائیں پھر مسلمان جو داد دینی [illegible] کی کفالت فرمائینگے۔ امسال عساکر قسطنطنیہ کے شہداء ویتامیٰ کی امداد کی وجہ سے جو مالی نقصان ہندوستان کے مدارس اور انجمنوں کو ہوا ہے اسمیں سب سے بڑا حصہ دار العلوم دیوبند کا ہے اسوقت اسکی متعدد ضرورتوں میں سے صرف دو ضرورتوں کا ذکر عید الاضحیٰ کی تقریب پر مسلمانوں سے کرنا قرین مصلحت ہے۔ طلبہ کی خوراک پوشاک اور کتب درسیہ کی قلت۔۔

کئی سال سے دار العلوم میں مطبخ قائم کر دیا گیا ہے پکا ہوا کھانا طلبہ کو دیا جاتا ہے۔ طلبہ کے مصارف [illegible] سہل طریقہ یہ ہوا ہے کہ ایک طالب العلم کا کل خرچ خوراک پوشاک پانچ روپیہ ماہوار ہے اگر [illegible] اور ایک شخص یا چند اشخاص یا اہل محلہ یا اہل قریہ بلکہ ایک ایک دو دو وظائف کی کفالت فرمائیں تو یہ بڑا کام نہایت آسانی سے انجام پذیر ہو سکتا ہے کتب درسیہ کی باوجودیکہ کافی تعداد دار العلوم میں موجود ہے مگر [illegible] اسقدر بڑھی ہوئی ہے کہ ہر سال ضرورت پیش آتی ہے۔

ہزاروں مسلمان عید الاضحیٰ کو قربانیاں کرتے ہیں اور ان کی کھالیں صدقہ کر دیتے ہیں کیا یہ امر قرین مصلحت اور موجب ثواب کا باعث نہیں ہے کہ [illegible] دار العلوم دیوبند اس موقع پر دار العلوم کی مذکورہ بالا ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے قربانی کی کھالوں کو اس ضروری مصرف میں خرچ کریں۔ قربانی کا گوشت [illegible] کھائیں اور قربانی کی کھالوں کی قیمت [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم طلبہ دار العلوم کی دعوت ہو [illegible] صدقہ جاریہ [illegible] ملتا رہے۔ قربانی کی کھالوں کی قیمت خود [illegible] کر کے روانہ فرمائیں یا خدام دار العلوم کو اجازت دیں کہ بعد [illegible] دونوں ضرورتوں میں سے جسمیں خرچ کرانا ہو خرچ کر دیں اس درخواست کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ اپنی مقامی درسگاہوں اور مستحقین کی حق تلفی کریں بلکہ اُنکے ساتھ دار العلوم دیوبند کا بھی حصہ اسکے حصہ کے موافق ضرور مقرر کر دیں اور [illegible] تمام قیمت یہاں بھیجنا ضروری نہیں وہ تمام بھیجدیں۔ اُمید ہے کہ اہل اسلام اس موقع کو غنیمت سمجھکر خود بھی اس طرف توجہ فرمائینگے اور اپنے اپنے حلقہ اثر میں بھی کوشش بلیغ فرما کر اجر عظیم کے مستحق ہونگے یقین ہے کہ یہ درخواست قابل پذیرائی ہوگی اور بہت سی دار العلوم کی امداد ہوجائیگی۔

یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ قربانی کی کھالوں کی فروخت میں خریدار دھوکہ دیدیتے ہیں لہٰذا تحقیق کرکے مناسب قیمت پر فروخت کریں والسلام

الداعی الی الخیر [illegible]

مضمر ہے۔ اگر تمام دنیا کے اہل عقل جمع ہوں اور اتفاق کے اصول پر غور کریں تو قیامت تک ایسے قوانین نہ ایجاد کر سکیں گے۔ پھر ایسے عقل کے پرستار اور نیوٹن کے فلسفہ پا پڑھنے والے علما اور تم کیوں ہمارے سے غافل ہو۔ اتفاق پر دور دار تقریریں کیں اور اپنے پُر شکوہ الفاظ سے زمین و آسمان کو ہلا دیا لیکن نا اتفاقی کا بھوت سروں سے نہ اُترا آپس میں اتحاد و ترقی قائم کی۔ اُسکے قوانین وضع کئے عرق ریزی سے کمائے ہوئے مال کو پانی کی طرح بہایا مگر حسد و تعصب کا ازالہ نہ ہوا۔ سب کچھ کیا مگر وہ نہ کیا جسکو نبی اُمی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا۔ اب بھی ہوشیار ہو اور اُس دہلیز پر سر رکھو جس کو تم نے آج تک مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ اُس دربار میں آنے کے گروہ تمہارے لئے نہیں بلکہ تم اُسکے لئے باعث ننگ و عار تھے۔ پھر دیکھو کہ خدائی ہاتھ کس تذلل سے تمہیں اپنی طرف کھینچتے ہیں اور اُسکی آغوش رحمت اپنے اندر چھپا لیتی ہے۔

(باقی آئندہ)

مظہر الدین شیرکوٹی عفی عنہ

القول الصحیح فی مکائد المسیح

یہ رسالہ بھی اس فرقہ کے رد میں جناب مولانا مولوی محمد سہول صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند نے شائع کیا ہے جسمیں نہایت اختصار کے ساتھ مرزا غلام احمد کے وہ اقوال جمع کئے ہیں جنکو پڑھکر کسی مسلمان کو بشرطیکہ منصف ہو اُسکی تکفیر سے انکار نہیں ہو سکتا۔ انکے ساتھ مذہبی برتاؤ کرنے کے طریقے بھی بتائے گئے ہیں۔ اور ہندوستان کے اکثر علماء کے اسپر دستخط ہیں۔ یہ مجموعہ ماقل و دل کا مصداق ہے مناسب تھا کہ اس قسم کے رسالے مفت تقسیم کئے جاتے مگر چونکہ بغرض اشاعت عامہ ہزاروں کی تعداد میں طبع کرانے کی وجہ سے اسپر رقم کثیر صرف ہوئی ہے اسلئے اسکی قیمت تین پیسہ رکھی گئی ہے تاکہ اصل لاگت نکل آوے۔ بیس نسخہ یکمرتبہ خریدار کو بحساب دو پیسہ کو دیا جاتا ہے۔ ذیل کے پتہ سے طلب فرمائیں :- (مولوی محمد اعزاز علی صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند)

رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۳
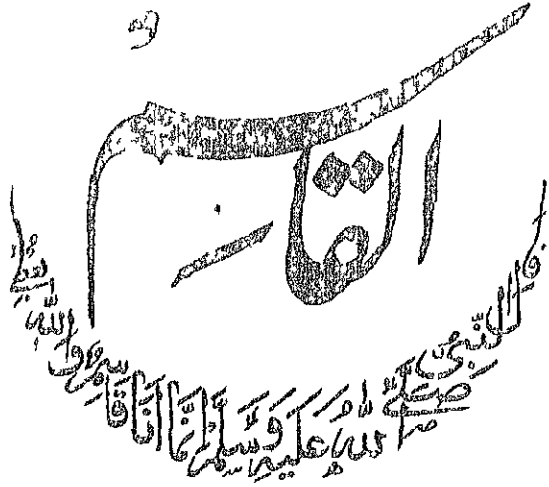
علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی - ماہوار رسالہ

نمبر ۳ | بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ | جلد ۲

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ دیوبند سے شایع کیا

اور

مطبع قاسمی واقع احاطہ مدرسہ اسلامی عربی دیوبند میں اہتمام سے چھپایا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ رمضان ۱۳۲۹ھ

(مطابق ماہ ستمبر ۱۹۱۱ء)

جو مولانا محمود حسن صاحب و مولانا اشرف علی صاحب اور دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

شائع ہوتا ہے

اس مرتبہ تمام حضرات ناظرین کے نام کے رسالے مرتب ہونے کی ایک تاریخ میں
ڈاکخانہ کے سپرد کئے گئے ہیں ایک شہر ایک محلہ کے حضرات کو
جو تقدیم و تاخیر کی وجہ سے شکایت ہوتی تھی
امید ہے کہ اب نہ ہو گی
والسلام

امام بخاری ابھی نوعمر ہی تھے۔ ڈاڑھی کا بال تک چہرہ پر نمودار نہوا تھا مگر بڑے بڑے محدث انکی شاگردی کو فخر سمجھتے تھے۔ ابو بکر اعین کہتے ہیں ہمنے بخاری سے اُس زمانہ میں روایت کی جبکہ اُنکے چہرہ پر ایک بال بھی نہ تھا۔ [illegible]

سلیم بن مجاہد کہتے ہیں میں محمد بن سلام بیکندی کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا اگر ذرا پہلے آتے تو میں ایسا لڑکا دکھاتا جسکو ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں۔ [illegible]

کسی شخص نے امام بخاری کے سامنے اسحق بن راہویہ کا یہ مقولہ بیان کیا کہ مجھے ستر ہزار حدیثیں ایسی یاد ہیں گویا کہ انہیں دیکھ رہا ہوں امام بخاری نے فرمایا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو تم میں بعض ایسے لوگ موجود ہیں جنکو دو لاکھ حدیثیں ایسی ہی طرح محفوظ ہیں

محمد بن حمدویہ کہتے ہیں کہ امام بخاری کہتے تھے کہ مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد ہیں اور دو لاکھ غیر صحیح۔ لیکن اُنہوں نے اسقدر تشدد و احتیاط اور دربارہ روایت اسقدر تشدد سے کام لیا کہ صحیح بخاری میں منجملہ ایک لاکھ حدیث کے صرف سات ہزار سے کچھ زیادہ درج فرمائی ہیں

امام بخاری کی نوعمری ہی میں اسقدر شہرت و مقبولیت ہوئی تو ائمہ حدیث میں اس کا چرچا ہوگیا۔ اسی زمانہ میں اُنکو بغداد جانے کا اتفاق ہوا۔ بغداد ائمہ حدیث کا مرکز تھا۔ وہاں بڑے بڑے محدث جمع ہوکر امام بخاری کے پاس بغرض امتحان آئے اور سو حدیثیں منتخب کرکے ہر ایک حدیث کے متن کے ساتھ دوسری سند لگادی اور اُن میں سے دس دس حدیثیں لیکر ہر ایک نے باری باری امام بخاری سے پوچھنا شروع کیا۔ ایک ایک محدث حدیث کی روایت کرتے جاتے تھے اور امام بخاری سنکر فرما دیتے تھے میں اس حدیث کو نہیں جانتا یہانتک کہ کل سو کی سو حدیثوں کا انکار کردیا۔ جو لوگ فن حدیث سے ناواقف تھے اُنہوں نے تو اس انکار کو امام بخاری کی قلت روایت اور عجز پر محمول کیا۔ لیکن واقف کار سمجھ گئے کہ یہ شخص معمولی نہیں ہے امام بخاری نے اس طرح کل احادیث سے انکار کرنیکے بعد ہر ایک حدیث کو اُسی ترتیب سے بیان کرنا شروع کیا جس طرح اُن محدثین نے بیان کیا تھا اور اُن میں سے ہر ایک کو کہا کہ تمنے جو پہلی حدیث بیان کی تھی وہ اس طرح ہے اور دوسری اس طرح۔ یہانتک کہ ہر ایک حدیث کے ساتھ اُسکی اصلی سند کو بیان فرمایا۔ یہ حال دیکھکر سب محدثین نے آپکے فضل و کمال کو

بلکہ برعکس ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ زبان مبارک سے احکام الٰہی سنکر اقطار عالم میں پھیل گئے۔ اسوجہ سے علماء اسلام کو احادیث کی صحت وسقم ضعف وقوت معتبر وغیر معتبر ہوسنے کیلئے روایت ودرایت تنقید وتحقیق کے وہ اصول قائم کرنے پڑے جنکے تسلیم سے عقل سلیم کبھی انحراف نہیں کرسکتی۔ یہ وہ قواعد ہیں جنسے بہتر نہ دوسرے قواعد مرتب ہوسکتے ہیں اور نہ ان پر پابند ہونیکے بعد صحیح وغیر صحیح ضعیف وقوی میں کبھی اشتباہ رہ سکتا ہے۔

یہ فن چونکہ شریعت اسلامی کا ضروری اور لازمی جزو تھا جسپر انکے مذہبی اقتدار کا مدار تھا اسلئے حاملان شریعت (علماء ربانیین) کی ایک بڑی اور مقتدر جماعت نے حدیث کی تدوین کا کام سنبھالا۔ راحت وآرام کو ترک کیا۔ گھر سے بےگھر ہوگئے۔ ایک ایک لفظ کیلئے جنگل جنگل شہر شہر پھر کر ان قیمتی جواہر کو جمع کیا اور اس طرح متفرق احادیث کو تدوین کی صورت میں لاکر مجتہدین وفقہاء کے ہاتھ میں ایسا مکمل مجموعہ دیدیا جس سے استخراج احکام اور تدوین فقہ وکلام میں انکو نہایت سہولت ہوگئی۔ فقہ وحدیث چونکہ دونوں علیحدہ اور مستقل علم تھے اسلئے علماء اسلام میں دو برگزیدہ اور مقتدر جماعتیں محدثین وفقہاء کی قابل اقتداء شمار ہوئیں۔

محدثین کے حالات انکی قوت حافظہ اور وسعت روایت احتیاط وحزم اور روایات احادیث کے بارہ میں غایت باریک بینی پر نظر کیجاتی ہے تو ہماری حیرت اور استعجاب کی انتہاء نہیں رہتی محدثین کے حالات اور علم حدیث کی خیر وبرکت کا اندازہ کرنے کیلئے بطور نمونہ امام بخاری کے بعض حالات بیان کردینے کافی معلوم ہوتے ہیں:۔

امام بخاری نے وہ زمانہ پایا کہ علم حدیث کا چاند منتہائے عروج کو پہنچا ہوا تھا۔ ہزارہا امام فن ایک سے ایک اعلیٰ موجود تھے۔ ایسے وقت کسی کا چراغ جلنا۔ یا مقبولیت وشہرت کا حاصل ہونا دشوار اور سخت دشوار امر تھا۔ کیونکہ محض دعوے سے کوئی شخص محدث وحافظ نہ بن سکتا تھا امام بخاری کو قدرت نے اس علم کی امارت وریاست کیلئے انتخاب کیا تھا۔ "امیر المؤمنین فی الحدیث" کا خطاب درگاہ باری سے ازل میں آپکے لئے تجویز ہوچکا تھا جسکو دنیا کی تمام عقول سلیمہ اور قلوب مطمئنہ نے قبول کرلیا۔ اور کتاب صحیح بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ (کتاب اللہ کے بعد تمام کتابوں میں صحیح تر کتاب) کا معزز اور پر مغز خطاب دیا گیا۔

اول تو اس وجہ سے کہ شریعت کے بہت سے احکام حدیث سے مستنبط و ماخوذ ہیں۔
دوسرے اس وجہ سے کہ علم حدیث میں جناب رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کو بعینہ ضبط کرنیکی کوشش کی گئی ہے۔ اور اسکی حفاظت کا سامان۔ صحیح کو غیر صحیح سے ممتاز کرنیکا اہتمام کیا گیا ہے۔ ایسی حالت میں وہ کونسا مسلمان ہے جو دارالحدیث کی تعمیر کا نام سنے اور اسکے قلب میں غیر معمولی حرکت اور جوش پیدا نہو۔

یہی وجہ ہے کہ القاسم نمبر ۱۲ متعلق ماہ رجب ۱۳۲۹ھ میں بعنوان "نوید شوق" دارالحدیث کے بنیادی جلسہ کی کیفیت پڑھکر مسلمانوں کو اسکے جلد مکمل کرنیکی فکر ہوگئی۔ جہاں تک ہمکو اطلاع ہوتی جاتی ہے دارالحدیث کی امداد کا خیال وسیع ہوتا جاتا ہے جسکو دیکھتے ہوئے خدائے تعالی کے فضل سے قوی امید ہوتی ہے کہ دارالحدیث کی تکمیل کیلئے جسقدر روپیہ مطلوب ہے انشاء اللہ تعالی بہت جلد وصول ہو جائیگا۔

مسلمانوں کی رغبت اور شوق کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ بعض حضرات کو یہ اندیشہ ہوا کہ شاید اس بے نظیر کار خیر کا کوئی ایک ہی شخص متکفل ہو جائے اور عام چندہ دہندے اس کی شرکت سے محروم رہیں اسلئے انہوں نے اسقدر عجلت کی کہ جس روز "القاسم" پہنچا اسی روز دارالحدیث کا چندہ بھیجدیا اور لکھدیا کہ اس خیال کی وجہ سے بعجلت تمام روپیہ بھیجا جاتا ہے

اس سے بھی بڑھکر مسلمانوں کے دلی شوق و رغبت کا پتہ دینے والی (اور اس بات سے آگاہ کرنے والی کہ مسلمانوں کو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک کسقدر محبوب ہے اور انمیں کا ہر فرد آپ کے معظم و محترم نام پر جان و مال فدا کرنیکو تیار ہے) یہ خبر ہے جس کو سنکر یقین ہے کہ ہر دل میں ایک نئی قسم کی حرکت پیدا ہو جائیگی کہ دارالحدیث کی تعمیر اور بنیاد کی خبر دیکھکر بعض اہل خیر حضرات کو یہ خیال ہوا کہ دارالحدیث میں جناب رسول کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کے نام مبارک کی طرف سے چندہ دیں۔ انہوں نے اس قسم کا چندہ دینے کیساتھ ہی یہ بھی آرزو ظاہر فرمائی کہ اس مد میں سب سے پہلے انکا نام لکھا جاوے کیونکہ اس بارہ میں سبقت کرنے والے وہی ہیں۔

جب سے کہ ہندوستان میں چندہ کے مدارس کی کثرت ہوئی اسوقت سے کبھی خاص دارالحدیث
کسی جگہ قائم نہیں ہوا۔

مدرسہ اسلامیہ دیوبند کو اپنی قدامت اور عظمت کے اعتبار سے جو کچھ مقبولیت و شہرت
حاصل ہے ظاہر ہے۔ یہ مدرسہ اہل سنت حنفی المذہب جماعت کا خالص دینی مدرسہ ہے
اور اس میں تمام فنون کی اعلیٰ اور مکمل تعلیم ہوتی ہے لیکن اسکے ساتھ ہی اس مدرسہ میں
علم حدیث کا خاص اہتمام ہے جس کی وجہ سے اسکو اکثر مدارس پر شرف و فوقیت حاصل ہے۔
اقطار ہندوستان کے طلبہ علم حدیث کی سند کیلئے یہاں آتے ہیں اور دوسرے مدارس کے
بعض فارغ التحصیل طلبہ صرف فن حدیث کی تکمیل کیلئے دیوبند آتے ہیں۔ شیخ الحدیث جو
صدر مدرس کے لقب سے ملقب ہوتے ہیں خوش قسمتی سے ہمیشہ وہی بزرگ رہے ہیں جو اپنے زمانہ
میں امام فن اور یگانہ مانے گئے ہیں۔

مگر باایں ہمہ مدرسہ میں دارالحدیث مستقل نہ تھا۔ اب یہ ارادہ کرلیا گیا کہ فن حدیث کی
تکمیل کے واسطے دارالحدیث مستقل بنایا جاوے اور اسمیں علم حدیث کے تمام شعبوں
کی پوری تکمیل کرائی جاوے۔ اور جس طرح دنیا میں سب سے پہلے ایک حنفی المذہب بادشاہ نے
دارالحدیث کی بنیاد ڈالکر قابل تقلید مثال قائم کی۔ اسی طرح اس آخری زمانہ میں حنفی المذہب
جماعت کی طرف سے (جسکے سردار حلقہ اور مقتدا حضرات خاص طور سے ہمیشہ اس خدمت
میں مشغول رہتے ہیں) فن حدیث کی تکمیل کیلئے مدرسہ اسلامیہ دیوبند میں دارالحدیث کی
مستقل بناء قائم کیجائے۔

اور اس خیال کی تکمیل کیلئے یہ ارادہ کرلیا گیا ہے کہ بالاخانہ مدرسہ کی جگہ درسگاہیں یعنی درسگاہ
کلاں جسکا تخمینہ پندرہ ہزار کا کیا گیا ہے معہ ہر دو درسگاہ شمال و جنوب دارالحدیث کے نام سے موسوم کیجاوے

علم حدیث کی عظمت اور شرافت اور مسلمانوں کے دلوں میں اسکی محبت کے بیان کے واسطے
عبارت آرائی کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر مسلمان کے دل میں حدیث کی محبت اور وقعت مرکوز ہے

تصدیق آنکھوں سے اور کانوں سے نہیں ہو سکتی بحمد اللہ اور کوئی اثر معلوم نہیں ہوتا
اہل علم و فہم کو معلوم ہے کہ قول مرکب اور علم بسیط اور امانت و فساد میں باہم امتیاز کرنا
دشوار ہے جو ہر ایک کا کام نہیں مگر حسب معروضہ بالا ہم سب کو قرآن و حدیث اور شرعی
احکام خدا اور رسول کو آپس میں اسقدر سہولت ہے کہ کوئی دقت ہی نظر نہیں آتی ہمارے اعمال
کیسے ہی خراب ہوں مگر قرآن و حدیث کے ہوتے ہمکو دربارۂ علم و امانت کسی مغالطہ میں مبتلا
ہو سکنے کی بحمد اللہ کوئی وجہ نہیں۔

مثلاً ہم جب کبھی دیکھینگے کہ کوئی مدعی عقل و علم قرآن و حدیث کا کسی امر میں دیدہ و دانستہ
خلاف کر رہا ہے یا کوئی ناواقف اپنی خود رائی اور عقل کے رو سے احکام شرعیہ میں دخل دیتا
ہے تو ارشاد رسول علیہ السلام ان من الساعۃ جہلا
اور اتخذ الناس رؤسا جہالا فسئلوا
فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا
دیکھکر ہم بلا تامل اسکو جاہل اور ضال و مضل

(ترجمہ) بعض علم سراسر جہل ہوتا ہے
(ترجمہ) لوگ جاہلوں کو سردار بنا لینگے پھر ان سے مسئلے
پوچھے جاوینگے تو وہ بلا علم کے فتوے دیکر خود بھی گمراہ
ہونگے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرینگے۔

سمجھینگے اور کبھی پیرو اور معتقد نہ ہونگے اور انکے فتوے کو واجب الرد اعتقاد کرینگے۔
اور جب کوئی ہمکو قرآن و حدیث کے متعلق ایسے مضامین سمجھائیگا کہ نہ ہم نے کبھی سنے نہ
ہمارے اکابر نے تو حسب ارشاد رسول کریم۔
یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون
یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم
ولا اباؤکم فایاکم وایاھم لا یضلونکم
ولا یفتنونکم۔

(ترجمہ) آخر زمانہ میں بہت سے جھوٹے دجال نکلینگے
جو تمکو ایسی باتیں سنائینگے کہ جو کبھی تم نے سنی ہونگی نہ
تمہارے باپ دادا نے ایسے لوگوں سے بچتے رہنا
کہیں تمکو گمراہ نہ کردیں اور فتنہ میں نہ مبتلا کردیں

ہم بیشک اسکے اقوال سے اجتناب اور نفرت کرینگے اور اسکو گمراہ کرنیوالا اور حدیث مذکور والا
بالیقین خیال کرینگے اور اسکو صاحب علم و صاحب امانت تو وہی کہہ سکتا ہے جو خود پورا جاہل اور پورا مفتون ہو
اور اگر ہم کسی شخص کو دیکھیں کہ وہ اپنے عقلی خیالات سے ہمکو متابعت حدیث
سے روکتا ہے اور احادیث کو غیر معتبر بتا کر ہمکو صرف کتاب اللہ کی متابعت کی رائے دیتا ہے

عقلی اور بیوقوف اور نکما خیال کرتے ہیں جو سعی و جانفشانی تحصیل دنیا کا باعث نہ ہو اس کو
بیہودہ اور بے محنت و مشقت وسیلۂ حصول اغراض دنیوی نہ ہو اسکو بے سود و لغو قرار دیتے ہیں)-
جو لوگ اتّباع انبیاء اور ہادیان دین میں سرگرم ہیں انکو بے عقل اور احمق کہتے ہیں اور
اقوال و افعال و معاملات و عادات میں مذہب کی رعایت اور پابندی کو حماقت اور
سفاہت بتلاتے ہیں طاعت و عبادت میں جانکاہی اور مشقت کو نادانی اور صرف وقت
اور زہد و توکل کو دلیل کمزوری اور ناتوانی سمجھتے ہیں احکامات شرعیہ کو رسوم بے اصل
سے زیادہ نہیں مانتے اور طرح طرح سے طعن و تشنیع اُنپر کرتے رہتے ہیں مضامین شاعرانہ
اور دلائل فلسفیانہ و ملحدانہ احکام ربانی کے مقابلہ اور معارضہ میں پیش کرکے ہر طرح شدید
اُن احکام حقہ کی توہین اور اُس پر طعن اور تشنیع کرکے عوام کی نظروں میں اُنکی وقعت و اعتبار
گھٹانے کی سعی کرتے رہتے ہیں اُنکی تحریر و تقریر میں جو زبانی اور تشنیع قلمی کے ساتھ احکام
شرعیہ اور پابندان شرع پر طرح طرح سے طنز و تمسخر اور تشنیع آمیز استہزاء و تلبیس ہیں کوئی
دقیقہ فروگذاشت نہیں ہوتا اور اپنے مخترعات و ایجادات کو احکام حقہ شرعیہ پر ترجیح دیتے
ہیں اخلاق انسانی و بے باکی و چالاکی سے جو احکام لیتے ہیں دنیا کے سود اور احتمالی منافع
کی اسقدر رعایت و اہتمام کرتے ہیں کہ اُنکی وجہ سے احکام صریحہ قطعیہ شرعیہ کے انکار و
تحریف و تاویل کی کچھ بھی پرواہ نہیں کیجاتی اور کھلم کھلا کر تمسخر دیا جاتا ہے کے ساتھ احکام حقہ
کی تکذیب و تردید کیجاتی ہے-

سوا اسکے تو کیا عرض کروں کہ ایسے لوگوں کے حق میں شریعت نے کیا حکم دیتی ہے اور
ہمارے مقدس اکابر نے کیا فرمایا ہے جو طالب حق ہو تحقیق کر لے ہاں تو اس موقع پر صرف
اسقدر عرض کرنا مقصود ہے کہ ہمارے مرشد اوّل اور اُنکے سچے جانشینوں نے یہ تمام فتنے
اور اُنکے تفصیلی حالات و احکام مشرح بیان فرما کر ہمکو ایسا ہشیار فرما دیا تھا کہ آج ہمکو
اپنے پاکیزہ دستور کی وسعت خیالی اور اختراع عقلی اور رطب اللسانی اور خوش بیانی
اور کمال علمی اور دور اندیشی اور دلائل فلسفی اور شواہد ہیئت و طبعی اور طمع منافع دنیوی وغیرہ
دیکھکر یا سُنکر سوا اسکے کہ اپنے مقدس ہادی کے ارشادات صادقہ کی تصدیق اور زیادہ

اور يقبض العلم ويظهر الفتن

اور ان من اشراط الساعة ان يرفع العلم ويكثر الجهل۔

اور اذا ضيعت الامانة فانتظر الساعة۔

اور تعرض الفتن على القلوب كالحصير عودا عودا الخ

(ترجمہ) علم قبض کر لیا جائیگا اور طرح طرح کے فتنے ظاہر ہونگے

(ترجمہ) قیامت کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ علم اٹھا لیا جائے اور جہل کی کثرت ہو۔

جب لوگ امانت کھو دیں تو قیامت کے منتظر ہو بیٹھو۔

جیسے چٹائی میں ایک ایک تنکا لگا ہوتا ہے اسی طرح ایک بعد دیگرے فتنے دلوں پر پیش ہونگے۔

وغیرہ ارشادات کا پورا مصداق ہوئی کہ حضرت سرور کائنات علیہ الصلوات والتسلیمات نے فرمایا ہے لا یعرف معروفا ولا ینکر منکرا الا ما اشرب من ھواہ یعنی بعض قلوب میں فتنہ اسقدر راسخ ہو جائیگا اور مضمون امانت سے اتنی دور جا پڑینگے کہ شریعت و علم و عقل سے قطعی آزاد ہو کر اپنی خواہشات بیہودہ کے ساتھ جس چیز کو موافق دیکھینگے اسکو معروف اور اچھا سمجھیں گے اور جو چیز انکی خواہشات کے خلاف ہوگی اسکو منکر اور برا کہینگے پس دلائل و اقوال اکابر سب کو پس پشت ڈالکر صرف اپنی ہوا و ہوس کے مقلد اور تابع ہونگے اور اسی کو مفید اور حق سمجھینگے سو صبر ہے یا کہ اگر چند لمحہ کے لئے ہم گریبان کی طرف جھکا کر غور کرینگے تو موجودہ زمانہ میں اس انقلاب المراتب کے نظایر ملنے میں بھی غالبا ہمکو دشواری نہوگی والعیاذ باللہ الرحیم۔

ہمارے متقدمین اکابر اسی بدترین حالت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ بعض افراد انسانی اپنی اصل طبیعت سے ملحد مزاج اور ایسی زندیق فطرت ہوتے ہیں کہ ظاہر میں گو کلمۂ اسلام زبان سے کہتے ہیں لیکن خدا و رسول - دین و مذہب - ثواب و کتاب - عذاب و ثواب - دوزخ و جنت وغیرہ امور کا انکے دلمیں یقین اور ان امور پر انکو وثوق و اعتماد نہیں ہوتا صرف نشیب و فراز دنیوی ہی میں سعادت و شقاوت کو منحصر سمجھتے ہیں اور حصول جاہ اور تحصیل مال کو اصلی کمال اور سب سے بڑا ہنر جانتے ہیں وہ عاقل و فہیم اسی کو سمجھتے ہیں جو تحصیل جاہ و مال میں مشغول ہو اور حکیم و مصلح قوم اسے کہا دیں و مقتدا اسی کو کہتے ہیں جنکو نشیب و فراز دنیوی میں مہارت اور تدبر و [illegible] ہو اور جو ان امور سے مجتنب اور کنارہ [illegible] ہیں اسکو جاہل اور

بدیہی ہوگا۔ [illegible]

[illegible] انہ ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں جنکی تصدیق ہر کوئی صاحب فہم و الصاف بلا تامل کر دیگا۔

ہم اپنی معلومات اور مشاہدات کے ذریعہ سے متنبہ ہوکر انصاف سے دیکھ لیں کہ اہل علم و امانت اور ارباب صدق و صداقت کے بارہ میں جو حضرت نبی کریم اور مربی رحیم نے ہمکو باتیں بتلائی ہیں وہ آج صاف صاف اپنے اندر اور دیگر حضرات کے اندر آنکھوں سے کھلے طور پر ہمکو نظر آتے ہیں یا نہیں جسکے ملاحظہ کے بعد ہمکو ایمان و کفر، علم و جہل، امانت و فتنہ کی شناخت میں کوئی دشواری نہیں ہاں ہم دیکھنا ہی نہ چاہیں یا دیکھکر بھی اپنی سینہ زوری سے کئے جاویں تو اسکا علاج کوئی نہیں کرسکتا لیکن حق تعالیٰ کے یہاں سب کا علاج ہے اور سب کو معلوم ہے جو اسکا یقین اب نہیں کرتا عنقریب مجبوراً کرنا پڑیگا۔

حضرت فخر الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی نے ایمان کی علامت پوچھی یعنی ایمان ظاہری کی نہیں بلکہ ایمان اصلی حقیقی کی جو کہ قلب سے متعلق ہے تو آپ نے جواب میں فرمایا اذا سرتك حسنتك وساءتك سيئتك فانت مومن یعنی نیک کام کرکے تیرے دل میں مسرت ہو اور برا کام کرکے دل برا ہو تو تو مومن ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ اپنے ایمان قلبی کو کہ جسکا معلوم کرنا جاننے والے جانتے ہیں کہ کسقدر دشوار ہے اسی کسوٹی پر کھینچکر دیکھ لیں کہ کھرا ہے یا کھوٹا اور کسی امر میں حق تعالیٰ کی اطاعت اور اسکی عبادت کرنے سے ہمکو مسرت ہوئی یا نہیں اور ہوئی تو کسقدر علیٰ ہذا القیاس گناہ کرکے ہمارا دل برا ہوا یا نہیں اور ہوا تو کسقدر جسکے ذریعہ سے ہم اپنے ایمان کی قوت و ضعف وجود و عدم کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں۔ اور اسی ارشاد سے ہماری سمجھ میں بخوبی یہ بھی آگیا کہ اگر کوئی ایسا ہو کہ عبادت اور نیک کام کرکے بجائے مسرت اسکے دل میں تنگی اور کدورت اور برائی پیدا ہو اور برا کام کرکے دل میں انشراح اور مسرت و خوشی پیدا ہو یا کوئی شخص ایسا ہو کہ کسی عبادت خاص مثل صوم و صلوٰۃ و حج و زکوٰۃ سے اسکے دل میں نعوذ باللہ اسقدر تنفر اور وحشت ہے کہ کسی حال اسکے کرنیکا ارادہ بھی نہیں کرسکتا اور اسکا متحمل ہی نہیں ہوسکتا

حاصل یہ نکلا کہ پیدائش کے وہی دو رکن اعظم کہ جنکا نام علم وحی اور صفت امانت تھا اُن دو نوروں ہیں سے ہر زمانہ میں اُس جماعت موصوفہ کو ورثہ بہ درجہ حصہ فنا ملتا ہوتا ہے اور اُن سے نیابت رسول اور ہدایت مخلوق کا کام لیا جاتا ہے اور جیسے وہ حضرات علم وحی کے عالم ہوتے ہیں ویسے ہی انکی مجالست انکے قرب انکے تعلق انکی محبت سے کیفیت امانت دلوں میں ظاہر اور ترقی پذیر ہوتی ہے اور یہی حضرات رسول کے نائب اور علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل کے واقعی مصداق ہوتے ہیں انہیں نفوس قدسی کی ہمت دیرکت سے بقای دین وایمان اور انہیں کی فیض ومناسبت سے جہل وفتنہ کی روک تھام ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ حق سبحانہ کا اتنا بڑا انعام ہے جسکی قدر وہی سمجھ سکتا ہے جسکو مرتبۂ نبوت کی عظمت اور انبیاء کرام کے کمالات کی حقیقت کماحقہٗ معلوم ہو ورنہ جن افراد زمانہ کے قلب میں خود انبیاء کرام ہی کی کل حقیقت یہ ہے کہ مثلاً مصلح قوم کا نام ہے تو اس کی آنکھوں میں بیچارہ غریب نائبوں کی کیا وقعت ہوسکتی ہے فالی اللہ المشتکی من ھذہ الفتنۃ والھویٰ۔

الحاصل وہ علم وحی اور امانت کہ جو ایمان اور اُسکی تمام اصول و فروع کے لئے مبنی اور موقوف علیہ تھی اُسکی تعلیم و تحصیل میں حسب بیانات سابقہ پوری وسعت اور سہولت فرمائی گئی اور حسب ارشادات نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تا بقیامت اُس کا ایسا انتظام فرما دیا گیا کہ باوجود غلبۂ جہل وضلالت اور باوجود کثرت فتنہ اور عدم امانت ان ہر دو کمال کا سلسلہ کسی حالت اور کسی وقت میں منقطع نہ ہونے پاوے فالحمد للہ کما ینبغی لجلال وجھہ وعظم سلطانہ۔

مگر اسی کے ساتھ اہل اذہان صافیہ اسکو بھی تسلیم کرینگے کہ جیسا ان نائبان رسول کے ذریعہ سے اہل عالم کو اپنے اپنے تعلق اور مناسبت کے باعث علم وحی اور فیض امانت پہنچتا ہے اسی طرح پر اُن لوگوں کی وجہ سے کہ جنکے وقتاً فوقتاً آنیکی آپ نے خبر دی ہے اور اُنکو امام فتنہ اور دجال اور کذاب فرمایا ہے اُنکی مجالست اُنکی محبت اور مناسبت سے ضرور بہت سے افراد کے قلوب میں اپنی اپنی لیاقت کے موافق جہل وفتنہ اور شر وضلالت کا اثر ظاہر اور ترقی

آیا اور تاہ و فود خود حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہو گیا کہ اس بدرخ کے دلوں
سے اللہ تعالیٰ ان ایمان ابلکہ توجہ دیتے ہیں گو انکا خطبہ صحیح ہے بعض بڑی ترکیب قرآن نے اور نہ ہی ہیں
مثال ہے یعنی واسطہ ہو کافر نہیں ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ۔ والحذر الحذر ۔
الغرض ہمارا اوّل فرض یہی ہے کہ علم وحی اور سنت امامت کو آل رسول سے کہ جنکا ذکر
ہو چکا ہے حاصل کریں اور اسکی ترقی میں کوشش کرتے رہیں اور اسی تمام عبادات و
معاملات کی باگ انکے ہاتھ میں دیدیں اور یاد رکھیں کہ جبکہ ہمارے یہ دونوں امر درست ہو جائینگے
ہمکو ایسی دینی مذہب اور اصلاح دین و ایمان کی توقع ایک خیال خام سے زیادہ سمجھی جائیگی
دنیاوی ثروت و جاہ و حکومت و عزت کسی قسم کا کمال یا دولت ان امور سے ہرگز بدل
ایمان اور ترقی اسلام ممکن نہیں ہے ۔ شعر

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی ۔۔۔ کاین رہ کہ تو میروی بترکستان است

ہر چند زمانہ غلبہ جہل و ضلالت کا ہے اور فتنہ ابنائے کہ اکثر قلوب پر ایسا حاوی ہو چکا ہے کہ
کوئی خوش قسمت ہے اس موج طوفان خیز سے نکل سکے تو نکل سکے مگر حق تعالیٰ کا فضل و
رحمت کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص ہے نہ کسی مکان کے ساتھ نہ کسی جماعت خاص میں
منحصر ہے کسی ملک میں اسکا دروازہ رحمت ہر وقت اور ہر کسی کے لئے راستوں کو کھلا ہوا
ہے اور بآواز بلند یہ کہا جا رہا ہے ۔ شعر

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ ۔۔۔ گر کافر و رند و بت پرستی باز آ
این درگہ ما درگہ نومیدی نیست ۔۔۔ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ کا اعلان چار سو عام ہے اس کا مصداق
بن سکے، سبحان اللہ توبہ سے کوئی مانع کوئی اس سے خارج نہیں کسی قسم کی تنگی نہیں اور سلسلہ
علم و امامت برابر موجود ہیں پھر دیر کیا ہے وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ ۔ واللہ ولی التوفیق
وَمَا تَشَاؤُنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللہ ۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ؏

تو اپنے مضمون کو کیا سمجھنا چاہئے اور ہم کہاں تک سمجھے۔ فہم بدیہہ ارشاد مذکورہ اُن کا حکم سمجھ سکتا ہے۔

اور اس ارشاد مذکورہ کی حقیقت سمجھنا چاہو تو وہ یہی ہے جو بالتفصیل معلوم ہو چکی یعنی جو شخص نیک کام کرکے مسرور اور بُرا کام کرکے مکدر و مغموم ہوتا ہے اُس شخص کی صحت سلامت فطرتی یعنی سلامت امانت معلوم ہو گیا کہ صحیح ہے پس ایمان کا مدار ہے اور جو شخص طاعات سے مکدر اور معصیت سے مسرور ہوتا ہے معلوم ہو گیا کہ اُس کی صحت اور سلامت قلبی یعنی امانت فاسد ہو چکی ہے اور لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ کا مصداق ہو چکا ہے فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

یہاں سے یہ مسئلہ بدرجہ اولیٰ صاف ہو گیا کہ یہ بات جو ملتبس ہو گئی کہ بہت سے وہ احکام جزوی جو لباس و طعام رفتار و گفتار عادات و اوضاع نشست و برخاست کے متعلق ہیں اور اہل اسلام بکثرت اُن امور کو ایک حقیر بات سمجھ کر اُن میں خلاف حکم شریعت کے اعمال کی پرواہ نہیں کرتے اُن میں دو امر قابل لحاظ ہیں ایک تو خلاف حکم شریعت کرنا یہ جس درجہ کا گناہ ہو دوسرے امر مخالف شرع کا استحسان اور اُس پر مسرت یہ نہایت سنگین جرم ہے جس کا ذکر ابھی گذرا مثلاً ٹخنے سے نیچے پاجامہ پہننا یا داڑھی منڈوانا یہ ایک گناہ ہے مگر ان امور کو کرکے دل میں مسرت ہونی اور اس کے خلاف یعنی شریعت کی موافقت کو کراہیت اور ناگواری کی نظر سے دیکھنا یہ نہایت خوفناک امر ہے جو فساد قلب یعنی نقصان امانت کی دلیل ہے جس سے احتساب کلی سب پر لازم اور ضروری ہے یا فرض کیجئے کہ کسی کے دل میں نماز یا حج یا کسی اور امر شرعی کے کرنے کا کوئی تقاضا اور اہتمام نہیں اور نہ حکم و تاکید خداوندی کا خیال ہے مگر دنیا کے شرما شرمی یا اپنی کسی نفسانی مصلحت یا کسی دنیاوی مصلحت کی وجہ سے اُس کام کو اپنے ارادہ سے ادا کر لیا تو اب غور کرنا چاہئے کہ اُس واجب مفروضہ کو ادا کرکے اُس کے دل میں کیا کیفیت پیدا ہوئی اگر خدانخواستہ کسی قسم کی کراہیت و نفرت یا انقباض و کدورت پیدا ہوئی تو یہ اس درجہ کی علامت اور سخت امر ہے کہ حقیقت میں اُس فرض کے ترک کرنے کا جرم بھی اس جرم سے بہت گھٹا ہوا ہے اور اگر اُس فعل کو ادا کرکے مسرت اور انشراح دل میں

ہیں جو بالقول شاعر؎ لا شئ ارث الا الی ادب ؛ و بقول شاعر؎

ہر شبے گویم کہ فردا ترک این سودا کنم — باز چون فردا شود امروز را فردا کنم

اس کا علاج یہی ہے کہ آج ہی میں سارے کام چھوڑ کر اور ظاہرا سرسری طور پر ان کا انتظام کر کے اور باقی کو خدا تعالیٰ کے حوالے کر کے چل کھڑا ہو۔ اور اس علاج کی ہمت باندھنے کیلئے ان وعیدوں کو یاد کرے جو باوجود فرضیت کے اس کے ترک پر آئی ہیں قرآن مجید میں ایسے ترک حج کو کفر سے تعبیر فرمایا ہے اور حدیث شریف میں یہودیت و نصرانیت کی حالت پر موت آنے کی سزا پر بتلایا ہے۔ اس سے زیادہ کیا وعید ہوگی۔

اور اگر فکر تعلقات زیادہ مشوش کرے تو یوں سوچے کہ اگر میں ابھی مر جاؤں تو اس تمام کارخانہ کا کیا انتظام ہو۔ تو سفر کر یا موت سے تو بڑھکر نہیں اسوقت ہمیشہ کیلئے اس سب کو چھوڑ دینا۔ اب تھوڑے روز کے لئے چھوڑنے پر دل سمجھا لے۔ اپنے دل کو سمجھا لینا ہی کیا مشکل ہے اور وہ بھی مہتم بالشان ضرورت کیلئے۔

اور غلطی کوتاہیاں بکثرت ہیں۔ مگر بعض تو عین موقع کے متعلق ہیں انکا تو عام کو پہلے سے سمجھنا اور یاد رکھنا دونوں تکلف سے خالی نہیں۔ اسکی تدبیر بجز اسکے کچھ نہیں کہ وہاں پہنچکر مطوف ایسے شخص کو مقرر کیا جائے جو احکام حج سے پورا آگاہ اور اپنے تدین کی وجہ سے اپنے حجاج کے افعال حج کا پورا نگراں اور مطلع کر دینے والا ہو۔ اکثر لوگ مطوفین اپنی دنیوی آسائش کے لئے مقرر کرتے ہیں۔ دنیوی حوائج تو کسی نہ کسی طرح پورے ہو جاتے ہیں۔ زیادہ ضرورت تو دینی حاجت کے انتظام کی ہے۔ سو جب حج کو جانے لگے جو علماء حج کر آئے ہیں اول ان سے درباره تعیین مطوف مشورہ کر لے ورنہ ناواقفی سے بعض ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں کہ حج ہی فاسد یا کالفاسد[1] ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ علماء کو بھی ہر وقت مسائل حج کے مستحضر نہیں رہتے۔ اسلئے ان کیلئے بھی مناسب ہے کہ مناسک کے مختصر رسالے خواہ کسی زبان میں ہوں سفر میں ہمراہ رکھیں اور انکا مطالعہ کرتے رہیں۔ اور پھر کہیں جہاں اشتباہ واقع ہو وہاں کے علماء حاذقین سے پوچھ لیں کہ انکو یہ احکام زیادہ مستحضر رہتے ہیں اور

---

[1] مثل فاسد کے ۱۲

ہے نہیں اسلئے میرے ذمہ حج فرض نہیں۔ اور یہی خیال بعض لوگوں کو زکوٰۃ میں بھی ہے
بعض لوگ نہ حج کرتے ہیں نہ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ وجوب کیلئے یہ دیکھ لینا چاہئے کہ مدار فرضیت حج
و زکوٰۃ کا خاص مقدار مال کا مالک ہونا ہے۔ اگر کسی کے پاس مال ہو خواہ کسی طرح حاصل ہوا ہو اسلئے
اس شخص کے ذمہ حج اور زکوٰۃ دونوں فرض ہیں البتہ حرام مال سے جو حج ہوگا وہ مقبول
نہ ہوگا۔ لیکن فرض ادا ہو جاویگا یعنی اس شخص پر یہ مواخذہ نہ ہوگا کہ حج کیوں نہیں کیا۔ گو یہ
مواخذہ ہوگا کہ مال حرام کیوں جمع کیا اور اس سے کیوں خرچ کیا۔ سو ادا ہو جانا اور چیز
ہے اور قبول ہونا دوسری چیز ہے۔ اگر قبول ہونا بھی چاہتا ہے اور بجز اس مال حرام کے اسکے
پاس اور کچھ ہو نہیں تو اسکی یہ صورت ہے کہ کسی کافر سے قرض لیکر اسکو حج کیلئے الگ رکھے۔ پھر خواہ وہ قرض
اسکا یہی دن خواہ تھوڑی ہی دیر کے بعد اس حرام مال سے ادا کر دے تو یہ روپیہ قرض لیا ہوا
اسکی نسبت غنیمت ہوگا اور بعضے یوں کہا کرتے ہیں کہ دوسرے شخص کے روپیہ سے بدل لیتے سو اگر
ہاتھ در ہاتھ بدلا تو وہ بدلے کا روپیہ بھی ایسا ہی حرام ہو جاویگا۔ اصل یہ کہ پاس کا روپیہ کسی دوسرے
بدلے میں لینے کا اور حکم ہے اور قرض لیکر پھر ادا کرنے کا اور حکم ہے۔ اور اس تدبیر کے بتلانے کا یہ مطلب
نہ سمجھا جاوے کہ مال حرام جمع کرنے کی اجازت دیجاتی ہے یا یہ کہ جو حرام مال جمع کر لیا
گناہ اتر گیا۔ یا اسکے تدارک کی شرعاً ضرورت نہیں رہی ساتھ ادا کرانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔
حرام مال لینے کا جو گناہ ہے وہ اب بھی باقی ہے اور اسکا تدارک ابھی واجب ہے۔ جنکی حق
لوگوں کا وہ حق ہے انکو واپس کرنا جنکا حق معلوم نہ ہو اسکے ورثہ کو دینا اور جہاں معلوم نہ ہو
اسقدر مال ان مستحقین کی طرف سے مساکین کو دیدینا اور اس کے ساتھ توبہ اور استغفار
کرنا اور اگر بالفعل تدارک پر قادر نہ ہو تو اسکی فکر میں رہنا اور جتنی جتنی گنجائش ہوتی جاوے
اتنا اتنا ادا کرتے رہنا یہ سب واجب ہے۔ غرض اس سے بھی حرام و حلال کے احکام نہیں
بدل گئے یا رفع نہیں ہو گئے۔ مقصود اس سے اس امر پر تنبیہ کرنا ہے کہ یہ لوگ جو حج و زکوٰۃ کو
اپنے ذمہ فرض نہیں سمجھتے انکی غلطی ہے۔ یہ دو علمی غلطیاں تو وہ ہیں جو حج کے امر شرعی کی
[illegible] کیجانی ہے۔
ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ جنکے پاس نہ تو حج کا سامان ہے اور نہ قلب میں غنا اور

اسمائے گرامی حضرات معاونین رسالہ القاسم

(دلی شکریہ کے ساتھ درج ہوتے ہیں)

(۱) جناب مولانا مولوی محمد عبد الرب صاحب جانشین حضرت مولانا حافظ احمد صاحب جونپوری ۵ روپیہ

(۲) جناب مولوی محمد ممتاز خاں صاحب ـ گوہانہ ضلع رہتک ـ ۵ روپیہ

(۳) جناب مولوی محمد سعید صاحب سب رجسٹرار ضلع بلیا ـ ۵ روپیہ

(۴) جناب مولوی محمد یوسف صاحب مدرس مدرسہ بگھرہ ضلع مظفر نگر (آپ رسالہ کی مدد کیلئے) ۱۱ روپیہ

(۵) جناب مولوی محمد برکت اللہ صاحب محمد گنج ضلع بستی ـ (دوبارہ برائے سال دوم) ۵ روپیہ

(۶) جناب حاجی سید نور الحسن صاحب رئیس رتھیڑی ضلع مظفر نگر (") ۵ روپیہ

(۷) جناب حاجی نور محمد و محمد خلیل صاحبان سوداگران مظفر نگر (") ۵ روپیہ

(۸) جناب میر احمد شریف صاحب وکیل درجہ اول حیدرآباد (") ۵ روپیہ

(۹) جناب مولوی سید محمد اختر صاحب ماسٹر ہاپوڑ ضلع میرٹھ (") ۵ روپیہ